فہرست ابواب و عنوانات

تعارف

از

(جناب پروفیسر ڈاکٹر مسعود حسین خان صاحب ایم۔اے۔ڈی لٹ۔صدر شعبۂ اردو
عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (آندھرا پردیش)

ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

اُردو زبان پر یہ اعتراض قدیم زمانے سے چلا آیا ہے اور قومی یکجہتی کے موجودہ زمانے میں اس کی شدت کا احساس اور زیادہ ہو گیا ہے جبکہ فراق گورکھپوری جیسے اُردو کے باکمال شاعر اس بات کی طرف توجہ دلانے لگے ہیں کہ اُردو شاعری میں ہندوستانی "سنسکرتی" کا فقدان رہا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ اُردو۔ ادب و زبان کے ان سرچشموں سے فیضیاب ہو۔ یہ اس ملک کی تہذیبی تاریخ کی اساس ہے۔

یہ احساس نیا نہیں۔ جدید شاعری کا آغاز کرتے ہوئے محمد حسین آزاد نے اپنے خطبات میں اس کی جانب اشارہ کیا تھا۔ اُردو شاعری میں گیت کی روایت اسی کے پیش نظر قائم کی گئی تھی عظمت اللہ خاں کا اجتہادِ فن اسی کمی کو پورا کرنے کی ایک کوشش تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اس قسم کی مسلسل ادبی کاوشیں ملتی ہیں۔ جن کے ذریعے اُردو سخنوروں کو ہندی زبان کے نرم و شیریں لہجہ سے متعارف کیا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں نیاز فتح پوری نے "جذباتِ بھاشا" کے نام سے ہندی کے مشہور دوہوں کا ترجمہ پیش کیا۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں پروفیسر جعفر حسین نے "منتخبات ہندی کلام" سے

عنوان سے اس کام کو زیادہ بڑے پیمانے پر انجام دیا۔ اعظم کریوی کی "ہندی شاعری" بھی اس زمانے کی یادگار ہے۔

مولوی احترام الدین احمد **شاغل** کی "**گُل و گوہر**" تاریخی اعتبار سے اس سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن کئی لحاظ سے یہ ان سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ شاغل صاحب نے نہ صرف ہندی دوہوں کا سلیس نثر میں ترجمہ کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ بلکہ نہایت کاوش سے ہم موضوع فارسی اور اردو اشعار کو بھی یکجا کر کے شعری ادب کے تقابلی مطالعہ کا ایک اہم باب پیش کیا ہے۔ موجودہ بین قومی زمانے میں جب کہ ہم اپنی معیشت، سیاست، غرض ہر چیز کو قومیت کے تنگ نالے سے نکالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ یہ سعی کس قدر اثر آفریں ثابت ہوگی کہ ادب کو بھی بین قومی پیمانے سے ناپا جائے۔ داخلی شاعری کے موضوعات مشرق کی تمام تر زبانوں میں یکساں ہیں۔ وہی "توحید و تصوف و عبادت" وہی "اخلاق و مروت و سخاوت" وہی "محبوب و محب و حسن و اُلفت" وہی "بہار و کرشمہ ہائے قدرت" مولوی احترام الدین احمد شاغل صاحب کی تصنیف کے ابواب ہیں انہیں خانوں میں اُنھوں نے مشرق کے دھڑکتے ہوئے دل اور ہند و ایران کے حُسن ملیح و صبیح کو یکجا کر کے دکھایا ہے۔ انسانی جذبات میں اگر یہ عمومیت نہ ہوتی تو اس قسم کا شعری توارد کیوں کر ممکن تھا۔

آنکھیں

پریتم چھب نین بسی پر چھب کہاں سمائے ۔۔۔ بھری سرائے رحیم لکھ آپ پتھک پھر جائے

خواب و بیداری آں نرگس مخمور خوش است ۔۔۔ ایں سرائیست کہ در بستہ و معمور خوش است

آؤ پیارے نین ماں موند پلک توہے لیوں ۔۔۔ نا میں دیکھوں اور کو نا توہے دیکھن دیوں

بیا بنشیں بچشم تا زمژگانم بپوشانم ۔۔۔ من و تو بے نیاز جلوۂ غیراں تواں باید

وارداتِ قلبیہ کی یہ عمومیت ہند و ایران سے مخصوص نہیں بلکہ ایک عالمی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اگر ذہنِ شاعر اس کے لئے مماثل پیرایۂ زبان یا استعارہ ڈھونڈھ لیتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

وقتِ سفرِ یار نہ صرف اسد اللہ خاں کو یاد آیا تھا بلکہ ہندی کے شاعر کا دل بھی "پو" کی طرح اس طرح پھٹتا ہے:-

آج سکھی ہوں سُنت ہوں پو پھاٹت پی گون ۔۔۔ پو میں ہیئے میں ہوڑ ہے پہلے پھاٹت کون

سجن سکارے جائیں گے سونین مریں گے روئے ۔۔۔ بدھنا ایسی رین کر کبھو نہ بھور نہ ہوئے

جو ہندی شاعر نے "بدھنا" سے التجا کی ہے وہی "یا الٰہی" بن کر فارسی شاعر کی زبان پر اس انداز میں آتی ہے:-

می شنیدم یارِ من فردا رود راہِ شتاب ۔۔۔ یا الٰہی! تا قیامت برنہ آید آفتاب

یہ خوشی کی بات ہے کہ اشعار کے اس تقابلی انتخاب میں مولوی احترام الدین احمد شاغل صاحب نے مکھی پر مکھی نہیں ماری ہے اور نہ بیشتر لفظی یا تشبیہی قلابازیوں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اُن کی نظر اس داخلی واردات پر رہی ہے جو مختلف زبانوں کے پیرایوں میں تشبیہ و استعارے کے اس تنوع کو قائم رکھتا ہے۔ جو ایک طرف ہندی اور دوسری طرف فارسی کے اندازِ قامت سے عبارت ہے اور تیسری طرف اُردو زبان کے اس 'ریختہ' یا آمیختہ اندازِ بیان سے جس میں دونوں کا رنگ ڈھنگ ملتا ہے۔ میرے خیال میں مولوی صاحب کی یہ ادبی کاوش جس میں ان کے شستہ ادبی ذوق کی کارفرمائی ہر ہر صفحہ پر ملتی ہے۔ ادبی حلقوں میں نہ صرف مقبول ہوگی بلکہ اس سے تقابلی مطالعۂ شعر کا ایک اہم اور نیا باب کھل جائے گا۔

مسعود حسین
شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۲، جنوری ۱۹۶۲ء

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

مرزا محسن تاثیر

تمہید

حمد و نعت کے بعد التماس ہے کہ ہندی اور اُردو دونوں ہی زبان ہندوستان کی پیداوار اور صدیوں کی مشترکہ جدوجہد کی یادگار ہیں۔ اُردو کی آراستگی میں غیر مسلموں کا ہاتھ بھی رہا ہے، تو ہندی کی پیراستگی میں مسلمانوں کی دیدہ وری بھی کام آئی ہے۔ ادبی اور سیاسی مقاصد سے گذر کر دونوں کی ضرورت دینی معاملات تک میں محسوس کی گئی ہے۔ چنانچہ درویشوں اور سادھوؤں نے اِن کو

تعلیم و تلقین۔ اُپدیش اور گیان دھیان سکھانے کا ذریعہ بنایا۔ اور اُنھوں نے اپنی صلاحیت کی بنا پر اِن کی کامیابی میں ہاتھ بٹایا۔

ادبی دُنیا میں دونوں کی ارتقائی کیفیت بھی تقریباً یکساں پائی جاتی ہے۔ یعنی نظم کو نثر پر دونوں ہی میں تقدم حاصل ہے۔

ہندی کے ابتدائی دور "ویرگاتھا" (عہدِ شجاعت) کے کویوں کا جو رنگ کلام اور فقدانِ سخن ہے وہی حالت دکّی سے پہلے کے عام اُردو شعراء کی ہے۔ چنانچہ دونوں ہی زبانوں کے بعض کوی اور شعراء سے دنیائے ادب اب تک نا آشنا ہے اور وقتاً فوقتاً نئے سامنے آتے ہیں۔

دوسرے دَور "صوفیانہ شاعری" یا "بھگتی کال" کو لیجئے تو جس طرح کبیر، تلسی، دادو اور دوسرے بھگت کوی اپنے سنگھاسنوں پر براجمان ملتے ہیں اسی طرح صوفی شاعر مظہر و درد وغیرہ بھی مسندِ رشد و ہدایت پر رونق افروز نظر آتے ہیں۔

تیسرے دَورِ "حسن و عشق" یا "رِیت کال" کی ریت رسم بھی دونوں ہی جگہ یکساں پائی جاتی ہے۔ بہاری جیسے "سنگھارس" کے رسیاؤں کی طرح لکھنوی نزاکت آفریں شعراء سے انکار کی جرأت کس کو ہو سکتی ہے۔ اور رنگین کی رنگریزی ریختی کس سے پوشیدہ ہے۔ تعداد پر خیال کیجئے تو دونوں کے سخنور اور زباں آور لوگ گروہ در گروہ اور جوق در جوق اپنی کوِتا اور شاعری کی نئی دنیا بسائے ہوئے ہیں۔ جو

الفاظ کے لین دین کا کاروبار بھی کر رہے ہیں اور تخیلی و تخلیقی سرمایہ داری میں بھی ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے میں کوشاں ہیں، بہاری 'بدرا' (بادل) کو بدرا (فارسی ترکیب) کہنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا تو حالی۔ ہندی الفاظ سے اُردو کو نیا روپ دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اور اُس کے چار چاند لگانے میں بڑی چابک دستی سے اُن کو نگینوں کی طرح جڑ دیتا ہے۔

کبیرا اپنے مسلک کے مطابق بعض ایسے دوہے کہتا ہے کہ ہندی اور اُردو دونوں کی میزانِ لسان میں پورے اُترتے ہیں۔

موجودہ دَور میں بھی مشاعروں کی انجمن آرائیوں اور شعرار کی فراوانیوں کی طرح کوی سمیلنوں کی ہما ہمی اور کویوں کی افراط، یکسانیتِ عمل و خیال کی کھُلی دلیل ہے۔ تفصیل و تمثیل اور تقابل و تطبیق کی اس مختصر تالیف میں گنجائش نہیں اور نہ یہ کوئی لسانیات کی تاریخ ہے۔ نہ موازنہ و محاکمۂ زبان اس کا موضوع ہے بلکہ ایک ادبی مجموعۂ اشعار ہے جو اہلِ ذوق کی دعوتِ شوق کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

الحاصل دونوں زبانوں کا قریب ترین رشتہ ہے البتہ انفرادی شان اور مابہ الامتیاز صرف اِن کا رسمِ خط ہے۔ جو بدستور قائم رہنا ہی چاہیئے۔ ورنہ آج نہیں تو کل جب ہندی اور اُردو والے عام فہم اور آسان سے آسان زبان استعمال کرنے پر مجبور ہوں گے یا اقتضائے وقت اور حصولِ مقصد کی غرض سے از خود اختیار کریں گے تو دونوں زبانوں کا وجود برقرار رکھنے کا ضامن یہی رسمِ خط ہوگا۔

البتہ مذکور الصدر یگانگت کے باوجود کویوں اور شاعروں میں فی زمانہ جو ذہنی اور خارجی اختلاف ہے۔ وہ باعثِ تعجب اور لایقِ توجہ ہے۔ گویا۔ ع

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

کا سا معاملہ ہے۔ حالانکہ کویوں اور شعرار کی مِلی جُلی بزمیں بھی منعقد ہوتی ہیں جن میں دونوں اپنے نتایجِ افکار ایک ہی نشست میں پیش کرتے ہیں مگر نہ ہندی والے اُردو کو صحیح سمجھ کر داد دیتے ہیں اور نہ اُردو داں ہندی کویوں کو۔ البتہ ایسے لوگ جو دونوں زبانوں پر برابر قدرت رکھتے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں مگر ایسے مجمعوں میں شریک ہونے والے جانتے ہیں کہ ایسی صورتیں کتنی ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ کسی زبان سے لاعلمی تو ہے ہی مگر کچھ اور بھی اسباب ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) شاعر کا کویوں کے اندازِ تخیل اور طرزِ فکر سے ناواقف ہونا اور اسی طرح کوی کی شاعروں کی خصوصیت سے بے خبری۔

(۲) تنگ نظری اور عصبیت۔

(۳) زبان کی کہتری و برتری کا تصور۔

(۴) کویوں اور شعرار میں امتیازی سلوک۔

(۵) کلام کا معیارِ فہم سامعین کے مطابق نہ ہونا۔

آزاد ہندوستان میں ہر کمی کو پورا کیا جارہا ہے اور ہر شعبہ میں ترقی کی جارہی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ شعر و سخن میں شاعروں اور کویوں میں ہم آہنگی اور ادبی اتحاد

میں ترقی کی کوشش نہ کی جائے۔ اور ایک کو دوسرے سے قریب ترلانے کی جدوجہد نہ ہو۔

۱۹۴۷ء سے پہلے تک بہت سے موضوعات کی ہندی تصانیف کثرت سے اُردو میں منتقل ہوتی رہیں اور بعض میں تو یہ التزام کیا گیا کہ نظم کا ترجمہ نظم ہی میں کیا گیا۔ مگر جب سے ہندی سرکاری زبان تسلیم کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً ختم سا ہوگیا۔ البتہ اُردو کا خاص کر ادبی سرمایہ ہندی کے خزانوں میں تیزی سے منتقل کیا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ غالب جیسے فلسفی شاعر کے مشکل سے مشکل اشعار تک جن کے سمجھنے کو خود اُردو والوں کو شرحیں درکار ہوتی ہیں ہندی میں منتقل ہو چکے بلکہ بعض اُردو کے شعرا مختلف مصلحتوں کے ماتحت اپنا اُردو کلام ہندی رسم خط میں شائع کرنا مفید و مناسب سمجھتے ہیں۔ اُردو ادب سے ہندی داں طبقہ کو روشناس کرنے کی یہ مستحسن کوشش ہے۔ اور ہندی کی خدمت بھی۔ رہا اُردو میں ہندی کے سرمایہ کا منتقل نہ ہونا تو اس کی وجہ ظاہر اور نتیجہ واضح ہے۔ البتہ صرف ہندی ادب یا زبان کی تاریخ سے اُردو داں طبقہ کو آگاہ کرنے یا اسی قسم کے دوسرے مقاصد کے ماتحت کچھ کتابیں ہندی کے متعلق شائع ہوئی ہیں۔ اور اس ذیل میں ہندی نظم کا کچھ حصہ بھی اُردو میں منتقل ہوگیا ہے۔ یا کچھ منتخب دوہے وغیرہ بعض کتابوں کی شکل میں شائع کئے گئے ہیں جن کی یہ صورت ہے کہ صرف اُردو میں دوہا لکھ کر اس کے معنیٰ اور مطلب اُردو رسم خط میں درج کئے ہیں اور کہیں کہیں شرح کے انداز کی

عبارت بھی تحریر کی ہے۔ نیز خوبیٔ کلام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بعض تالیفات میں صحتِ الفاظ کی غرض سے اعراب بھی لگائے گئے ہیں۔ اور بعض اصحاب نے اُردو رسمِ خط کے ساتھ ہندی میں بھی دوہے لکھ دئے ہیں تاکہ لفظی غلطی کا کوئی امکان نہ رہے۔ شاذ و نادر کوئی اُردو یا فارسی کا شعر بھی مطابقتِ تخیّل کے اظہار کی غرض سے درج کردیا ہے۔ یہ تمام کتابیں بھی قابلِ قدر اور مفادِ اُردو کے حق میں ہیں مگر تعداد کے لحاظ سے بہت کم ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ خدمتِ اُردو کی غرض سے زیادہ سے زیادہ ہندی کی تصانیف اُردو میں بھی منتقل ہوں۔ بلاشک اُردو کے اِس ابتلائی دور میں اُن سے مالی نفع کی توقع کرنا بے سود ہے بلکہ قدر و منزلت کی اُمید رکھنا بھی خیالِ خام ہے۔ شاعر بجا طور پر کہہ سکتا ہے کہ....

ع۔ سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے سدا مال کا مول

مگر بنظرِ غائر دیکھئے تو یہی وقتِ امتحان ہے۔ مریض کی حالت جس قدر نازک ہو اُسی قدر تیمار دار کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اُردو "مردِ بیمار" ضرور ہے مگر جسدِ بے جان نہیں۔ اس کی شفایابی کی یہ بھی اچھی تدبیر ہے۔ اور دونوں زبانوں کے سخنوروں میں ادبی مفاہمت و موانست کی بھی عمدہ تجویز۔ گل و گوھر اسی بُستانِ خیال کا ایک پھول ہے اور اسی سلکِ اتحاد کا ایک موتی۔ اس کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:۔

(الف) دوہا۔ دیوناگری اور اُردو رسمِ خط میں مع اعراب ہے۔ اور اس کے معنی

مفہوم بھی اُردو میں درج کیئے گئے ہیں ۔
(ب) ہر دوہے کے جواب میں کم سے کم ایک شعر فارسی کا اور ایک اُردو کا ضرور
درج کیا گیا ہے ۔
(ج) کوئی دوہا یا شعر دوبارہ نہیں لکھا گیا۔
(د) فارسی شعر کا مفہوم اُردو میں بھی درج کر دیا ہے ۔
واضح رہے کہ اُردو شاعری کا تار و پود کارگاہِ فارسی سے لیا گیا ۔ اور صدیوں یہ
زبان ہندوستان کی سرکاری و ادبی زبان رہنے کے باعث اُردو میں رس بس
گئی ہے لہٰذا جو اُردو اور ہندی کے شاعر آج فارسی سے ناواقف ہیں اُن کی
شعری معلومات میں اضافے اور بالخصوص اُردو والوں کی بصیرت کے لئے فارسی
اشعار ضروری ہیں ۔
(ہ) اُردو اور فارسی کے اشعار دوہوں کا ترجمہ نہیں ہیں ۔ ایسی تو متعدد
تصانیف ہیں کہ نظم کا ترجمہ نظم میں کیا گیا ہے ۔ مگر اس مجموعے میں کوئی شعر
نہ بغرض ترجمہ موزوں کیا گیا ہے نہ لفظی ترجمہ ہونا ضروری سمجھا گیا ۔ بلکہ مفہوم
و مضمون کے لحاظ سے دوہے کا لازمی ہونا قرار دیا گیا ہے اس لئے بعض
اشعار جزواً دوہے سے مطابق ہوتے ہیں ۔ بعض کلیتاً اور بعض میں کچھ
اضافہ بھی ہے ۔ اور بعض برعکس بھی ہیں ۔
(و) کُل اشعار مجموعہ ہذا کی ترتیب سے پہلے کے کہے ہوئے ہیں ۔

(ز) شعر یا دوہے سے متعلق اگر کوئی واقعۂ لطیف یا دلچسپ روایت میرے علم میں تھی تو وہ بھی جا بجا درج کی گئی ہے۔ اور حسب موقع تشریحی عبارت بھی تحریر کی گئی ہے۔ البتہ ہر جگہ حوالجات دینے کو غیر ضروری سمجھا ہے کیونکہ یہ نہ کوئی تنقیدی تالیف ہے نہ تحقیقی مقالہ نہ تاریخی کتاب جیساکہ اوپر کہا جا چکا ہے۔ نہ فی الحقیقت ناظرین کو وقتِ مطالعہ اُن حوالوں کی تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ وہ فی الوقت اُن کے پاس ہوتے ہیں۔ لیکن ضمیمۂ دوم میں اُن کتابوں کے نام لکھ دیے گئے ہیں جن سے اس ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔ پھر بھی بہت سے اشعار اور متعدد واقعات ایسے ہیں جو میرے ذاتی علم پر منحصر ہیں۔

(ح) جہاں تک معلومات ہو سکی ہر شعر اور دوہے پر کوی یا شاعر کا نام لکھا گیا ہے اور امکانی احتیاط کی گئی ہے کہ غلطی نہ ہو اسی وجہ سے نمایاں تعداد ایسے دوہوں اور اشعار کی ہے جن پر "لا اعلم" درج ہے۔ پھر بھی بالکل ممکن ہے کہ اس میں غلطی ہو گئی ہو۔

مجموعہ ہٰذا کی ترتیب اس تمہید کے علاوہ حسبِ ذیل ہے:۔

بابِ اوّل ۔ توحید و تصوّف و عبادت۔

بابِ دوم ۔ اخلاق و مُروّت و سخاوت۔

بابِ سوم ۔ محبوب و محبت و حُسنِ اُلفت۔

باب چہارم ۔ پیری و کرشمہائے قدرت ۔

ہر باب کے تحت متعدد عنوانات ہیں جن کی فہرست شروع میں درج کی گئی ہے اور ہر عنوان میں ایک یا زائد دوہے اور اشعار درج ہیں ۔ اس طرح کل دوہے ۲۰۵ اور ایک چوپائی ہے ۔ فارسی اشعار ۵۳۵ اور اردو کے ۹۴ شعر ہیں ۔

ضمیمۂ اوّل ۔ میں اُن کویوں اور شعراء کے مختصر حالات درج ہیں جن کا کلام اس مجموعہ میں درج ہے ۔ تخلّص ردیف وار درج کیے گئے ہیں ۔

ضمیمۂ دوم ۔ میں اُن کتابوں کے نام درج ہیں ۔ جن سے اس تالیف کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے ۔ بترتیبِ ردیف ۔

توضیح ۔ ممکن ہے کہ بعض اشعار یا دوہوں میں کوئی لفظی اختلاف ہو ۔ اس لئے کہ ایک ہی کتاب کے مختلف نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ تاہم صحتِ الفاظ کی امکانی کوشش کی گئی ہے ۔

مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں ہندی سے کماحقہٗ واقف نہیں ہوں ۔ اس لئے ہندی داں احباب سے میں نے مدد لی ہے ۔ یہ بھی واضح رہے کہ میں نے راجستھانی کو بھی ہندی ہی میں شمار کیا ہے ۔

اس تالیف کی وجہ تحریک یہ ہے کہ جے پور میں ایک صاحب اللہ دین جی چابک سوار ہیں ۔ وہ اگرچہ اُمّی ہیں ۔ مگر ہزارہا دوہے اور اشعار ان کو ازبر ہیں ۔ ساتھ ہی طرز ادا متین اور دلکش ہے ۔ اُن کو دوہوں اور اشعار کے لحاظ سے ایک مختصر سا چلتا پھرتا مشاعرہ یا کوئی سمیلن کہا جائے تو ہرگز بیجا نہیں ۔ کوئی

سننے والا ہو تو برابر سناتے جاتے ہیں حتیٰ کہ سامع تھک جائے۔ خود نہ کوئی ہیں نہ شاعر مگر اس شوقِ سخن نے مذاقِ سخن سنجی خاصہ بلند کر دیا ہے اور طبیعت میں ایک رچاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ گاہ بگاہ وقتِ ملاقات تو میں اُن سے کچھ سنانے کی فرمائش کرتا ہی رہتا تھا مگر پچھلے دنوں جب مجھے کچھ فرصت تھی تو خیال آیا کہ اُن کے حافظہ کو انتخاباً کتابی شکل میں کیوں نہ محفوظ کر لیا جائے۔ لہذا کئی ہفتے پابندیٔ وقت کے ساتھ اُن کو تشریف لانے کی زحمت دی گئی۔ آئے اور حسبِ عادت دوہے اور اشعار سناتے رہے اور میں حسبِ پسند نوٹ کرتا رہا۔ ساتھ ہی بطور شکریہ اپنے حافظہ کا سرمایہ بھی اُن کو منتقل کرتا رہا۔ اور پھر دوہوں اور اشعار کی صحت مختلف کتب سے کر لی۔ اور کچھ دوہے اور اشعار کتابوں سے بھی منتخب کیے۔ اس مختصر سی ادبی صحبت میں کبھی کبھی مختلف اہلِ ذوق اصحاب بھی قصداً یا اتفاقیہ شریک ہو جاتے تھے۔ مثلاً منشی چاند بہاری لال صبا" طوطیِ راجستھان" اور سید لایق علی، اس طرح اس پُرلطف و شوق افزا، صحبت کو دماغی تنیش کا نمونہ کہا جائے تو غلط نہیں۔

صبا نے اس آتشِ شوق کو اور ہوا دی۔ لہذا اس معلوماتِ سینہ بہ سینہ سے گذر کر میں علمِ سفینہ کی طرف رجوع ہوا۔ اپنے ذاتی کتب خانہ کو ٹٹولا۔ صبا کی عطیہ متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا اور حسبِ ضرورت مختلف پستکالوں اور کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ دو سال سے زیادہ عرصہ اسی شغل میں گذرا۔ منشی رام چند "نظر" جواہر رقم نے ہندی لکھنے کی تکلیف گوارا کی۔ اور یہ مجموعہ تیار ہو گیا۔ میں ان جملہ صاحبان کا تہِ دل سے

ممنون و شکر گذار ہوں۔ اور ساتھ ہی پنڈت اودنار نرائن بہادر کا جنھوں نے کافی دماغ سوزی و دیدہ ریزی کر کے مسودے کی کتابتی غلطیوں سے مجھے آگاہ کیا اور مفید مشوروں سے نوازا۔

اب رد و قبول ناظرین کی رائے پر منحصر ہے۔ بصورت پسندیدگی میرے لئے باعثِ مسرت و عزت ہے۔ ورنہ۔ کالائے بدش بریش خاوند۔ کا مصداق۔

کتابتی غلطیاں رہنا ناگزیر ہے۔ کتاب کا صحیح چھپنا بلاشک دنیا کے ناممکنات سے ہے اور سہو و غلطی کا ہونا خاصّہ فطرتِ بشری۔ تشویش و غصہ پر میں راضی نہیں ع۔ لہذا دوسری صورت اختیار کر رہا ہوں۔ البتہ اہلِ نظر و باخبر اصحاب سے متوقع ہوں کہ کوئی غلطی، یا فردگذاشت پائیں تو مطلع فرمائیں +

اخترام الدین احمد شاغل عثمانی

جے پور۔ تسلیم منزل
۳/۱/۶۱ - ۵ بجے شام

ع۔ بقول سعدیؒ۔ یا بہ تشویش و غصہ راضی شو + یا جگر بند پیش زاغ بنہ ۱۲

بنام آں کہ او نامے ندارد
بہر نامے کہ خوانی سر برآرد

بابِ اوّل

۱ توحید و تصوّف و عبادت

فارسی میں جو اہمیت صوفیانہ دورِ شاعری کو حاصل ہے وہی ہندی میں "بھگتی کال" کو ہے۔ فارسی کے مشہورترین صوفی شاعر عطّار، سنائی اور رومی ہیں۔ ہندی کے سورداس، کبیر اور تلسی۔ اردو میں میر درد کا پایہ بہت بلند ہے۔

فارسی کے تین شعراء کو مختلف اصنافِ سخن کا پیغمبر کہا گیا ہے:۔

در شعر سہ کس پیمبراں اند ہر چند کہ لاَ نبیَّ بعدِی
ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

یعنی فن شعر کے تین پیغمبر ہیں۔ اگرچہ لاَ نبیَّ بعدِیؐ برحق ہے۔ مثنوی کا فردوسی قصیدے کا انوری اور غزل کا سعدی۔ اِس قول کے قائل سے جب پوچھا گیا

کہ " نظامی راچہ می گوئی؟" تو اُس نے جواب دیا" بابا، آں خدائے سخن بود" فنِ شعر کی بابت کوئی شاعر کہتا ہے :-

شاعری جزویست از پیغمبری

اُردو میں میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ تاہم اُس کے شہنشاہِ غزل ہونے میں کیا کلام ہے۔ قصیدے کے بادشاہ سودا و ذوق ہیں تو مثنوی کے حسن و نسیم و شوق۔ تلسی کا مدمقابل انیس۔ فلسفیانہ شاعری کے مالک غالب و اقبال اور غزل کی مقبولیتِ عام کے چشم و چراغ امیر و داغ۔ اسی طرح مختلف رنگِ سخن و اصنافِ کلام کے مسلّم الثبوت اُستاد کثیر در کثیر ہیں۔ جن میں سے تین کی نسبت پروفیسر حامد حسن صاحب قادری کا حسبِ ذیل نظریہ ہے :-

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہوئے　　جن کے فیضِ طبع نے اُردو کو گنجِ زر دیا
اک اثر میں بڑھ گیا۔ اک رفعتِ تخئیل میں　　تیسرے کی ذات میں دونوں کو حق نے بھر دیا
(میر　غالب　اقبال)
کائناتِ شاعری میں ہیں یہی بس دو کمال　　تیسرے میں اس لئے دونوں کو یکجا کر دیا

ہندی کے صوفی یا سادھو کویوں کی بھی ایک بڑی جماعت ہے۔ جن میں میرا بائی جیسی دیویاں بھی نظر آتی ہیں۔ البتہ سورداس کو کویتا کا اوتار۔ تلسی کو مہاتما۔ اور کبیر کو " بھگتی کال" کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک کوی ان کی بابت کہتا ہے :-

तत्त्व तत्त्व सूरा कही, तुलसी कही अनूठ।
ऊंची चुन्नी कबिरा कही, और कही सब झूठ ॥

تتو تتو سُورا کہی، تُلسی کہی انوٹھ　　اُچّی چُنّی کبیرا کہی، اور کہی سب جھوٹھ

یعنی شاعری کا جوہر تو سورداس کو حاصل ہوا۔ جدّت طرازی و ندرت آفرینی تلسی داس کو۔ اور بچی کھچی کبیر داس کے حصّہ میں آ گئی۔ باقی لوگوں کی شاعری شاعری نہیں بکواس ہے۔

یہ شاعرانہ مبالغہ ہے کیونکہ "شنگھار رس" (عشقیہ شاعری) میں بہاری کا کوئی جواب نہیں۔ اخلاقیات میں رحیم یا رحیمن بے مثل ہے۔ زورِ کلام میں متی رام وغیرہ جیسے اُستاد موجود ہیں جن کی بابت ایک کوی کہتا ہے:۔

جہاں نہ پہنچے روی وہاں پہنچے کوی

غرض کہ بلحاظِ تعداد و فنِ سخن بھی کویوں کی کمی نہیں نیز اپنے اپنے رنگ میں بہت لوگ بے نظیر ہیں فارسی میں صائب و غنی تمثیل کے بادشاہ ہیں تو ہندی کے بھی متعدد کوی اُن سے نیچے نہیں تاہم سورداس اپنے زمانے کا آفتاب ہے۔ تلسی ماہتاب۔ البتہ بعض اس کے برعکس خیال کرتے ہیں۔ مگر کبیر بالاتفاق آسمانِ شاعری کا قطب تارہ ہے۔

تلسی داس کی تعریف میں شیخ بادشاہ حسین رعنا کہتا ہے:۔

اے گسائیں! تیری وہ حکمت بھری تحریر ہے　　زندگی کا فلسفہ ہے، دھرم کی تصویر ہے
حُسن کا اعجاز ہے یا عشق کی تاثیر ہے　　تیری چوپائی، کٹاری، یا چھری یا تیر ہے

کس غضب کا تو نے رامائن میں جادو بھر دیا
بالمیکی[1] کا زمانہ جس نے زندہ کر دیا

---

[1] رامائن کا اصلی اور پہلا مصنّف بالمیک۔ ۱۲

ویر رس[1] لکھنے پہ آیا حشر برپا کر دیا　　جب لکھا شنگھار رس[2] اِک درد پیدا کر دیا
جھک پڑا کرنا[3] پہ تو آنکھوں کو دریا کر دیا　　اک قلم نے تیرے رامائن کو کیا کیا کر دیا

زورِ راون[4] کی طرح تیرے قلم کی دھاک ہے
پاک ہیں مضمون ایسے جیسے سیتا[5] پاک ہے

ہر ورق پوتھی کا تیری نسخۂ اکسیر ہے　　تیرے ہر ہر لفظ میں جادو کی سی تاثیر ہے
تیری سطریں ہیں کہ موتی کی کوئی زنجیر ہے　　دیوتاؤں کو مزہ آتا ہے وہ تحریر ہے

سب گیانی مانتے ہیں اور سب مان آئے ہیں
تیرے در پر خود کتھا سننے ہنومان آئے ہیں

کس قدر پُر لطف ہے انداز تلسی داس کا　　یہ نمونہ ہے گسائیں کے لطیف احساس کا
ایک رامائن[6] میں نقشہ کھینچتا ہے یاس کا　　رام چندر جی کے چودہ سال کے بن باس کا

تاج پوشی کی خوشی میں کیا قیامت ہو گئی
کیکئی[7] کو رام چندر سے عداوت ہو گئی

ظاہر ہے کہ جس طرح شعراء اور کویوں کا احصاء ممکن نہیں۔ اسی طرح ان کے کلام

---

[1] رزمیہ شاعری ۱۲　[2] عشقیہ شاعری ۱۲　[3] بینیہ شاعری ۱۲

[4] لنکا یعنی سیلون کا بہادر و مشہور راجہ ۱۲

[5] راجہ رام چندر جی والی اجودھیا کی نہایت حسین و وفادار رانی۔ رامائن کی ہیروئن جس کو راون لے گیا تھا ۱۲　[6] رامائن کے حصے ۱۲　[7] رام چندر جی کی سوتیلی ماں جس نے انھیں بن باس دلایا ۱۲

اور تخیلات کا احاطہ کر سکنا بھی دور از کار اور بعید از عقل ہے۔ لہٰذا جستہ جستہ موضوعات پر خاص خاص کویوں کے دوہے اور بعض شعراء کے اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

توحید

کبیرؔ کہتا ہے:-

ज्यों तिल मांही तेल है, ज्यों चकमक में आग।
तेरा प्रीतम तुझ में, जाग सके तो जाग।।

جیوں تل ماہیں تیل ہے، جیوں چکمک میں آگ　　تیرا پریتم تو جھ میں جاگ سکے تو جاگ

جس طرح تل میں تیل ہے اور چقماق میں آگ۔ اسی طرح تیرا محبوب (ذاتِ الٰہی) تجھ میں موجود ہے خبردار ہو سکے تو ہوجا

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار　　ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار[1]

ہوشیار شخص کی نظر میں سبز درختوں کا ہر پتہ معرفتِ الٰہی کا ایک دفتر ہے۔

جب مٹا رنگِ خودی میں نے خدا کو پایا　　خود کے پردے میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
نظروں میں مری اُس کے سوا کچھ نہ سمایا　　ہر چیز میں ہر رنگ میں ہر آن میں پایا
جب تک کہ چشمِ شوق میں وحدت کا نور تھا　　جس بام پر نگاہ پڑی کوہِ طور تھا
حُسنِ مطلق مقیدِ طور نہیں　　خورشید کا عالم میں کہاں نور نہیں
مخلوق سے کچھ الگ نہیں ہے خالق　　معنیٰ کا وجود لفظ سے دور نہیں

[1] کہتے ہیں کہ ایک رات سعدی کے ایک دوست درویشِ کامل نے خواب میں دیکھا کہ سعدی کا یہ شعر عالمِ بالا میں فرشتے بطورِ عبادت پڑھ رہے ہیں۔ وہ خواب سے بیدار ہوتے ہی سعدی کے پاس پہنچے۔ رات ڈھل چکی تھی مگر سعدی فکرِ سخن میں چراغ جلائے جاگ رہے تھے اور یہ شعر لکھا ہوا سامنے رکھا تھا جو کچھ دیر پہلے ہی کہا تھا۔ درویش نے خواب بیان کیا تو سعدی نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ کہتے ہیں کہ اس روایت سے متاثر ہو کر فیضی نے بھی ایسا شعر کہنے کی کوشش کی اور بعدِ فکر یہ شعر کہا۔ ہر گیاہے کہ از زمیں روید　　وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید　　(باقی بر صفحہ ۱۸)

اور کہتا ہے :۔

ज्यों नैनन में पूतरी, त्यों खालिक घट माँहि ।
मूरख लोग न जानहीं, बाहर ढूंढन जाहि ।।

جیوں نینن میں پُوتری تیوں خالق گھٹ مانہیں　　مُورکھ لوگ نجان ہیں باہر ڈھونڈن جاہیں

جس طرح آنکھ کی پتلی ہے اسی طرح پروردگار دل میں موجود ہے۔ نادان سمجھتے نہیں اور باہر ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

دوست نزدیک تر از من بمن است　　ویں عجب تر کہ من از وے دورم[1]

چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او　　در کنارِ من و من مہجورم

دوست میری رگِ جان سے بھی قریب تر ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ میں اُس سے دور ہوں۔ یہ بات میں کس سے کہوں کہ وہ میری بغل میں ہے اور میں اُس سے مہجور ہوں

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پہ آلودگی سے دور　　جس طرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

کعبہ و دیر میں جلوہ ہے نمایاں اُس کا　　دو گھروں کا ہے اُجالا رُخِ تاباں اُس کا

مگر مائل اس کے خلاف کہتا ہے :۔

نہ کعبہ ہی تجلّی گاہ ٹھیرا یا نہ بت خانہ　　لڑانا خوب آتا ہے تمھیں شیخ و برہمن کو

(بقیہ صفحہ ۱۷) اس شعر کی کیفیت سے وہ اس قدر مست و بیخود ہوا کہ آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر پڑھا، گویا عالم بالا سے داد کی خواہش کی۔ اسی حالت میں کسی پرندے نے بیٹ کی جو ٹھیک اُس کے منہ پر پڑی۔ اور اُس نے برجستہ کہا۔ " شعر فہمیِ عالمِ بالا معلوم شد" واللہ اعلم بالصواب ۱۲۔

[1] یہ دراصل ترجمہ ہے قرآن شریف کی آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد کا "ہم بندے کی رگِ جان سے بھی قریب تر ہیں۔" ۱۲۔

مگر دوسرے شعر میں عجیب انداز سے تائید کی ہے۔

طور پر دیکھنے جاتے ہیں کلیم دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا
ڈھونڈتے ہیں آپ سے اُس کو پرے شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

کبیر ہی کہتا ہے۔

समझे तो घर में रहे, परदा पलक लगाय।
तेरा साहब तुझ में, अन्त कहूँ मत जाय॥

سَمجھے تو گھر میں رہے پردہ پلک لگائے تیرا صاحب تُجھ میں اَنت کہوں مت جائے

تجھ میں اگر سمجھ ہے تو گھر میں بیٹھ کر پلکوں کا پردہ ڈال لے تیرا صاحب (خدا) تجھ میں موجود ہے کہیں بھی نہ جا
پردہ پلک لگائے کا ٹکڑا نہایت وسیع و بلیغ معنیٰ کا حامل ہے۔ یعنی ترکِ دُنیا کرکے اور مراقبہ کر یا دھیان لگا۔ اور یاد رکھ کہ چشم سر اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے اس کا جمال دیکھا جا سکے اس لئے ان کو بند کر اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کر وہ حریم دل میں موجود ہے۔

لب ببند و چشم بند و گوش بند گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند

ہونٹ، آنکھ اور کان (سب) بند کر لے پھر بھی اسرار حقیقت تجھ پر نہ کھلیں تو ہمارا مذاق اُڑا

پرتوِ حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

تیرے حُسن کی کرن زمین و آسمان میں نہیں سماتی حیران ہوں کہ سینہ کی چہار دیواری میں تیرا قیام کس طرح ہے۔ بیشک اُس کی یہ حالت ہے ؎

یک تیر بصد سینہ یک رُو بصد آئینہ یک شاہ بصد کشور یک ماہ بصد ایوان

ایک تیر سَو سینوں کے پار ہے ایک چہرہ سو آئینوں میں ہے ایک بادشاہ سَو ملک میں ہے اور ایک ماہرو سَو محلوں میں۔ بلاشک اُس کے حُسن سے زمانہ کی یہ حالت ہے۔

ز فیضِ حُسنِ تو شد عالم آن چنان سیراب کہ می تواں ز گُلِ کاغذی گلاب گرفت

تیرے حُسن کے فیض سے دنیا اس قدر فیض یاب و سیراب ہے کہ کاغذ کے پھول سے گلاب حاصل کیا جا سکتا ہے

چشمِ وحدت بکشا مسجد و بت خانہ یکیست خانہ بسیار ولے صاحبِ ہر خانہ یکیست

وحدت کی آنکھ کھول مسجد اور مندر ایک ہیں۔ گھر بہت سے ہیں مگر سب گھروں کا مالک ایک ہی ہے۔

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہِ طور کا

وہ کون دل ہے جہاں جلوہ گر وہ نور نہیں اُس آفتاب کا کس ذرّے میں ظہور نہیں

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

تُو نے تو شور رنگ سے پردا کیا دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا

بہارِ رنگ و گل شوخیِ برق و شرر ہو کر وہ آئے سامنے لیکن حجاباتِ نظر ہو کر

تیرے جلووں کو نہیں کافی زمین و آسماں میں ہوں حیراں کس طرح دل میں سما جاتا ہے تو

تصوّف

जात पांत पूछे ना कोई।
हरि को भजे सो हरि का होई ।।

جَاتُ پاتُ نُ پُوچھے نَہ کوُئی ہَرِی کُو بَھجے سُو ہَرِیٔ کُو ہُوئی[علہ]

ذات برادری کوئی نہیں پوچھتا۔ جو بھی کوئی خدا کی عبادت کرتا ہے خدا اسی کا ہوتا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کُن جامی که دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

جامی جب تو عشق کا بندہ ہو گیا تو نام و نسب کا فخر ترک کر کیونکہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

اس شعر کے دونوں مصرعوں کے ایک ہی الفاظ ہیں گویا یہ یک مصرعی شعر ہے۔ مگر شاعر نے صرف دو لفظ "گشتی" اور "گشت" کے لغوی فرق سے نہایت بلیغ و پُر معنیٰ بنا دیا ہے۔ یعنی جب تو اُس (خدا) کا ہو گیا تو ہر چیز تیری ہو گئی۔ اور جب تو اُس (خدا) سے پھر گیا تو سب چیزیں تجھ سے پھر گئیں۔ اُس کے مقربوں کا اعزاز و مرتبہ مندرجہ ذیل شعر میں بتایا گیا ہے۔

خاکساراں را دراں درگاہ قُربِ دیگر است سجدہ گاہِ خلق شد سجادہ از افتادگی

اُس کی درگاہ میں خاکساروں کو قربِ خاص حاصل ہے۔ جانماز اپنی افتادگی کے سبب زمانہ کی سجدہ گاہ ہے

خاکساران جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں راہ سوارے باشد

دُنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ۔ تجھے کیا معلوم کہ اس راہ میں کوئی سوار یعنی کامل ہو

عین ایماں یہی ہمارا ہے تم اُسی کے ہو جو تمہارا ہے

جب قدم راہ محبت میں رکھا ترک نہ کیا کافر دیندار کا

ہر بندگی یا عبادتِ الٰہی کا صلہ لازمی صورت میں قدر مراتب ملتا ہے۔ بندے کی بندگی کا کمال

علہ حدیث شریف ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ جو خدا کا ہو گیا خدا اُس کا ہو گیا ۱۲

یہ ہے کہ وہ پابندِ تسلیم و رضا ہو جائے۔ اور اُدھر کا انعام یہ کہ فانی کو حیاتِ جاودانی عطا کر دے۔ چنانچہ ایک کوی کہتا ہے :۔

हर मारे तो मैं मरूँ, नातर मरे वलाय ।
साँचे गुरु का बालिका, मरे न मारा जाय ।।

ہَر مارے تو مَیں مَرُوں نا تَر مَرے بَلائے   سانچے گُرو کا بالِکا مَرے نہ مارا جائے

پروردگارِ عالم ہی مارے تو مَیں مر سکتا ہوں ورنہ میری بلا مرے۔ سچے پیر کا مُرید نہ تو مرتا ہے نہ مارا جا سکتا ہے

یہ دوہا یوں بھی پڑھا جاتا ہے۔ "ہَر مَرے تو مَیں مَروں نا تَر مَرے بَلائے" الخ

مگر اس میں بے ادبی ہے۔ اس لئے محتاط لوگ اوّل الذکر الفاظ ہی میں پڑھتے ہیں۔

حافظ شیرازی کہتا ہے :۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

جس کا دل عشق یعنی یادِ الٰہی کی بدولت زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرتا۔ اس لئے زمانے کے دفتر میں ہماری ہمیشگی (حیاتِ جاوید) درج ہے۔

فیضی "بھگوت گیتا" کے ترجمے میں کہتا ہے :۔

تغیّر بجسم است و جاں فارغ است   حوادث بر این است و آں فارغ است

جسم کو تغیّر ہوتا ہے جان اس سے فارغ (بے فکر) ہے۔ حادثات جسم پر ہوتے ہیں نہ کہ جان پر

عشق کی سرکار کا یہ فیض ہے   زندۂ جاوید ہیں عاشق تمام

بقائے دوام تو روح کو حاصل ہوتی ہے مگر اللہ والوں کا دنیا میں کبھی کوئی کچھ نہیں

بگاڑ سکتا۔ چنانچہ کوی کہتا ہے:۔

जाको राखे साँइ न सकिहै कोय।
बाल न बाँका कर सके जो जग बैरी होय॥

جاکو راکھے سائیاں مار نہ سکّے کوئے بال نہ بانکا کر سکے جو جگ بیری ہوئے

جس کو خدا رکھے اُس کو کون چکھے۔ ع دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔ یا ع دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تراست۔ سعدی کہتا ہے

ہر کہ در سایۂ عنایتِ اوست گنہش طاعت است و دشمن دوست

جو کوئی اس کی مہربانی کے سائے میں ہے اُس کے گناہ طاعت سے بدل جاتے ہیں یعنی وہ بجائے گناہ اُس کی عنایت کے سبب سے عبادت کرنے لگتا ہے۔ اور اُس کے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔

وہ مہربان ہے تو جہاں مہربان ہے وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

عالمِ ناپایدار

ظاہر ہے کہ دنیا بے ثبات اگزشتنی وگزاشتنی ہے۔ کبیروں اور شاعروں نے اس موضوع پر بہت کچھ کہا ہے۔ چنانچہ سہجو کہتی ہے:۔

चलना है रहना नहीं, चलना बिस्वे बीस।
सहजो तनिक सुहाग पर, कौन गुँधाए सीस॥

چلنا ہے رہنا نہیں چلنا بسوے بیس سہجو تنک سہاگ پر کون گندھائے سیس

سہجو دنیا سے چلنا ہے اور بالضرور چلنا ہے۔ پس اس ذرا سے سہاگ پر کون سر گندھائے

دُنیا خوابے و زندگانی در وے　　خوابیست کہ در خواب بہ بینی او را

دنیا ایک خواب ہے جس میں زندگی خواب و خیال ہے۔ گویا تو خواب کے اندر خواب دیکھ رہا ہے

دُنیا ہیچ است و کارِ دُنیا ہمہ ہیچ　　اے ہیچ ز بہرِ ہیچ بر ہاہیچ مپیچ

دنیا بھی ہیچ اور دنیا کا کام بھی ہیچ اور تو خود بھی ہیچ ہے لہٰذا ہیچ (بے وجود و بے کار و بے ثبات) چیز کے لئے کوشش کرنا بالکل بے کار و عبث ہے۔

شاعر نے لفظ 'ہیچ' سے صنعتِ تکریرِ تام اور تجنیسِ خطی و معنوی کا اظہار بھی خوب کیا ہے اور مضمون و معنیٰ آفرینی بھی کی ہے۔

کبیر نے بھی اس بابت بہت کچھ کہا ہے جس میں سے چند دوہے ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

जाया जाया सब कहे, "आया" कहे न कोय।
जाया नाम जन्म का, रहन कहां से होय॥

جَایَا جَایَا سَبْ کہیں آیا کہے نہ کُوئے　　جَایَا نَامْ جَنَمْ کَا رہن کہاں سے ہُوئے

سب جایا جایا کہتے ہیں گویا پیدائشی نام ہے۔ آیا کوئی نہیں کہتا۔ پھر اس دنیا میں رہنے کی کیا اُمید

ہردم از عمر می رود نَفَسے　　چوں نگہ می کنم نماند بسے

ہردم عمر گھٹتی جارہی ہے۔ میں غور کرتا ہوں تو زیادہ باقی نہیں ہے۔

معلوم شد ز جنبشِ نبضم کہ یک نفس　　در دستِ اختیار نبا شد عنانِ عمر

مجھے میری نبض کی جنبش سے معلوم ہوا کہ ایک دم کے لئے بھی عمر کی باگ اختیار میں نہیں ہے۔

ایں جہانِ گذراں جائے فراغت نبود　　خواب در خانۂ زیں کس نتواند کردن

یہ گذرنے والا جہان بیفکری و آرام کی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی شخص "خانۂ زیں" (گھوڑے کی کاٹھی) میں سو

نہیں سکتا۔

دُنیا الم غفلت و عقبیٰ غم اعمال — آسودگی از ما دو جہاں فاصلہ دارد — بیدلؔ

دنیا میں غفلت کا الم ہے اور عقبیٰ میں اعمال کا غم گویا آرام کا ہم سے دو جہان کے برابر فاصلہ ہے۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے — نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں — غالبؔ

سنبھل کر چل ذرا اے شہسوارِ عرصۂ دولت — کہ مُلکِ عیش سے ملتی ہے سرحد کشورِ غم کی — نظیرؔ

دم لینے کی فرصت نہیں دنیا میں کسی کو — خود سانس کو مصروفِ سفر دیکھ رہے ہیں — مولفؔ

छींकत पग मन्दिर दियो, पाछे दीनो रोए।
दोनों सौं न कुसौं न भए, कुशल कहां से होए॥

چھینکَت پگ مندرِ دِیو پاچھے دِینو رُوئے — دُونُوں سَوں کُسَوں بھئے کُشل کہاں سے ہُوئے — کبیرؔ

اس دوہے کے معنی تو یہ ہیں کہ چھینکتے ہی تو گھر میں قدم رکھا اور پھر رو دیا۔ یہ دونوں شگون بُرے ہوئے پھر اس دُنیا میں خوشی کی کیا اُمید۔ مگر اس حقیقت کا بھی اظہار کیا ہے کہ:۔

بچّہ جب تک رحمِ مادر میں رہتا ہے اُس کا منھ بند رہتا ہے۔ پیدا ہو کر جب چھینکتا ہے تو اُس کا منھ کھُلتا ہے۔ پھر روتا ہے تو سانس کا توازن قائم ہوتا ہے۔ شاعر نے بڑی بات کہی ہے۔ اسی کا نام بلاغت ہے۔ رونا اور چھینکنا دونوں بُرے شگون ہیں جو ہر بچّہ کی پیدائش پر ہوتے ہیں۔ پھر خوشی حاصل ہونے کی کیا توقع!

اس دوہے کی بابت کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کبیر داس جی کا کوئی چیلا جب حاضرِ خدمت ہوا تو اُس نے پوچھا "بابا جی کھیم کُشل" یعنی مزاج اچھا ہے۔ تو کبیر نے فی البدیہہ یہ دوہا

کہا۔ ندرتِ تخئیل اور حُسنِ بیان قابلِ داد ہے۔

زندگی در گردنم افتاد صائبؔ چارہ نیست
شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

صائبؔ زندگی (کا پھندا) میری گردن میں پڑ گیا ہے۔ شاد و ناشاد جینا ہی پڑے گا

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی سے چلے

جو وقت بیخودی میں کٹے مُغتنم سمجھ
جو دم شراب خانے میں گذرے گذار دے

اے جانِ بیقرار زمانہ فراق کا
تھوڑا سا رہ گیا ہے اسے بھی گذار دے

رنگِ دُنیا دیکھنا تھا ہر طرح ہم کو صبا
چاہیے ہنس کر دیکھتے ہم چاہے رو کر دیکھتے

ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

دُنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو یونہیں جب تک چلی چلے

عدم سے زندگی لائی تھی پھسلا ق
کہ دُنیا ہے جگہ سیر و فضا کی

جنازہ جب اُٹھا دل نے کہا یوں،
دغا کی رے دغا کی رے دغا کی

مگر عرفیؔ کہتا ہے :-

گماں مبر کہ تو چوں بگذری جہاں بگذشت
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست

یہ خیال نہ کر کہ تو گذر گیا تو جہاں بھی ختم ہو گیا (نہیں) ہزار شمعیں بجھا دی گئیں مگر انجمن باقی ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشاں است
مے و مے خانہ با مُہر و نشان است

وہ ابرِ رحمت بدستور دُر فشاں ہے۔ اور شراب و شراب خانہ بدستور مہر بند ہے۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی　　ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

کبیر نے حسبِ ذیل دو دوہے بھی بہت ہی خوب کہے ہیں۔ پہلے میں انسان کے فانی ہونے کو بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے اور دوسرے میں اس کلیۂ فنا کا استثنا نہایت ندرت اور عام فہم طریق پر ظاہر کیا ہے۔

चलती चक्की देख कर, दिया कबीरा रोय।
दो पाटन के बीच में, साबित बचा न कोय॥

چلتی چکی دیکھ کر دیا کبیرا روئے　　دو پاٹن کے بیچ میں ثابت بچا نہ کوئے

چکی کو چلتا ہوا دیکھ کر کبیر رو دیا۔ کیونکہ ان دو پاٹوں (زمین و آسمان) کے بیچ میں کوئی نہ بچا یعنی دنیا میں کوئی زندہ نہ رہا

ہر آں کہ زاد بناچار بایدش نوشید　　ز جامِ دہر مۓ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانْ

جو بھی پیدا ہوا ہے اُس کو جبراً و قہراً زمانے کے جام سے "کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ" کی شراب پینی پڑے گی۔ یعنی مرنا پڑے گا۔ عربی کا ٹکڑا قرآن مجید کی آیت کا ہے جس کے معنی ہیں کہ جو بھی روئے زمین پر ہے وہ فنا ہو کر رہے گا۔

آسماں نہا در شکستِ ما کمر ہا بستہ اند　　چوں نگہ دارم من از نہ آسماں یک دانہ را

آسمانوں نے ہمیں ختم کرنے کے لئے کمر باندھ رکھی ہے۔ ایک دانہ (جان) کو نو آسمانوں سے کیسے بچاؤں

جائے عبرت سرائے فانی ہے　　موردِ مرگِ ناگہانی ہے

اونچے اونچے مکان تھے جن کے　　آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم　　آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم

صبح کو طائرانِ خوش الحان - پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَان۔
ہستی اپنی حباب کی سی ہے - یہ نمائش سراب کی سی ہے
خاک سے جام کیا جام سے پھر خاک کیا - تو نے کیا کیا نہ کچھ اے گردشِ افلاک کیا
سوائے خاک کے باقی اثر نشاں سے نہ تھے - زمیں سے دب گئے دبتے جو آسماں سے نہ تھے
کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں - بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے - زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اب دوسرا دوہا ملاحظہ فرمائیے:-

मानी मानी सब कहैं, कीला कहै न कोय।
जो कीले से लग रहे, बाल न बाँका होय॥

مانی مانی سب کہیں، کیلا کہے نہ کوئے - جو کیلے سے لگ رہے بال نہ بانکا ہوئے

اس دوہے میں مانی اور کیلا دو لفظ خاص اہمیت رکھتے ہیں -

مانی وہ لکڑی جو چکی کے اوپر کے پاٹ میں فٹ ہوتی ہے۔ جس میں نیچے کے پاٹ کا کیلا لگا ہوتا ہے اور کیلا وہ لوہے کی سلاخ جو نیچے کے پاٹ میں پیوست ہوتی ہے اور اسی پر اوپر کا پاٹ گھومتا ہے۔

دوہے کا مطلب یہ ہے کہ پہلا دوہا سن کر یہ تو ہر شخص کہتا ہے "مانی، مانی" یعنی تمہاری یہ بات مانتے ہیں۔ مگر کیلے کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ اگر کیلے سے مل جائے تو بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ چکی میں جو دانے کیلے کے قریب رہ جاتے ہیں وہ سالم و ثابت رہتے ہیں

مطلب یہ کہ اگر مُرشد کا وسیلہ مل جائے تو حسبِ شرحِ بالا" سانچے گرو کا بالکا مرے نہ مارا جائے"۔
واضح رہے کہ باطنی طریق پر جس ہستی کے ذمّہ نظامِ دنیاوی ہوتا ہے جیسا کہ صوفیہ کا مسلّمہ مذہب ہے اُس کو "قطبِ مدار" کہا جاتا ہے۔ قطب بمعنیٰ کیلا" قطبِ مدار" جس کی ذات پر کسی مملکت کا دُنیاوی انتظام باطنی طریق پر منحصر ہو۔ گویا قطبِ مدار کا وسیلہ بتوسط مرشدِ برحق فنافی اللہ ہونے کو درکار ہے تاکہ حیاتِ ابدی نصیب ہو۔ اور فنائے نظری فنا۔

ان دوہوں کے متعلق اس نواح میں یہ حکایت مشہور ہے کہ جودھ پور میں کوئی راجپوت ریاست کی فوج میں افسر تھا اور اپنی بہادری کی ڈینگیں مارا کرتا تھا۔ اتفاق سے کوئی مُہم پیش آگئی اور اُس کو مامور کیا گیا تو جانے سے دم چُرانے لگا۔ اُس کی بیوی نے سبب پوچھا تو اُس نے پہلا دوہا پڑھ کر خوف کا اظہار کیا۔ بران بیوی نے دوسرا اُسنایا اور سمجھایا کہ اپنا "اِشٹ" (اعتقاد و ذریعہ) ٹھیک رکھو اور چلے جاؤ۔ ورنہ میں یہ نہ سُن سکوں گی کہ تم "کایر" (بُزدل) ہو۔ تمھارے بدلے میں میدان میں جاؤں گی۔ راجپوت کی دوسرا دوہا سُن کر ہمّت بندھی۔ میدان میں گیا اور فتح یاب ہو کر واپس آیا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

احمد جام

خنجرِ تسلیم و رضا کے کشتوں کو ہر وقت غیب سے نئی جان مرحمت ہوتی ہے

یہ شعر ایک بڑے بزرگ حضرت احمد جام ژندہ پیل کا ہے۔ اور اہم تاریخی حیثیت کا حامل۔ اس طرح کہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی جن کا مزار مہرولی نواحِ دہلی میں ہے۔ بہت مشہور بزرگ خواجہ غریب نوازؒ کے خلیفہ ہیں اُن کو سماع کا بیحد شوق تھا

ایک بار صلاح الدین نامی قوال نے جب یہ شعر گایا تو اُن پر وجد کی حالت طاری ہو گئی جو تین دن تک رہی۔ جب پہلا مصرع قوال گاتا تھا تو یہ کیفیت ہو جاتی تھی کہ گویا بدن میں جان نہیں ہے۔ مگر دوسرا مصرع سُننے پر تڑپنے اور جست کرنے لگتے تھے۔ ہر نماز کے وقت قوالی بند ہو جاتی تھی اور آپ وضو کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ پابندئ شریعت و سنّت اسی کا نام ہے۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

آخر تیسرے دن آپ نے ہاتھ کے اشارے سے دوسرا مصرع گانے سے منع کیا اور پہلے مصرع پر وصال ہو گیا۔ اب تک یہ شعر موصوفؒ کے مزار پر گانے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ اتفاق سے ایک بار آپ کے وصال کے بعد گایا گیا۔ تو قبر سے ہاتھ نکل آیا تھا۔

اس دورِ مادیت میں سائنس زدہ دماغوں کو یہ بات شاید خلافِ عقل یا مضحکہ خیز معلوم ہو تو عجب نہیں۔ کیونکہ اس گلشن کی اُنھیں ہوا ہی نہیں لگی۔ وہ اس شعر پر غور کریں۔

حالِ پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

پاک لوگوں کے حال کا اندازہ اپنے حال سے نہ کر اگرچہ شیر (مشہور درندہ) اور شیر (دودھ) یکساں ہی لکھا جاتا ہے۔

انہیں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بابت اُن کے مُرید در مُرید حضرت سلطان المشائخ نظام الدینؒ محبوبِ الٰہی کے حالات میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ وہ قطبؒ صاحب کے مزار پر ہر پنجشنبہ کو فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک بار بر بنائے بشریت رستے میں خیال

آیا کہ میری حاضری کی حضرت کو خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں، لیکن جب مزار پر پہنچے تو بچشمِ باطن دیکھا کہ قطب صاحب اپنے مزار کے چبوترے پر تشریف فرما ہیں اور سلطان المشائخ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

لا أ — مرا زندہ پندار چوں خویشتن — من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

مجھے اپنا جیسا زندہ سمجھ اگر تو بدن سے آتا ہے۔ تو میں جان سے۔ حضرتِ غوث الاعظم کا قول ہے:۔
"اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا۔ اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا" ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہماری روحیں ۔

ہنگاہ — مقامِ حُسنِ بقا ہے فنا کے پردے میں — خدا کو دیکھ لیا مصطفیٰؐ کے پردے میں
ناکی — کسے یہ تاب کہ دیکھے وہ حُسن کا عالم — سُنا کرے نری باتیں بٹھا کے پردے میں

بقائے دوام حاصل کرنے کے لئے عبادت لازمی امر ہے۔ جس کی بابت کبیر داس عام طریقِ عبادت سے بالاتر ہو کر دستورِ تصوّف کے مطابق اپنا نظریہ ظاہر کرتا ہے کیونکہ۔
ع زندگی بے بندگی شرمندگی

عبادت

कन्ठ हिले न जीभ हिले, हिलें न दोनों होंठ।
ऐसी सुमिरन कर चलो, लगे निशाने चोट॥

کبیر — کَنٹھ ہلے نہ جیبھ ہلے ہلیں نہ دونوں ہونٹ — ایسی سُمِرن کر چلو لگے نشانے چوٹ
نہ گلا ہلے نہ زبان نہ ہونٹ۔ مگر ایسی تسبیح (مراد عبادت) پڑھ کر تیر نشانہ بہدف ہو۔

مؤلف
دلا در منزلِ جاناں اگر خواہی گزر کردن　　رگِ جاں را بنامش رشتۂ تسبیحِ یادش کن

اے دل! اگر تو چاہتا ہے کہ دوست کی جلوہ گاہ میں گذر ہو جائے تو اس کی یاد کی تسبیح کا ڈورہ اس کا نام لے کر رگِ جاں کو بنا لے۔ رگِ جاں سے مراد سانس، یعنی پاسِ انفاس کر۔

اکبر الٰہ آبادی
نہ رکھے گا خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے　　مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے

حمید
واعظ کا مقولہ ہے کہ عقبیٰ مل جائے　　منعم کی تمنا ہے کہ دنیا مل جائے
دُنیا عقبیٰ یہ دونوں چھوڑے ہم نے　　ہم تو یہی کہتے ہیں کہ مولیٰ مل جائے

مائل
دل سے حرم سے دیر سے اِن کے سوا بھی اور　　رستے بہت سے کوچۂ جانِ جہاں کے ہیں

لاعلم
نغمۂ عشق سے ہیں سبحہ و زنّار ملے　　ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے

सुमिरन सुरत लगाय के, मुख से कुछ ना बोल ।
बाहर के पट मूँद के, अंतर के पट खोल ॥

سُمِرَن سُرَت لگائے کے مُکھ سے کچھ نا بول　　باہَر کے پٹ مُوند کے اَنتَر کے پٹ کھول

صوفیہ ذکرِ خفی اور مراقبہ اسی طرح کرتے ہیں۔ یہی کبیر کا مقصد ہے۔ یعنی خدا سے لو لگا کر زبان سے کچھ نہ بول۔ حتیٰ کہ اپنے ذکر و شغل کا بھی اظہار نہ کر۔ دُنیا و ما فیہا سے منھ موڑ لے، آنکھ بند کر لے اور ذاتِ الٰہی کی طرف کے دروازے کھول کر ادھر متوجہ ہو جا۔

مؤلف
گر ترا آرزوئے جلوۂ جاناں ست بدل　　چشمِ سر بند کن و دیدۂ دل را وا کن

اگر تیرے دل میں جلوۂ جاناں کی آرزو ہے۔ تو سر کی آنکھ بند کر کے دل کی آنکھ کھول دے

لاعلم
دل را اگر تو صاف کنی مثلِ آئینہ　　در وے جمالِ یار بہ بینی ہر آئینہ

تو دل کو اگر آئینہ کی طرح صاف کر لے تو اس میں جمالِ یار ضرور دیکھ لے گا۔

او در دلِ من است و دلِ من بدستِ او چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

وہ میرے دل میں ہے اور میرا دل اُس کے ہاتھ میں ہے جس طرح آئینہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں آئینہ میں ہوں

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

جو بولوں تو ذکرِ بتاں ہو گیا جو چپ ہوں تو یادِ خدا ہو گئی

कबीर मुख सोई भला, जा मुख निकसे राम।
जा मुख नाम न नीकसे, सो मुख है किस काम ॥

کبیر مکھ سوہی بھلا جا مکھ نکسے رام جا مکھ نام نہ نیکسے سو مکھ ہے کس کام

کبیر وہی منھ اچھا ہے جس سے (خدا کا) نام نکلے۔ جس سے خدا کا نام نہ نکلے وہ کس کام کا ہے۔

نامِ حق وردِ زباں کن اے پسر ورنہ ایں نخلت نمی دارد ثمر

اے فرزند نامِ حق وردِ زبان کر۔ ورنہ یہ تیرا پودا کوئی پھل نہ دے گا

وہ کوئی آنکھ ہے جس میں نہیں جلوہ تیرا وہ کوئی سر ہے کہ جس میں نہیں سودا تیرا

وہ زباں ہی نہیں جس پر کہ ترا نام نہ ہو جان کی جان ہے جب جوشِ تولا تیرا

जवहि नाम हिरदै भयो, भयो पाप को नास।
जैसे चिनगी आग की, पड़ी पुरानी घास ॥

جبھ نام ہردے دھریو بھیو پاپ کو ناس جیسے چنگی آگ کی پڑے پرانی گھاس

جب خدا کا نام دل سے لیا تو گناہوں کا ستیاناس ہو گیا (بالکل مٹ گئے) جیسے آگ کی چنگاری پرانی گھاس میں پڑ گئی ہو۔

عطّار
خرمنِ عصیاں بسوزد پاک تر   برقِ نامِ حق چنیں دارد اثر
عصیاں کے کھلیان کو نام حق کی بجلی جلا کر خاک کر دیتی ہے

ساجد اسدی
آبِ نامِ حق کی یہ تاثیر ہے   دفترِ عصیاں کو بالکل دھو دیا

لااعلم
نام لینے کا مزہ جس کی زباں پر آگیا   مکت جیون ہوگیا چاروں پدارتھ پاگیا[1]

تلسی داس کے بھی صدہا دوہوں میں سے اس موضوع پر دو ملاحظہ فرمائیے۔

तुलसी हर भजना भला, तब लग घट में प्राण ।
कबहु तो दीन दयाल के, भनक पड़गी कान ।।

تلسی
تُلسی ہر بھجنا بھلا تب لگ گھٹ میں پران   کبھو تو دین دیال کے بھنک پڑے گی کان
تلسی جب تک دم میں دم ہے ذکر الٰہی کرنا ضروری ہے۔ کبھی تو دین دیال کے کان میں بھنک پڑے گی۔

یہ دوہا کبیر کا یوں ہے:—
رام نام بچتے رہو جب لگ گھٹ میں پران   کبھو تو دین دیال کے بھنک پڑے گی کان

لااعلم
ذکرِ حق کن تا بود جانت بہ تن   کارِ خود کن کارِ او بروے گذار
جب تک تیرے بدن میں جان ہے خدا کا نام لیتا رہ۔ تو اپنا کام کر اور اس کا کام اس پر چھوڑ۔

لااعلم
بلبل بنال و نالۂ پُر سوز و ساز کن   در فکرِ آں مباش کہ نشنید یا شنید[2]
اے بلبل تو نالۂ پُر سوز و ساز کرتی رہ۔ اس فکر میں نہ رہ کہ اس نے سنا یا نہیں سنا

---

[1] مکت بمعنی نجات اور چاروں پدارتھ۔ دولت کونین۔ یعنی نجات ابدی ملی اور کونین کی کُل دولتیں مل گئیں۔
[2] مصرع اول کسی اور کا ہے۔ حافظ کا مقطع یوں ہے:—
حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس   در فکر آں مباش کہ نشنید یا شنید

سُن لے گا کبھی تیری بھی فریاد کیے جا | اللہ کو ہر حال میں تو یاد کیے جا
تو کام تو اپنا دلِ ناشاد کیے جا | تاثیر بھی ہو جائے گی فریاد کیے جا
جس نے بنائی بانسری گیت اُسی کے گائے جا | سانس جہاں تک آئے جائے ایک ہی دُھن بجائے جا
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے | ہر تجھ کو چاہیئے کہ تگ و دَو لگی رہے
وہ سُنے یا نہ سُنے نالے کیے جا بُلبل | ہو ہی جائے گی کسی روز ہم آغوش بہار

तुलसी नाम राम को, रीझ भजो चाहे खीज ।
पड़े रहो उग जायेंगे, सीधे उलटे बीज ॥

تُلسی نام رام کو رِیجھ بھجو چاہے کھیج | پڑے رہو اُگ جائیں گے سیدھے اُلٹے بیج

تلسی خدا کا نام چاہے شوق سے لے یا مجبور ہو کر۔ جو بیج پڑ جاتا ہے وہ اُگ ہی جاتا ہے سیدھا پڑے یا اُلٹا

ببیں کہ نامِ خدا را ہمی بود تاثیر | مثالِ تخم بروید اگرچہ کج باشد

دیکھ خدا کے نام کی تاثیر ہی یہ ہے کہ بیج کی طرح اُگتا ہے چاہے وہ ٹھیڑا ہی ہو

تری تسبیح۔ دل میں بھی ہو اور وردِ زباں بھی ہو | گھڑی کی طرح یہ کھٹکا نہاں بھی ہو عیاں بھی ہو

عبادتِ شرعی و ظاہری کی تفصیل اور طریقہ اہل اسلام کے لئے کتبِ فقہ میں بھی موجود ہے اور علماء و معلمین بھی پڑھاتے اور بتاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سندھیا اور پوجا پاٹھ کی تشریح ہندو دھرم کی کتابوں اور برہمنوں وغیرہ کی زبانوں پر موجود ہے۔ مگر علم باطن کا نصاب اور طریقِ تعلیم دوسرا ہے جو سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔ اور اُسی پر عمل کرایا جاتا ہے۔ جس کے معلّم کو "مرشدِ کامل" یا "ست گورو" کہتے ہیں۔

مُرشدِ کامل

بھیکَ جن کوی کے نزدیک "ست گور" کون ہے اُس کے مندرجہ ذیل دوہے میں ملاحظہ کیجئے

पारस, भिडंग, हुमाह, गुरु, गुरु मलिया गुरु जान ।
दीपक गुरु है भीक जन, सत गुरु तन पहचान ।।

بھیک جن　پارَس، بھِرنگ، ہُماہ گُورو گُور مَلیا گُرو جانُ　دِیپک گُورُو ہے بھیک جَن سَت گُورُو تَن پہچانُ

اے بھیک جن گرو کی کئی قسمیں ہیں :-

(۱) پارس قسم کا جو لوہے کو سونا بنا دے۔ مگر وہ سونا دوسرے لوہے کو سونا نہیں بنا سکتا

(۲) بھونرا قسم کا۔ بھونرا ایک خاص قسم کے کیڑے کو جسے لَٹ کہتے ہیں اُٹھا لیجاتا ہے اور اپنے مٹی کے چھوٹے سے گھروندے میں اُس کو رکھ کر اُس کے گرد گھومتا اور گونجتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ لَٹ بھونرا بن جاتی ہے۔ مگر اس لَٹ سے بنے ہوئے بھونرے میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ بھی کسی لٹ کو بھونرا بنا لے۔

(۳) ہما قسم کا۔ یہ امر مسلمات میں ہے کہ جس کے سر پہ ہُما کا سایہ پڑ جاتا ہے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ مگر ایسا بادشاہ بھی اپنے سایے سے کسی کو بادشاہ نہیں بنا سکتا۔

(۴) صندل قسم کا۔ صندل تو اپنی خوشبو مختلف اشیاء میں ایسی بسا دیتا ہے کہ اُن میں سے صندل ہی کی خوشبو آتی ہے۔ مگر ایسی کوئی بھی شئے دوسری چیز میں یہ خوشبو پیدا نہیں کر سکتی۔

لہٰذا یہ سب گرو تو ہیں مگر ناقص۔ مرشد کامل و مکمل یا سچا اور پکا۔ ("ست گور") وہ ہے جو چراغ

کی مانند ہو یعنی جس طرح یہ چراغ کسی دوسرے چراغ کو روشن کر سکتا ہے اسی طرح اس چراغ میں بھی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ بھی دیگر چراغ جلا سکتا ہے۔ اور اس طرح یہ سلسلہ لا متناہی ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف "سراج منیر" فرمائی ہے یعنی روشن چراغ۔ چنانچہ اُس شمعِ ہدایت و رسالت سے صدہا بلکہ لاکھوں کروڑوں چراغ سلسلہ بہ سلسلہ روشن ہو چکے اور ہوتے رہیں گے۔ مگر خیال رہے کہ نبوت میں آنحضرتؐ کا کوئی شریک و سہیم نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "خاتم النبیین" فرمادیا ہے۔ البتہ اُس نورِ مجسم کی زبانِ تجلی نے فرمایا ہے۔ "عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیلَ" میری اُمت کے عالم بنی اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہیں۔

چلچلہ در یک چلہ معراج یافت　　سالہا بگذشت و صوفی رہ نیافت

بھونرے نے ایک چلّے میں کمال حاصل کر لیا یعنی لٹ چالیس دن میں بھونرا بن گئی۔ مگر برس گذر گئے اور صوفی کو رستہ نہ ملا۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم　　بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم

نہیں معلوم وہ کون سی جگہ تھی کہ جہاں میں رات کو تھا۔ وہاں ہر طرف رقصِ بسمل تھا جہاں میں رات کو تھا۔

خطِ سبز و لبِ لعل و رُخِ زیبا داری　　حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
شیوہ و شکل و شمائل حرکات و سکنات　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تیرا سبز خط ہے لب لعل ہے اور خوبصورت چہرہ ہے۔ تو حُسنِ یوسف۔ دمِ عیسیٰ اور یدِ بیضا رکھتا

ہے۔ تیری طرز۔ صورت۔ عادتیں۔ حرکات اور سکنات خوب ہیں۔ تمام حسین مل کر جو خوبیاں رکھتے ہیں وہ تو تنہا رکھتا ہے۔

ولہ — آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھرا ہوں اور میں نے بہت سے معشوقوں سے محبت کی ہے بکثرت حسین دیکھے ہیں لیکن تو کچھ اور ہی چیز ہے۔

حافظ — امروز شاہِ انجمنِ دلبراں یکیست دلبر اگر ہزار بود دلبر آں یکیست

آج یعنی اس دورِ آخر میں دلبروں (انبیا) کے اجلاس کا بادشاہ وہی (نبی آخرالزمان۔ کلنکی اوتار) ایک ہے۔ دلبر چاہے ہزاروں ہوں مگر اصل دلبر تو وہی یکتا ہے۔ کلنکی اوتار کے متعلق یہ ایک

حافظ — آں سیہ چردہ کہ شیرینیِ عالم با اوست چشمِ میگوں لبِ لعل و دلِ خرم با اوست
گرچہ شیریں دہناں پادشہانند ولے آں سلیمانِ زمان ست کہ خاتم با اوست

مطلب یہ کہ وہ ملیح ایسا ہے کہ زمانہ کی شیرینی اُس کے ساتھ ہے۔ (آنحضرت صلعم نے خود کو ملیح فرمایا ہے) نشیلی آنکھ لال لب اور خرم دل والا ہے۔ اگرچہ اور بھی شیریں دہن مراد انبیاء بادشاہ ہیں لیکن وہ سلیمان ہے کیونکہ خاتم اُس کے پاس ہے یعنی مُہرِ نبوّت۔

حافظ — گوہرِ پاکِ تو از مدحتِ ما مستغنی است دستِ مشاطہ چہ با حسنِ خداداد کند

تیری شخصیت کا پاک گوہر ہماری تعریف سے بے نیاز ہے۔ خداداد حُسن کی آرائش مشاطہ کیا کرسکتی ہے۔

مائل — جلووں سے جس کے کون و مکاں جگمگا گئے کس نور کا چراغ یہ کعبہ میں جل گیا

ولہ — پہنچے تو کوئی کیونکر رتبے میں مصطفٰے تک اُمّت کو اپنی جس نے پہنچا دیا خدا تک

تصور باندھ کر دل میں تمہارا یارسولؐ اللہ خدا کا کر لیا ہم نے نظارا یارسولؐ اللہ

صبا

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا وہ راز اک کملی والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

جعفر علی خاں ظفر

بہر حال مرشد یا گرو ضروری۔ مگر اس کی شناخت آسان نہیں۔ مولانا روم کہتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس نباید داد در ہر دست دست

خبردار بہت سے شیطان انسان کی شکل میں ہیں اس لئے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دینا چاہئے یعنی بیعت سوچ سمجھ کر اور جانچ پڑتال کے بعد کرنی چاہئے۔

یو نہی ہاتھ میں ہاتھ دینا نہ مائل ذرا با خبر بے خبر دیکھ لینا

مائل

چنانچہ کبیر بھی سادھو کو پرکھنے والے کی مدح کرتا ہے اور کہتا ہے:۔

हीरा परखे जौहरी. शब्द को परखे साध ।
जो कोई परखे साध को. ताका मता अगाध ।।

ہیرا پرکھے جوہری شبد کو پرکھے سادھ جو کوئی پرکھے سادھ کو تا کا متا اگادھ

کبیر

ہیرے کو جوہری پرکھ لیتا ہے اور الفاظ (قول) سے سادھو شناخت کر لیتا ہے۔ مگر بڑا عقلمند تو وہ ہے جو سادھو کو شناخت کر لیتا ہے۔

سادھو کی شناخت سے مقصد یہ ہے کہ اس کی صحبت سے فیض اٹھایا جائے۔ بقول کسی شاعر کے۔

ہمنشینی یک نفس با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

لا اعلم

اولیاء اللہ کے پاس ایک دم بھر بیٹھنا سو برس کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ چنانچہ جامی کہتے ہیں:۔

جامی

جہدے کن د با مردمِ دانا بنشیں یا با صنمِ لطیف و رعنا بنشیں
زیں ہر دو گرت یکے میسر نہ شود اوقات مکن ضائع و تنہا بنشیں

کوشش کر اور عقلمند لوگوں (علمائے باعمل) کی صحبت میں بیٹھ یا پاکیزہ و رعنا معشوق کے ساتھ بیٹھ۔ لفظ "رعنا" دوسرے مصرع میں خاص معنی کا حامل ہے۔ "رعنا" اُس پھول کو کہتے ہیں جو اندر سے سرخ اور باہر سے زرد ہوتا ہے۔ یعنی ایسے محبوب (جس سے مرشد یا گرو مراد ہے) کے پاس بیٹھ جو علم ظاہر و باطن سے آراستہ ہو کیونکہ جاہل درویش تو شیطان کے ٹٹو ہوتے ہیں

فی زمانہ جاہل فقرا اور تارکِ صوم و صلوٰۃ کا بڑا زور ہے۔ جو "عوام کالانعام" پر اپنی بزرگی کا سکہ طرح طرح سے جما لیتے ہیں۔ بقول حالی :-

حالی

دنیا طلب کو چاہیے ابلہ فریب ہو دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

لاعلم

خدا ڈھونڈے سے ملتا ہے اگر انسان جویا ہو مگر ہاں آدمی کو آدمی مشکل سے ملتا ہے

لاعلم

یوں تو ہونے کو سبھی ہیں آدمی آدمی پہچان لے۔ وہ آدمی!

آدمی سے مراد دونوں اشعار میں اگر مرشد لے لیا جائے تو کیا ہرج ہے۔ مرشد کی شناخت کے لئے ذات برادری کی کوئی قید نہیں جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے۔ اس سلسلے میں دادو دیال کا یہ دوہا بھی خوب ہے :-

जाति न पूछो साधू की, पूछ लीजिए ज्ञान ।
मोल करो तलवार का, पड़ी रहन दो म्यान ।।

دادو دیال

جاتی نہ پوچھو سادھو کی پوچھ لیجئے گیان مول کرو تلوار کا پڑی رہن دو میان

سادھو کی ذات نہ پوچھو۔ بلکہ اُس کا عرفان معلوم کرو۔ تلوار کی قیمت کرو میان پڑا رہنے دو

مخلص

نسب صورت نہ بخشد گر نداری جوہرِ ذاتی — کہ باشد بیشتر با آب نسبت تیغ چوبیں را

اگر جوہرِ ذاتی نہیں ہے تو نسب سے کام نہیں چل سکتا۔ لکڑی کی تلوار میں آب و تاب کب ہو سکتی ہے۔

اکرام

نام و نسب نہ پوچھو درویش بے ریا کا — خوشبوئے گل سے مطلب کوئی ہو رُخ ہوا کا

فی زمانہ اظہار و استظہارِ کرامت کا بڑا زور ہے حالانکہ کاملین نے اظہارِ کرامت کو کبھی اچھا نہیں سمجھا کیونکہ قانونِ قدرت میں دخل دینا صاحبانِ تسلیم و رضا کا شیوہ نہیں۔ اگرچہ قدرت نے اپنے کرم سے ان کو ایسا نوازا ہے جس کی بابت شاعر کہتا ہے:

ہستِ قدرت اولیا را از الٰہ — تیرِ جستہ باز گرداند ز راہ

مگر تلسی داس عظمتِ الٰہی کو بپیش نظر رکھ کر شاعرانہ انداز میں اس کی یوں تردید کرتا ہے:

तुलसी लेखो कर्म को, मेट सके ना राम ।
मेटे तो अचरज नहीं, समझ कियो है काम ॥

تلسی

تُلسی لیکھو کرم کو میٹ سکے نہ رام — میٹے تو اچرج نہیں سمجھ کیو ہے کام

تلسی مقدر کا لکھا خدا بھی اس لئے نہیں مٹاتا کہ سمجھ کر کام کیا ہے۔ کیونکہ وہ حکیم مطلق ہے۔

صائب

بکوشش نیست روزی تن بقسمت دہ کہ سرو این جا
بہ چندیں دست نتوانست دامانِ ثمر گیرد

کوشش سے روزی نہیں مل سکتی۔ مقدر کا لکھا ہی ہو کر رہتا ہے۔ جس طرح سرو اس قدر ہاتھ (پتے) ہونے پر بھی پھل نہیں لا سکتا۔

قاآنی

انچہ نصیب است ہم می رسد — گر نستانی بہ ستم ہمی رسد

جو کچھ مقدر ہو چکا ہے ضرور ملے گا۔ اگر تو نہ لے گا تو جبراً دیا جائے گا۔

نامل | بنانے سے کہیں بگڑی ہوئی قسمت بھی بنتی ہے ۔ نکلنے سے کہیں تقدیر کے چکر نکلتے ہیں

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے ۔ جو کوئی کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

ناسخ | بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا ۔ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

बिगरी बात बने नहीं, लाख करो गुन कोय ।
रहिमन बिगरे दूध को, मथे न माखन होय ।।

رحیم | بگری بات بنے نہیں لاکھ کرو گن کوئے ۔ رحمن بگرے دودھ کو متھے نہ ماکھن ہوئے

بگڑی بات (تقدیر) نہیں بن سکتی چاہے لاکھ تدبیر کرو۔ رحمن جس طرح بگڑے دودھ کو متھنے سے مکھن نہیں ہو سکتا۔

لاادری | کارسازانِ جہاں در کارِ خود درماندہ اند ۔ آب نتواند کہ شوید گرد از رخسارِ خویش

دنیا کے کارساز تک اپنا کام بنانے میں عاجز ہیں۔ پانی اپنے چہرے کی گرد (کائی) نہیں دھو سکتا۔

ساجد اسدی | ستارہ ٹوٹ کر واپس فلک پر جا نہیں سکتا ۔ کسی صورت نہیں جڑتی جو قسمت پھوٹ جاتی ہے

کاہلی و غفلت

عبادت میں کاہلی بڑا عیب ہے۔ کبیر کہتا ہے:۔

काल करे सो आज कर, आज करे सो अब ।
पल में परलय होएगी बहुरी करेगा कब ।।

کال کرے سو آج کر آج کرے سو اب · پل میں پرلے ہوئے گی بہوری کریگا کب

جو کچھ کل کرنا چاہتا ہے وہ آج کرلے اور آج کا کام ابھی۔ دم بھر میں تو قیامت ہو جائے گی پھر کب کرے گا۔

ہر چند کارِ فرداست امروز مفت خود گیر · شاید دماغِ فرصت وقتِ دگر نباشد

اگرچہ کل کے کرنے کا کام ہے۔ مگر آج کرلے تو مفت ہے۔ شاید کل تجھے کام کرنے کا موقع ہی نہ ہو

طے ہو رہی ہے منزل چونکو کہ وقت کم ہے · ملکِ فنا کی جانب ہر سانس اک قدم ہے

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے · آتا ہے اگر آج تو کل جاتا ہے

جو کرنے ہیں کام اُن کو جلدی بھگتاؤ · طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

دنیا کو ہمیشہ نقشِ فانی سمجھو · رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو

پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا · ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو

काल करे सो आज कर आज है तेरे हाथ ।
काल काल न क्या करे, काल काल के साथ ।।

کال کرے سو آج کر آج ہے تیرے ہاتھ · کال کال تو کیا کرے کال کال کے ساتھ

کبیر کو صنعتِ تکریر اور الفاظ سے معنوی خوبی پیدا کرنے میں یدِطولیٰ حاصل ہے۔ کہتا ہے جو کچھ تجھے کل کرنا ہے آج کرلے آج تیرے ہاتھ ہے۔ تو کل کل کیا کرتا ہے۔ کل تو کال یعنی موت کے ساتھ ہے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکرِ سود باش · اے ز فرصت بیخبر در ہر چہ باشی زود باش

میں نہیں کہتا کہ اپنا نقصان کر یا نفع کی فکر میں رہ۔ اے فرصت کی اہمیت سے بیخبر جو کچھ کرنا ہے جلد کر

اے بے خبر حیات کا کیا اعتبار ہے · ہر وقت موت سر پہ بشر کے سوار ہے۔

आज कहे मैं काल भजूंगा, काल कहे फिर काल ।
आज काल के करत ही, औसर जासी चाल ॥

کبیر
آج کہے میں کال بھجوں گا کال کہے پھر کال — آج کال کے کرت ہی اوسر جاسی چال

آج کہتا ہے میں کل عبادت کروں گا۔ پھر کل کہہ دیتا ہے کہ کل۔ اس آج کل ہی میں زندگی ختم ہو جائیگی

کلیم
وعدۂ ارباب دنیا ہم چو خواب احتلام — شب ہمہ شب عیش و عشرت باشد و فردا دروغ

اہل دنیا کا وعدہ خواب احتلام کی مانند ہے۔ ذرا دم رات میں عیش و عشرت ہے صبح کچھ نہیں۔

یہی شاعر عبادت کی بابت کہتا ہے:۔

دلہ
دلِ آگاہ می باید، وگرنہ — گدا یک لحظہ بے نام خدا نیست

باخبر دل درکار ہے۔ یعنی یکسانیتِ قول و عمل۔ ورنہ گدا اگر تو ایک لحظہ بھی خدا کا نام لئے بغیر نہیں رہتا۔
خدا کے نام کی رٹ لگا کر ہی خیرات مانگتا ہے۔ مگر اس سے کیا فائدہ ؛ ذکرِ الٰہی چاہے کم ہو مگر دل سے ہو۔
باقاعدہ ہو مگر پابندی کے ساتھ ہو تو بلا شک مفید و نافع ہے۔ ملاحظہ ہو حسبِ ذیل شعر:۔

صائب
بمغرب می تواند رفت در یک روز از مشرق — گذار دہر کہ چوں خورشید گام آہستہ آہستہ

مشرق سے مغرب میں ایک دن میں پہنچ جا سکتا ہے۔ اگر آفتاب کی طرح آہستہ آہستہ چلتا رہے۔
شاعر نے آفتاب کو آہستہ رَو بر بنائے مشاہدۂ چشم سر کہا ہے تاہم اس کی رفتارِ مسلسل اور باقاعدگی ظاہر ہے اور نتیجہ ظاہر تر۔

آتش
بر دے یہ غفلتوں کے اگر دل سے دور ہوں — مائل بصد سجود سرِ پُر غرور ہوں

کبیر نے دنیا کی بے ثباتی کا اظہار مندرجۂ ذیل دوہے میں خوب کیا ہے:۔

तू मत जाने बावरे, मेरा है सब कोय ।
पिंड प्राण से बंध रहा, सो नहिं अपना होय ।।

کبیر — تُو مت جانے باورے میرا ہے سب کوئے   پنڈ پران سے بندھ رہا سو نہیں اپنا ہوئے

اے نادان یہ نہ سمجھ کر سب کچھ تیرا ہے۔ جسم تک جو جان سے وابستہ ہے وہ بھی تیرا نہیں ہے۔

قتیل — بلبل زگلِ تازہ چہ خواہی کہ بگلشن   ہر سبزہ برائے تو کشید ست سنانہا

اے بلبل تو گلِ تازہ سے کیا توقع رکھتی ہے۔ تیرے لئے تو ہر سبزہ برچھی لئے ہوئے ہے۔ سبزے کو سناں خوب کہا ہے۔

ولہ — یادِ آں روز یکہ خار از خاکِ گورت سر زند   تا بکے گلہا زنی بر گوشۂ دستارہا

اُس دن کو یاد کر جب کانٹے تیری خاکِ گور سے سر نکالیں گے۔ تو اپنی پگڑی کے کونے پر کب تک پھول لگاتا رہے گا۔ (اس آرائشِ دنیا کو چھوڑ اور عقبیٰ کی فکر کر)

غالب — ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی   ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

نظیر اکبرآبادی — دیکھ لے اس چمنِ دہر کو دل بھر کے نظیر   پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

امیر مینائی — پھول اے بلبل نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار   ایک جھونکے میں ہوا سب رنگ و بو ہو جائے گا

ولہ — عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں سب چھوٹ جاتے ہیں   جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

کبیر نے غفلت کی کچھ تفصیل اور اُس کا مآل بھی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

रात गंवाई सोय के, दिवस गंवाया खाय ।
हीरा जन्म अमोल है, कौड़ी बदले जाय ।।

رات گنوائی سوئے کے دِوس گنوایا کھائے ہیرا جنم امول ہے کوڑی بدلے جائے

رات سو کر گذاری اور دن خورد و نوشں میں۔ زندگی انمول ہیرا تھی جس کو دو کوڑی کی کر دی۔

مؤلف
مکن برباد آبِ زندگی در خواب و خور ہرگز کہ ایں آبیست ناید باز چوں از جر شد بیروں

خواب و خور میں زندگی ہرگز برباد نہ کر کیونکہ یہ وہ پانی ہے جو دریا سے جا کر واپس نہیں آتا

زاہد سہارنپوری
ہم رہے سرمستِ غفلت صبحِ پیری آ گئی پڑ کے ایسے سوئے سر پر آفتاب آہی گیا

میر
عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

مطلب یہ کہ کرنے کا کوئی کام نہ کیا یعنی عبادت!

گُناہِ عبادت

کبیر ان انسانی کمزوریوں سے بھی متنبہ کرتا ہے جو عبادت کا گناہ اور عبادت گذار کے لئے باعثِ شرم ہیں۔ کہتا ہے:۔

हिरदे माहीं आरसी, मुख देखा नहिं जाय ।
मुख तो तबही दीखई, जब दिल की दुमंति जाय ।।

میر
ہردے ماہیں آرسی مکھ دیکھا نہیں جائے مکھ تو تب ہی دیکھئے جب دل کی دُرمت جائے

دل میں آئینہ ہے یعنی دل خود آئینہ ہے مگر صورت نظر نہیں آتی، صورت تو جب نظر آئے کہ دل کی کثافت جائے۔

آرسی کے لغوی معنی آئنہ ہیں مگر اصطلاحاً ایک زیور کا نام ہے جس کو مستورات انگوٹھے میں چھلّے کے طور پر پہنا کرتی تھیں اور اس میں گول آئینہ لگا ہوتا تھا تاکہ اُس کی مدد سے

اپنے چہرے اور سر کی تزئین کر لیں۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب سنگار میز کا وجود نہ تھا اور آئینوں کی افراط نہ تھی، کبیر کہتا ہے کہ آرسی تو موجود ہے مگر اس قدر گندی اور بے آب کہ اُس میں منہ ہی دکھائی نہیں دیتا لہٰذا اُس سے کوئی فائدہ نہیں ۔

گیرم کہ تمام مصحف از بر داری　　　　با آں چہ کنی کہ نفسِ کافر داری

میں نے مانا کہ تو حافظِ قرآن ہے مگر اس سے تجھے کیا فائدہ جب کہ تیرا نفس کافر ہے ۔

جلوہ یار نظر آئے اگر ہوں آنکھیں　　　　دل کا آئینہ نہیں صاف تو جلوہ کیا

یہ چاہتا ہے دیکھئے انسان کا حوصلہ　　　　آجائے وہ نظر جو نہ آئے خیال میں

مگر یہ کس طرح ممکن ہے جب کہ آئینۂ دل ہی صاف نہیں بلکہ بقولِ سعدیؒ :-

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی　　　　کایں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اے بادیہ نشیں عرب مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ جس رستے پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان جاتا ہے

اے بندِ پائے و قفل بر دل ہشدار　　　　وے دوختہ چشم و پائے در گل ہشدار

عزمِ سفرِ مغرب و روو در مشرق　　　　اے راہروِ بہشت بمنزل ہشدار

اے وہ شخص کہ تیرے پیر بندھے ہوئے ہیں اور دل پر تالا پڑا ہوا ہے۔ آنکھیں سلی ہوئی ہیں اور پاؤں دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا ہوش میں آ۔ تو مغرب کو جانا چاہتا ہے اور مشرق کو تیرا رُخ ہے۔ اے منزل سے برگشتہ شخص ہوش میں آ۔

(نوٹ) یہ رباعی لال قلعہ دہلی کی مثمن برج سے متصل کمرے کی دیوار پر کندہ ہے ۔ فنِ خطاطی و رسامی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور ساتھ ہی شاہانِ مغلیہ کی موعظت پسندی اور شاعری کی صاف گوئی کا شاہکار۔

افضل کاشی کہتا ہے:-

افضل

سر را بزمیں ہمی نہی بہرِ نماز   آں را بزمیں بنہ کہ در سر داری

تو نماز میں سر کو زمین پر رکھتا ہے اُس چیز کو زمین میں دفن کر جو تو سر میں رکھتا ہے (ہوس دنیا و غرور)

ریاض خیرآبادی

پارساؤں کے ریاض آئے ہیں میخانے میں   آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

اکبر الٰہ آبادی

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں   مگر اندھیرے اُجالے یہ چوکتا بھی نہیں

ولی

پیش آجائے جو مسجد تو نمازی بھی سہی   بت جو موقع پہ ملیں دست درازی بھی سہی

کبیر نے مندرجہ ذیل دوہے میں بھی لفظی صنعت گری خوب ظاہر کی ہے:-

माला फेरत जग मरा, मिटा न मन का फेर ।
करका मनका डाल दे, मन का मनका फेर ।।

مالا پھیرت جگ مرا، مِٹا نہ مَن کا پھیر   کر کا منکا ڈال دے مَن کا منکا پھیر

مالا پھیرتے پھیرتے زمانہ مرگیا مگر دل کا چکر نہیں گیا۔ لہٰذا ہاتھ کا پھینک کر دل کا منکا پھیر۔

کبیر دوہاولی میں یہ دوہا یوں ہے:-

مالا پھیرت جگ گیا۔ گیا نہ مَن کا پھیر   کر کا منکا ڈار کر تو مَن کا منکا پھیر

عراقی

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد   کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

میں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی کہ تو نے مجھے ریائی سجدے سے خراب کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں اسے شیخ کمندِ دنیا   یہ جو حلقہ ہے ترے ہاتھ میں سودانوں کا

شیخ جی کے ہم ہیں قائل کیا ہی اک دانا ہیں یہ   سبحہ کے پردے میں یہ پہنے ہوئے زنار ہیں

میں سنے مانا ہے بتوں سے زاہدؔ نفرت تھیں کیوں چھپا رکھا ہے پھر تسبیح میں زنار کو

माला तो कर में फिरै, जीभ फिरै मुख माहि।
मनुआ तो चहुँ दिसि फिरै, यह तो सुमिरन नाहिं॥

مالا تو کر میں پھرے جیبھ پھرے مکھ مائیں منوا تو چھُوں دِس پھرے یہ تو سمرن ناہیں

مالا تو ہاتھ میں پھرے زبان منہ میں اور دل شش جہات کے چکر لگائے یہ بھی کوئی یادِ الٰہی ہے!

برزباں تسبیح و دل در گاؤ خر این چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان پر تسبیح (سبحان اللہ، سبحان اللہ) ہے اور دل میں گاؤ خر۔ دنیاوی امور و تجارتی منصوبے ہیں ایسی عبادت و وظیفہ میں کیا اثر ہو سکتا ہے۔

تسبیح کہاں اور وہ تحلیل کہاں قرآنِ مجید کی وہ ترتیل کہاں
"کل" کے آگے خیالِ فردا کس کو جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

زمکرِ سبحہ شماراں خدا نگہ دارد کہ صد سر است بیک حلقہ کمند اینجا

تسبیح بازوں کے مکر سے خدا محفوظ رکھے کہ ایک حلقہ میں سو سر یہاں بندھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تسبیح کے سو دانے ہوتے ہیں اور حلقہ ایک ہی ہوتا ہے۔

شیخ تسبیح نہیں ہے یہ طنابِ دنیا جتنی قوت ہے ترے ہاتھ میں اتنی کس لے

साधु भया तो क्या भया, माला पहिनी चार।
बाहर भेस बनाइया, भीतर भरा अंगार॥

سادھو بھیا تو کیا بھیا مالا پہنی چار باہر بھیس بنائیاں بھیتر بھرا انگار

چار چار مالائیں گلے میں ڈال کر سادھو بن گیا اور ظاہر بنا لیا تو کیا۔ ہوا باطن میں تو انگارے

اور خیانت کی نجاست بھری ہوئی ہے۔

عراقی | بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند — تو برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

میں خانۂ کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو مجھے حرم میں نہ گھسنے دیا گیا یہ کہہ کر کہ آپ نے گھر سے باہر ہی کیا کیا ہے جو گھر میں آنا چاہتے ہیں۔

ل الطوی | دل سوئے صنم خانہ ہے منہ سوئے حرم ہے — دنیا کی دو رنگی سے مرا ناک میں دم ہے

لاعلم | جانوروں تو دو رنگی سے نہیں ہے خالی — سبز توتے کا ہے در سرخ ہے منقار کا رنگ

" | چکنے چپڑے جو بنے پھرتے ہیں سب خالی ہیں — گھر میں جا کر تو ذرا دیکھئے دو چار کا رنگ

" | ہمچو تارِ سبحہ گر ہموار داری خویش را — می تواں در یک دم از صد عقدۂ مشکل گذشت

تسبیح کے ڈورے کی طرح اگر تو اپنے نفس کو درست و ہموار رکھے تو دم بھر میں سَو مشکل عقدے حل ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ تسبیح میں سَو دانے گرہ کی شکل میں ہوتے ہیں اور ڈورا ایک ہوتا ہے جس میں اس کے ہموار ہونے ہی کے باعث دانے پڑتے ہیں لہٰذا اگر تیرا تارِ نفس ہموار ہے تو صدہا مشکل مراحل طے کر لے گا۔

اکمل | ظاہر کے بنانے سے نہیں بنتا ہے باطن — ظاہر ہے کہ باطن سے بنا کرتا ہے ظاہر

केस मुंड़ाये क्या हुआ, मूंड़ा सौ सौ वार ।
मन को क्यों नहिं मूंड़िये, जामें वसे विकार ।।

کبیر | کیس منڈائے کیا ہوا مونڈا سو سو بار — من کو کیوں نہیں مُنڈ لے جا میں بسے وِکار

بال منڈوانے سے کیا ہوتا ہے چاہے سَو بار منڈواؤ۔ دل کو صاف کرنا چاہئے جس میں بیسیوں روگ ہیں۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مُو ایں جاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

بال سے زیادہ باریک یہاں ہزاروں نکتے ہیں (یہاں سے مراد منازلِ تصوف) ہر شخص جو سر منڈوالیتا ہے قلندر نہیں ہو جاتا۔　ع　فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگر است۔

مُنڈوا کے بال سر جو کیا صاف کیا کیا　　دل میں تو ڈھیر ہے خس و خاشاکِ مکر کا

باندھ کر سبز عمامہ جو بھرا روپ ریاض　　حضرتِ خضر سے اچھی رہی صورت میری

तन को जोगी सब करें, मन को करे न कोय ।
सहजय सब सुधि पाइये, जो मन जोगी होय ।।

تَن کو جوگی سب کریں مَن کو کرے نہ کوئے　　سہجے سب سُدھی پایئے جو مَن جوگی ہوئے

بدن کو تو سب جوگی بنا لیتے ہیں مگر دل کو کوئی نہیں بناتا - ورنہ بڑی آسانی سے درویشی حاصل ہو جائے

ظاہرِ خود را چہ آرائش کنی　　باطنِ خود چوں دُہل داری تہی

تو اپنے ظاہر کو کیا سنوارتا ہے جب تیرا باطن ڈھول کی طرح خالی ہے۔

ڈاڑھی بڑھا کر آپ تو لے بیٹھے تسبیح ریا　　تاکہ خلقت یہ کہے ہیں شیخ صاحب پارسا

جب ہم نے یہ دیکھا کہ نفس اس بات سے راضی ہوا　　تو ہم قلندر بن گئے کر ڈالے چار ابرو صفا

عیسیٰ بدینِ خویشتن موسیٰ بدینِ خویشتن

سکونِ قلب

ظاہرداری اور دورنگی سے نجات اُسی وقت ممکن ہے کہ جب سکونِ قلب حاصل ہو جو

مرشدِ کامل ہی کے باعث مل سکتا ہے۔ کسی کوی نے کیا خوب کہا ہے:۔

गो धन गज धन बाजि धन, और रतन की खान ।
जब आवत सन्तोष धन, सब धन धूल समान ।।

لاعلم — گَوٗ دھن گج دھن باجی دھن اور رتن کی کھان — جب آوت سنتوش دھن سب دھن دھول سمان

گاؤں کے گلّے ہاتھیوں کے غول، گھوڑوں کے خیل اور جواہرات کی کانیں۔ یہ سب دولت ہیچ ہیں۔ جب سکونِ قلب کی دولت حاصل ہو جائے۔

بیدل — دنیا اگر دہند نہ خیزم زجائے خویش — من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

مجھے اگر تمام دنیا بھی دیں تو بھی اپنی جگہ سے نہ ہلوں۔ کیونکہ میں نے قناعت کی مہندی اپنے پاؤں میں لگا رکھی ہے۔ قناعت اور سکونِ قلب لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:۔

سعدی — اے قناعت تونگرم گرداں — کہ ورائے تو ہیچ دولت نیست

اے قناعت مجھے مالدار کر دے کیونکہ تیرے سوا کوئی دولت نہیں ہے!

افضل کاشی — نصیبت گر بود ہمچوں صدف رزق از سما ریزد — چو قسمت نیست روزی از دہن چوں آسیا ریزد

اگر تیری قسمت میں ہے تو سیپی کی طرح روزی آسمان سے برسے گی۔ اور اگر نہیں ہے تو چکّی کی طرح منہ سے نکل جائے گی۔

آج کی دنیا میں سکونِ قلب عنقا سے کم نہیں۔ بقول کسے:۔

لاعلم — سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں — بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا — تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

ڈیوڑھی نہیں، در نہیں کہ دربان نہیں بلبل نہیں گل نہیں کہ بستان نہیں
مانا ہے جہان بھر کا سامان گھر میں خاطر جمعی کا کوئی سامان نہیں
امجد حیدرآبادی

سکونِ دل جہانِ بیش و کم میں ڈھونڈنے والے یہاں ہر چیز ملتی ہے سکونِ دل نہیں ملتا
جگن ناتھ

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے لیکن سکونِ قلب یہ قسمت کی بات ہے
اکبر الٰہ آبادی

فتنہ نہیں، فساد نہیں شور و شر نہیں یاں زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں
داغ

ہے وصل میں راحت نہ جدائی میں الم ہے آئے کی نہ شادی نہ گئے کا مجھے غم ہے
امیر مینائی

سکونِ قلب کا نتیجہ ملاحظہ ہو :-

चाह गई चिंता मिटी, मनुआ बे परवाह ।
जा को कछू न चाहिए, सोही साहंसाह ।।

چاہ گئی چنتا مٹی منوآ بے پرواہ جا کو کچھ نہ چاہئے سو ہی ساہنساہ
کبیر

کوئی خواہش نہ رہی فکر و تردد نہ رہا۔ دل بے پروا ہو گیا۔ جس کو کچھ نہ چاہیے وہی شہنشاہ ہے۔

بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند بعضے بہ تمنائے زر و مال خوش اند
ایں ہا ہمہ اسبابِ پریشانی ہاست خوش حال کسانیکہ بہر حال خوش اند
لا ادری

بعض لوگ خط و خال (حسن پرست) دیکھ کر خوش ہیں۔ بعض روپیہ پیسہ کی تمنا میں خوش ہیں۔ مگر یہ سب پریشانی کے سبب ہیں۔ خوش حال وہ ہیں جو ہر حال میں خوش ہیں۔ یہی تصوف کا بلند ترین مرتبہ ہے جس کو تسلیم و رضا کہتے ہیں۔ ع ہرچہ از دوست می رسد نیکو ست۔ مگر ع۔ گذرِ منزلِ تسلیم و رضا مشکل ہے۔ چنانچہ غالب کہتا ہے :-

غالب
گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ یعنی بغیر یک دلِ بے مدّعا نہ مانگ

۔۔ اپدیشی
سکونِ قلب وہ حاصل ہے ناامیدی سے کہ تیرے وعدے پہ بھی اضطراب ہو نہ سکا

سکونِ قلب کا فقدان ہی خصائل رذیلہ کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً

(۱) ریا و فریب

तन उजला मन कोयला, बगुले का सा भेक ।
तो सूं तो कागा भला, जो बाहर भीतर एक ।।

کبیر
تن اوجلا من کوئلا بگلے کا سا بھیک تو سوں تو کاگا بھلا جو باہر بھیتر ایک

بدن تو سفید براق مگر دل سیاہ تاب۔ تیرا بگلے کا سا بھیس ہے۔ اے بگلا بھگت تجھ سے تو کوا اچھا ہے کہ جس کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔

خیام
زاہد بزنِ فاحشہ گفتا مستی کز خیر گسستی و بشر پیوستی
زن گفت چنانکہ می نمایم ہستم تو نیز چنانکہ می نمائی ہستی

ایک ادنیٰ داریا زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بڑی نالائق ہے کہ خیر چھوڑ کر شر میں پڑی ہوئی ہے اس نے کہا کہ میں تو جیسی ہوں ویسی ہی نظر بھی آتی ہوں مگر کیا آپ بھی ویسے ہی ہیں جیسے دکھائی دیتے ہیں۔

سنہ نوربائی نامی مُغنیہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کی درباری مغنیہ تھی۔ ایک روز نوربائی نواب روشن الدولہ کے یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہنسی ٹھٹھول کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اتنے میں میران سید بھیک کی سواری آ پہونچی جن سے نواب صاحب کو کمال عقیدت تھی۔ نوربائی دوسرے کمرے میں بھیج دی گئی۔ میران صاحب تشریف لائے اور
(باقی صفحہ ۵۵ پر)

شبلی

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیب است سالک را
خجل ہستم ز کفرِ خود کہ دارد بوئے ایماں ہم

اس راہ (سلوک) میں دو دلا ہونا سالک کے لئے بڑا عیب ہے۔ میں تو اس بات ہی سے شرمندہ ہوں کہ میرے کفر میں ایمان کی بُو ہے۔

جامی

جامی ز دوئی بگسل یک روئے شو و یکدل
شاید کہ کنی منزل در عالمِ یکتائی

جامی دوئی چھوڑ کر یک سو و یک دل ہو جا۔ تب ہی تو یکتائی کی منزل ... کے لائق ہو گا

پردہ ہے اس لئے وہ پری رو کھڑا ہے
بکھرا رہوں خیال کو یکسو کئے ہوئے

مگر۔ کون سا دام نہاں شیخ کے جانے میں نہیں
شیخ ایسا بھی کوئی ہے جو عمامے میں نہیں

ہوا ہے چار سجدوں پر یہ دعویٰ زاہدو تم کو
خدا نے کیا تمہارے ہاتھ جنت بیچ ڈالی ہے

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نا محرم رہا

باطن کو دیکھئے تو سراپا فریب و مکر
ظاہر کو دیکھئے تو وہ کچھ جانتے نہیں

خالی

ترکِ دنیا کے علائق تو کئے سب زاہد
گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی

(صفحہ ۴۰ کا بقیہ مضمون) دیر تک بیٹھے رہے۔ نور بائی پہلے تو خاموش بیٹھی رہی۔ لیکن طبیعت میں چلبلا پن تھا۔ اس لئے تنہائی زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی اور بے جھجک باہر آکر میراں صاحب کے حضور میں آداب بجا لائی اور عرض کیا۔ اگر لونڈی کو حکم ہو تو کچھ گائے۔ میراں صاحب سماع کے عاشق تھے۔ خاموش رہے۔ اور نور بائی نے الخاموشی نیم رضا تصور کر کے یہ رباعی اس پُر سوز انداز میں گائی کہ میراں صاحب پر حالت طاری ہوئی اور ناقابلِ بیان کیفیت ہو گئی۔ نور بائی خاموش کر دی گئی۔ جب میراں صاحب مرغِ بسمل کی طرح زمین پر تڑپتے رہے۔ کافی دیر میں بمشکل تمام ہوش میں آئے۔ (از گلہائے پژمردۂ الہی)

उज्जल बरण अध भगत, एक चरण दोय ध्यान ।
में जानू कोई भक्त है, निपट कपट की खान ।।

لاأعلم — اُجَل بَرَن اَدِھیم گت ایک چرن دو دِھیان میں جانوں کوئی بھگت ہے نِپٹ کپٹ کی کھان

اُجلا بدن منکسرانہ چال ڈھال ایک قدم پر دو بار یادِ مولیٰ میں نے جانا تھا کہ کوئی بڑا بھگت ہے مگر وہ تو مکاری کی کان ہے

سعدی —
اے ہنرہا نہادہ برکفِ دست عیب ہا برگرفتہ زیرِ بغل
تا چہ خواہی خریدن اے مغرور روزِ درماندگی بسیمِ دغل

اے شخص کہ تو نے اپنے ہنر تو ہتھیلی پر رکھ چھوڑے ہیں اور عیبوں کو بغل میں چھپائے ہوئے ہے
تو قیامت کے دن اس کھوٹے سکے سے کیا خرید سکے گا۔ (اے مغرور!)

بر حسن تخا —
پہلے کے مشائخ کے مراتب تھے بلند تھے ظاہر و باطن سے وہ سب بہرہ مند
اور اب کے مشائخ کی نہ پوچھو بپتی بدنام کنندۂ نکو نامے چند

ڈاکٹر اقبال —
خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ سلطانی بھی عیّاری ہے درویشی بھی عیّاری

خان شیفتہ —
وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

ریاض خیرآبادی —
حنا لگا کے پہنچتے ہیں گلرخوں میں ریاض کچھ اُن کی ریشِ مبارک کا اعتبار نہیں

रात भजें सो चोटटा, दिन मे भजे सो ठार ।
गुफा भजें सो अंदरा, सुमरण की गति और ।।

لاأعلم — رات بھجیں سو چوٹّا دن میں بھجیں سو ڈھور گپھا بھجیں سو اَندرا سُمرن کی گتی اور

جو راتوں کو چیخ چیخ کر اپنے "بھجنانندی" ہونے کا ثبوت دیتے ہیں چور ہیں۔ دن کو عبادت کیوں نہیں کرتے

(یعنی کوئی ایسے لوگوں کو رات کا راہب کہتا) اور صرف دن میں بھجن کرنے والے جانور ہیں۔
کیونکہ رات کو پڑ کر سو رہتے ہیں۔ کپھاؤں میں گھس بیٹھنے والے چوہے ہیں جو گربۂ دنیا
کے ڈر سے بلوں میں گھس گئے ہیں۔ شیر مرد نہیں کہ خود زالِ دنیا اُن سے خائف ہو۔ لہٰذا
یہ سب لوگ عبادت جانتے ہی نہیں۔ عبادت کا طریقہ کچھ اور ہے۔ یعنی ترکِ دُنیا اور دنیا
کیا ہے۔ مولانائے روم سے سُنیئے :-

چیست دُنیا از خدا غافل شدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن (رومؒ)

دُنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہو جانا نہ کہ سامانِ خانہ داری، چاندی سونا اور بیوی بچے!

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست (سعدیؒ)

خدمتِ خلق ہی دراصل درویشی ہے نہ کہ تسبیح و مصلیٰ اور گدڑی

زاہد نداشت تابِ جمالِ پری رُخاں کُنجے گرفت و یادِ خدا را بہانہ ساخت[1] (قتیلؒ)

زاہد کو پری رخوں کے جمال دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ اس لئے کونے میں جا چھپا اور یادِ خدا کا بہانہ کر لیا

[1] شاہجہاں آباد میں ایک سحر طراز رقاصہ تھی۔ نازک بدن نام "صاحب دانش" کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شاہجہاں آباد میں محفل رقص آراستہ ہوئی۔ نازک بدن نے وجد آفریں انداز میں یہ غزل گائی۔

مارا بہ غمزہ کُشت و قضا را بہانہ ساخت خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت - پھر یہ شعر
گایا یعنی زاہد نہ داشت الخ۔ پھر رفتم بمسجدے پئے نظارۂ رخش دستے برو کشید و دعا را بہانہ ساخت
مگر جب یہ شعر گایا نستے بدوشِ غیر نہاد از سرِ کرم مارا چو دید لغزشِ پا را بہانہ ساخت۔ تو اس ادا سے ادا کیا کہ
ساری محفل تڑپ اُٹھی۔ اُس محفل میں ایک غریب الوطن نوجوان بھی تھا۔ اُس پر [illegible] ی ہوئی۔ تڑپا
اور تڑپ کے رقاصہ کے قدموں کے قریب گرا۔ اور روح پرواز کر گئی۔ اُس کے جنازے کے ساتھ جم غفیر تھا

(بقیہ مضمون صفحہ ۵۸ پر)

لاعلم | محوِ تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک نہیں   زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

اجتماعِ ضدّین محال ہے۔ یہ مسلّمہ مسئلہ ہے اسی بنا پر کبیر کہتا ہے:۔

नदी किनारे मैं खड़ी, पानी झिल मिल होय ।।
मैं मैली पिया ऊजला, किस विध मिलना होय ।।

کبیر | ندی کنارے میں کھڑی پانی جھِل مِل ہوئے   میں مَیلی پیا اُجلا کِس بِدھ مِلنا ہوئے

میں ندی کے کنارے کھڑی ہوں یعنی دنیا میں ہوں۔ پانی جھلملا رہا ہے یعنی انوارِ الٰہی کی جھلکیاں دنیا کے سمت میں نظر آرہی ہیں۔ مگر پھر بھی "پیا" (مراد ذاتِ باری تعالیٰ) سے وصال نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ پاک و پاکیزہ ذات ہے۔ اور میرے دل میں کثافت ہے۔

عرفی | وعظِ من گرد فشانندۂ عصیاں نشود   آستینِ شکر آلود مگس راں نشود

میرا وعظ گناہوں کی گرد نہیں جھاڑ سکتا۔ شکر آلود آستین سے مکھیاں نہیں اُڑ سکتیں

ریاض خیرآبادی | بڑے صاف طینت بڑے پاک باطن   ریاضؔ آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں۔

جلیل مانک پوری | کیا کیا ہیں کُن جلیلؔ کے دل میں بھرے ہوئے   صورت جو دیکھیے تو بڑے پارسا کی ہے

(صفحہ ۵۷ کا بقیہ مضمون) نازک بدن سب سے پیچھے تھی۔ دفن کے بعد اُس نے حاضرین سے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر قبر کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ رسمی دعا کے بعد یہ شعر پُرسوز لہجہ میں گایا:۔

بے تو غم تلخ و شادمانی تلخ   مرگ ہم تلخ و زندگانی تلخ

شعر گاتے گاتے وہ گری اور جان جاں آفریں کے حوالہ کر کے شعر کے عملی معنی بتا گئی۔ اُس کی قبر بھی نوجوان مرحوم کے پہلو میں بنا دی گئی ۱۷

اسی طرح یہ بھی مسلّم ہے کہ "جبل گردد جبلّت نہ گردد" بس اگر عبادت گذار میں جوہرِ قابل نہیں ہے تو صیقلِ عبادت و ریاضت سے تیغِ طبع میں بُرش و تابش پیدا نہیں ہو سکتی یہی بات مندرجہ ذیل دوہے میں کہی گئی ہے:-

नहाए धोए क्या भया जो मन का मैल न जाय ।
मीन सदा जल मे रहै, धोए बास न जाय ॥

نہائے دھوئے کیا بھیا جو مَن کا میل نہ جائے　　مِین سدا جل میں رہے دھوئے باس نہ جائے

نہانے دھونے سے کیا فائدہ جب دل کا میل دور نہ ہو۔ مچھلی ہمیشہ پانی میں رہتی ہے مگر دھونے سے بدبو نہیں جاتی۔

اصل بد را نکند صحبتِ نیکاں تاثیر　　بوئے ماہی نہ رود گرچہ درونِ آب ست

بداصل پر نیکوں کی صحبت کا اثر نہیں ہوتا۔ مثلاً مچھلی پانی میں رہتی ہے مگر اس کی بو نہیں جاتی۔
البتہ صائب اس کے خلاف کہتا ہے:-

اختلاطِ دیدہ عینک را حروف آموز کرد　　صحبتِ روشن ضمیراں کور را بینا کند

آنکھ سے مل جانے کے باعث عینک حروف سے واقف ہو گئی روشن دلوں کی صحبت اندھے کو سوانکھا بنا دیتی ہے

تاثیر ہے صحبت میں، مسلّم، لیکن　　جب جوہرِ قابل ہی نہ ہو تو کیا ہو،

عبدالرحیم خانخاناں ریاکاری کا پردہ یوں فاش کرتا ہے:-

अब रहीम मुसकिल परी, गाढे दोऊ काम ।
साँचे से तो जग नहीं, झूठे मिलें न राम ॥

رحیم | اب رحیم مشکل پڑی گاڑھے دوؤ کام ۔ سانچے سے تو جگ نہیں جھوٹے ملے نہ رام
رحیم یہ دونوں کام بہت مشکل ہو گئے۔ ایک وقت میں ان کا سرانجام ممکن نہیں۔ یعنی سچے سے تو دنیا نہیں ملتی اور جھوٹے سے خدا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو تو دھوکہ دے کر کام لیا جا سکتا ہے مگر خدا کے سامنے مکر نہیں چل سکتا۔ نیز دنیا کو سچ بات کڑوی معلوم ہوتی ہے "اَلْحَقُّ مُرٌّ"

لاعلم | یا ز جاناں یا ز جاں بایست دل برداشتن ۔ رسمِ عاشق نیست با یک دل دو دلبر داشتن
یا تو جاناں سے دست بردار ہو جانا چاہیے یا جان سے۔ عاشق کو سزاوار نہیں کہ ایک دل میں دو دلبر رکھے

مخمور | کب راستی سے ہووے سُبک وضع آشنا ۔ سیدھا نہ ہو سکے کبھی ساغر حباب کا

لاعلم | سچ تو یہ ہے کہ سچائی سے خُدا ملتا ہے ۔ اہلِ دنیا کے لئے مکر کا جال اچھا ہے

(۲) دُبِدا

راہِ سلوک میں دو دلی بڑی مصیبت اور سخت پریشانی کا باعث ہے چنانچہ کبیر کہتا ہے

राम नाम कड़वा लागे, मीठा लागे दाम ।
दुविधा में दोनों गए, माया मिली न राम ।।

کبیر | رامُ نامُ کڑُوا لاگے مِیٹھا لاگے دامُ ۔ دُوِبدھا میں دُونوں گئے مایا ملی نہ رامُ
خدا کا نام کڑوا لگتا ہے اور دام میٹھے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر دُبدا میں دونوں گئے نہ دولت ملی نہ خدا۔

لاعلم | عشقِ کامل نیست تا در بندِ مال و مسکنی ۔ آں زماں آتش علم گردد کہ سوزد خانہ را
تو جب تک مال اور مکان کی قید میں ہے تیرا عشق کامل نہیں ہے۔ آگ کے شعلے اُس وقت بلند ہوتے

ہیں۔ جب گھر کو جلا ڈالتے ہیں۔ لہٰذا اگر تجھے عشق ہے تو خواہشاتِ نفس کو آتشِ عشق میں پھونک دے۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند　چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند　حافظ

واعظین حضرات جو محراب و منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ جب خلوت میں جاتے ہیں تو وہ دوسرا کام کرتے ہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے　لا اعلم

حرم سے نکلے تلاشِ بت میں بتوں سے یادِ خدا پہ بگڑی

غرض ہم آوارۂ وفا ہیں کہیں ہمارا گذر نہیں ہے　ناطق لکھنوی

شائستۂ دنیا نہ سزاوار ہوں دیں کا　اے وائے میں قدرت نہ اِدھر ہوں نہ اُدھر ہوں　قدرت

تجھے دیکھ لے تذبذب آشنا کیا کیا پڑا کرنا　کبھی ناقوس اٹھا لینا کبھی تکبیر ادا کرنا　ابرالدین ز فاں

یاں دل میں خیال اور ہے واں مدِ نظر اور　ہے حال طبیعت کا اِدھر اور اُدھر اور　داغ

(۳) جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

زمانے کی خود غرضی اور اس کا نتیجہ یوں بیان کیا گیا ہے:۔

दुख में हर [illegible] सब भजे सुख में भजे न कोय।
सुख में जो हर को भजे तो दुख काहे को होय॥

دُکھ میں ہر کو سب بھجیں، سُکھ میں بھجے نہ کوئے
سُکھ میں جو ہر کو بھجے تو دُکھ کاہے کو ہوئے　لا اعلم

مصیبت میں تو سب خدا کو یاد کرتے ہیں مگر آرام میں بھول جاتے ہیں۔ آرام میں بھی یاد کریں تو دکھ کیوں ہو

عطار

گر بوقتِ عیش یادِ حق کنی   در مصائبِ خویش را کے افگنی

اگر تو عیش میں یادِ خدا کرے تو مصیبت میں کیوں مبتلا ہو

صائب نے کس خوبی سے کہا ہے کہ عبادت جوانی میں کرنی چاہیے :-

صائب

بہ نوبہارِ جوانی اطاعتِ حق کن   کہ چوب خشک چو گردید خم نمی گردد

اطاعتِ الہٰی جوانی کی بہار میں کرنی چاہئے کیونکہ لکڑی جب خشک ہو جاتی ہے تو مڑ نہیں سکتی۔

ظفر

ظفر آدمی اُس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ان تمام عیوب سے سالک کا پاک ہونا ضروری ہے اور پھر متوکل ہونا لازمی یہی وہ صفت ہے جو تسلیم و رضا کا زینہ ہے۔ اور للّٰہیت کا آئینہ۔ البتہ کاہلی و آرام طلبی اور بے عملی و تن آسانی کا نام توکل ہرگز نہیں ہے۔ بقول اکبر :-

اکبر الہ آبادی

کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار   تو کوشش کر و بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

توکّل

توکل کے معنی مختصراً اس عربی جملے میں مضمر ہیں اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ

(کوشش کرنا میرا کام ہے اور پورا کرنا خدا کا۔) اسی توکل پر یہ رسالہ مرتب کیا جا رہا ہے اور باب ہٰذا ختم کیا جاتا ہے۔

خانخاناں نے مندرجہ ذیل دوہے میں کیسی عمدہ مثال دے کر توکل کی وضاحت
کی ہے۔ حقیقتاً اسی نوبت پر کہا جا سکتا ہے۔ ع رزق را روزی رساں پر می دہد۔

काम न काहू आवई, मोल न कोऊ लेइ।
बाजू टूटे बाज को, साहब चारा देइ॥

رحیم: کَام نہ کَاہُو آوَئی مَول نہ کَوُو لیئی — بَاجُو ٹُوٹے بَاج کُو صَاحِب چَارہ دیئی

نہ تو کسی کے کام آتا ہے نہ کوئی مول لیتا ہے۔ بازو ٹوٹے ہوئے باز کو اللہ تعالیٰ روزی دیتا ہے۔

لاعلم:
للہ الحمد کافریدہ مرا — با ہزاراں گنہ گزیدہ مرا
بندۂ عیب دار کس نخرد — او بدیں عیبہا خریدہ مرا

خدا ہی کے لیے تعریف ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا۔ اور ہزاروں گناہ کے باوجود مجھے پسند کر لیا۔

عیب دار غلام کو کوئی نہیں خریدتا۔ اس نے اس قدر عیبوں کے باوجود مجھے خرید لیا۔

لاعلم:
یارب تو چناں کن کہ پریشاں نشوم — محتاج برادران و خویشاں نشوم
بے منت مخلوق مرا روزی دہ — تا از در تو بر در ایشاں نشوم

اے پروردگار ایسا کرم کر کہ میں پریشان نہ ہوں۔ بھائیوں اور خویشوں کا محتاج نہ ہوں۔
مخلوق کی منت (احسان) کے بغیر مجھے روزی دے تاکہ تیرے در سے ان کے دروازے
پر نہ جاؤں۔

میر کلو عرش: آسیا کہتی ہے ہر صبح باآواز بلند — رزق سے بھرا ہے رزاق دہن ہر بشر کا

امیر مینائی: آرام سے ہوں فقر کے بستر پہ میں گدا — تکیہ ہے جب سے رازق مطلق کی ذات پر

نوح ناروی: بندوں کو تو رحمت سے فزوں دیتا ہے
پر مجھ کو تعجب ہے کہ کیوں دیتا ہے
اعمال تو ایسے نہیں جو رزق ملے
رزّاق ترا نام ہے یوں دیتا ہے

جوہر رامپوری: ہے سنّتِ اربابِ وفا صبر و توکّل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

آتش: تدبیر سے تو کام نہ تقدیر کا ہوا
تکیہ خدا پہ کیجئے دروازہ بھیڑئے

ع اخلاق و مروّت و سخاوت

انسان کو اُس کے اوصافِ حسنہ کے باعث اپنے بنی نوع میں فضیلت حاصل ہوتی ہے جن میں سے خوش خلقی عمدہ ترین صفت ہے۔ لہٰذا تلسی داس، کبیر اور دوسرے کویوں کے خیالات ذیل میں ملاحظہ کیجیے:-

رحم دلی و خوش خُلقی

दया धर्म का मूल है, पाप मूल अभिमान ।
तुलसी दया न छोड़िये, जब लग घट में प्राण ।।

دَیا دَھرم کا مُول ہے پاپ مُول اَبھِمان   تُلسی دَیا نہ چھوڑیے جب لگ گھٹ میں پران

تلسی، رحم دلی و مہربانی دھرم کی جڑ ہے۔ اور تکبر گناہ کی اصل، لہٰذا جب تک دم میں دم ہے رحم و کرم کرنا نہ چھوڑ۔

من ندیدم در جہانِ جستجو   ہیچ اہلیت بہ از خُلقِ نکو

میں نے جہانِ جستجو میں عمدہ عادت سے بہتر کوئی قابلیت نہیں دیکھی۔

سعدی | بشیریں زبانی و لطف و خوشی   توانی کہ پیلے بہ موئے کشی

شیریں زبانی اور لطف و خوشی کے ذریعہ تو ہاتھی کو بال سے کھینچ سکتا ہے۔

مظہر | بحسن خلق و خوش خوئی مسخر کن دلِ عالم   اگر فردوس می خواہی رضائے حق اگر جوئی

دنیا کا دل حسنِ اخلاق اور اچھی عادت کے ذریعہ مسخر کرلے اگر تو جنت اور خدا کی خوشی چاہتا ہے۔

سعدی | شنیدم کہ مردانِ راہ خدا   دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام   کہ با دوستانت خلافست و جنگ

میں نے سنا ہے کہ راہِ خدا کے مرد دشمنوں کو بھی ملول نہیں کرتے۔ مگر تجھے یہ مرتبہ کب نصیب ہو سکتا ہے کیونکہ تو۔ تو۔ دوستوں سے بھی مخالفت اور جنگ کرتا ہے۔

رباعی

انیس | مٹّی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر   ہر بات پہ معترض نہ ہو جنگ نہ کر
منظور اگر ہے جا، دلوں میں لے دوست   بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

ولہ | حاسد جو برا کہے تو چپ رہتے ہیں   ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں
جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک   جو بد ہیں وہ نیکوں کو برا کہتے ہیں

دیگر | دنیا میں کسی پر نہ تعدّی کرنا   دل جس سے دکھے بات نہ ایسی کرنا
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے ضرور   بندے کبھی بن پڑے تو نیکی کرنا

اکبر | بنو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر   جہاں گیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

दया धर्म हिरदे बसे, बोले अमृत बैन ।
ते ही ऊँचे जानिये, जिनके नीचे नैन ॥

دَیا دَھرم ہِردے بسے بولے امرت بین　　تے ہی اونچے جانئے جن کے نیچے نین

جن کے دل میں رحم اور دینداری کا جذبہ ہو اور شیریں کلام ہوں۔ اونچے درجے کے وہی لوگ ہیں، جن کی آنکھ میں لحاظ و مروّت اور حیا ہے۔

فروتنی ست دلیلِ رسیدگانِ کمال　　کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

انکساری صاحبِ کمال ہونے کا ثبوت ہے۔ سوار جب منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پیدل ہو جاتا ہے

تواضع ز گردن فرازاں نکوست　　گدا اگر تواضع کند خوئے اوست
تواضع کند ہوشمندِ گزیں　　نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمیں

سرداروں اور امیروں کا تواضع کرنا پسندیدہ ہے۔ فقیر اگر تواضع کرتا ہے تو اس کی عادت ہے۔ ہر پسندیدہ عقلمند تواضع کرتا ہے۔ جس طرح میوے سے لدی ہوئی شاخ جھک جاتی ہے۔

سُنتے ہو اے شریفو شرافت کو کیا ہوا　　کیا اُٹھ گئی جہاں سے لیاقت کو کیا ہوا
انسانیت نہ چھوڑو اگر تم غریب ہو　　دولت نہیں تو خُلق و مروّت کو کیا ہوا

بنام یوں بستی میں بالاتر ہمارا ہو گیا　　جوں کنوئیں کی تہ میں پانی جا کے نارا ہو گیا

یہ کام نہیں آساں انسان کو مشکل ہے　　دنیا میں بھلا ہونا دنیا کا بھلا کرنا

وہ خار ہوں کسی سے اُلجھتا نہیں ہوں میں　　دشمن کی آنکھ میں بھی کھٹکتا نہیں ہوں میں

معیشت ہم فقیروں کی سی اخوانِ زماں سے کر　　کوئی گالی بھی دے تو کہہ، بھلا بھائی بھلا ہو گا

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم　　انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مائل | ہم تو بک جاتے ہیں اُن اہلِ کرم کے ہاتھوں کرکے احسان بھی جو نیچی نظر رکھتے ہیں

ऐसी बानी बोलिए, मन का आपा खोय ।
औरन को सीतल करै, आपहुं सीतल होय ।।

کبیر | ایسی بانی بولئے من کا آپا کھوئے اورن کو سیتل کرے آپ ہو سیتل ہوئے

ایسی گفتگو کیجیے جس سے اپنا بھی دل ٹھنڈا ہو اور اوروں کا بھی۔

حافظ | بحسنِ خلق تواں کرد صیدِ اہلِ نظر بہ بند و دام نگیرند مرغِ دانا را

حُسنِ خلق سے اہلِ نظر کو شکار کیا جا سکتا ہے۔ جال اور پھندے میں عقلمند پرند نہیں پھنستا

شیفائی آتش | ز نیک و بد نظرِ مرحمت دریغ مدار حیات بخشِ گل و خار ہمچو باراں باش

ہر نیک و بد پر مہربانی کی نظر رکھ۔ پھول اور کانٹے کے لئے بارش کی طرح حیات بخش رہ۔

عزیز امرتسری | انساں کو چاہیے کہ کسی پر گراں نہ ہو مثلِ نسیم رونقِ باغِ جہاں رہے

لا اعلم | ہیبت آنعظیم سے جو سب جھکیں تیری طرف کون پھر سجدہ کرے جو خم نہ ہو محراب میں

بیخود دہلوی | دل میں کچھ چبھتی ہوئی تقریر ہونی چاہیئے نالہ کیسا بات میں تاثیر ہونی چاہیئے

مائل دہلوی | نہیں ہوتی تو دعا میں نہیں ہوتی تاثیر اور جو ہوتا ہے تو باتوں میں اثر ہوتا ہے

तुलसी मीठे वचन तें, सुख उपजत चहुँ ओर ।
बसीकरण इक मंत्र है, तज दे वचन कठोर ।।

تلسی | تلسی میٹھے بچن میں سکھ اُپجت چہوں اور بسی کرن اک منتر ہے تجدے بچن کٹھور

تلسی شیریں کلامی سے سب طرح اور ہر طرف آسائش ہوتی ہے یہ تسخیر کا ایک عمل ہے سخت کلامی چھوڑ دے

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست　　با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

دونوں جہان کے آرام کی تفصیل یہ ہے کہ دوستوں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آؤ اور دشمنوں کی خاطر مدارات کرو۔

قیمتِ نیشکر و بید مساوی بست ز ابر　　نیک و بد در نظرِ اہلِ کرم ہر دو یکیست

ایکھ اور بید کی قدر و قیمت ابر کی نظر میں برابر ہے۔ صاحبانِ کرم کی نظر میں نیک و بد یکساں ہیں

حسنِ صورت محض بے رونق ہے سیرت کے بغیر　　جن گلوں میں بو نہیں وہ خوشنما کہنے کو ہیں

جیسے ملے جس سے ملے دل کھول کر دل سے ملے　　اس سے بڑھ کر اور خوبی کوئی انساں میں نہیں

बोल अमोलक मोल है जो, कोई जाने बोल ।
पहले मन में तोल ले, पाछे बाहर खोल ।।

بول اَمولک مول ہے جو کوئی جانے بول　　پہلے مَن میں تول لے پاچھے باہر کھول

بات بیش قیمت شے ہے بشرطیکہ کوئی اس کی قدر جانے۔ پہلے دل میں سمجھ لے پھر ظاہر کر۔

اوّل اندیشہ وانگہی گفتار　　پائے بیش آمدست و پس دیوار

پہلے سوچ لے پھر بول۔ پہلے بنیاد بھری جاتی ہے بعد میں دیوار بنتی ہے۔

مزن بے تامل بگفتار دم　　نکو گوئی گر دیر گوئی چہ غم

بلا سوچے نہ بول۔ خواہ دیر سے کہہ مگر ٹھیک بات کہہ

حدیثِ مردِ پُر گو دلنشینِ گوش کم گردد　　بلب مہر خموشی نہ کہ گفتارت سند باشد

زیادہ بولنے والے کی بات دلنشیں کم ہوتی ہے۔ لب پر خاموشی کی مہر لگا تاکہ تیری بات سند ہو جائے

خواجہ　لا اعلم　بیخود دہلوی　سعدی　ولہ　متولہ

لاادری

بپیرے رسیدم در انتہائے یوناں — بدو گفتم اے آنکہ با عقل و ہوشی
بمردم چہ بہتر بہر حال گفتا — خموشی، خموشی، خموشی، خموشی

یونان کے انتہائی علاقہ میں۔ میں ایک بوڑھے سے ملا اور اُس سے پوچھا کہ تو باعقل و ہوش ہے۔
یہ بتا کہ آدمی کے لیے ہر حال میں کیا بہتر ہے۔ تو جواب دیا "خاموشی، خاموشی، خاموشی، خاموشی!"

اکبر الہ آبادی

مذموم ہے رمزِ طعنہ و کبر و حسد، — رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد
ہم رنگ سے ارتباط، با صدق و صفا — بے میل سے، احتراز بے کینہ و کد

خاکساری و انکساری

बुरा जो देखन में चला बुरा न दीखा कोय ।
जब दिल खोजा आपना, मुझसे बुरा न कोय ।।

کبیر

بُرا جو دیکھن میں چلا بُرا نہ دیکھا کوئے — جب دل کھوجا آپنا مجھ سے بُرا نہ کوئے

میں نے بُرا تلاش کیا تو اپنے دل کا جائزہ لینے پر مجھ سا بُرا کوئی نہ ملا۔

تسلیم نارنولی

مرا ایں معنی از خورشید ہم چوں روز شد روشن — کہ روی مہر باشد با ہمہ کس طبع روشن را

مجھے یہ بات آفتاب سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ روشن خیال لوگ سب ہی سے محبت کرتے ہیں

دارا

بسعیِ ہیچ کس پر کندہ نتواند شدن ہرگز — دریں منزل اگر چوں مور سازی پست مسکن را

کسی کی کوشش سے بھی وہ ہرگز اُکھڑ نہیں سکتا۔ اگر اس دنیا میں تو چیونٹی کی طرح بہت نیچا اور چھوٹا گھر بنا لے۔

لاادری

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے — خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

نہ تھی حال کی اپنے ہمیں جو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا — ظفر

सीस, कान, मुख, नासिका ऊँचे ऊँचे नाँव।
सहजो नीच कारने सब कोई पूजें पाँव।

سیس، کان، مکھ، ناسکا اونچے اونچے ناؤ سہجو نیچے کارنے سب کوئی پوجیں پانو — سہجو

سر، کان، منہ، ناک سب اونچے ہیں۔ مگر خاکساری و انکساری کے باعث سب پاؤں پوجتے ہیں۔

پناہِ سرکشاں از سرفروافگندگاں باشد ز بادِ تند غم نبود چراغِ زیرِ داماں را — تسلیم

سرکشوں کو سرافگندوں سے پناہ ملتی ہے۔ چراغ کو آندھی سے دامن بچاتا ہے (کیونکہ اس کا سر نیچا ہے) چراغ کو سرکش اور دامن کو سرافگندہ خوب کہا ہے۔ اور دعویٰ مضبوط دلیل سے ثابت کیا ہے۔

خاکساروں کو سدا پھولتے پھلتے دیکھا دانہ سرسبز ہوا خاک میں پنہاں ہو کر — حشر
جبیں تو کیا کوئی بے التجا نہیں ملتا بغیر عجز قسم ہے خدا نہیں ملتا — لاعلم
زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانکا آسماں ہو کر — اکبر
دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا — ذوق
زباں کھولیں گے مجھ پر بدزباں کیا بدشعاری سے کہ میں نے خاک بھر دی اُن کے منہ میں خاکساری سے — ذوق

راست روی

फरजी शाह न हो सके, गति टेढ़ी तासीर।
रहिमन सूधी चालते, प्यादा होत वजीर॥

پھرجیں ساہ نہ ہوسکے گتی ٹیڑھی تاثیر رحیمن سودھی چال سے پیادہ ہوت وزیر

فرزیں جو سلطنتِ بساطِ شطرنج کا وزیر اور سب سے بڑا مہرہ ہے اس لئے بادشاہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ٹیڑھا بھی چلتا ہے۔ مگر پیادہ جو سب سے چھوٹا مہرہ ہے۔ چونکہ ہمیشہ سیدھا چلتا ہے اس لئے بادشاہ ہو جاتا ہے۔

سعدی: راستی موجبِ رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست

سچائی (راست روی، راست بازی، راست کرداری اور راست گفتاری وغیرہ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ سیدھے راستہ سے گم ہو گیا ہو۔

سعدی: دلا راستی گر کنی اختیار شود دولتت ہمدم و بختیار

اے دل اگر تو راستی اختیار کرلے تو دولت تیری ہمدم اور نصیبہ مددگار ہو جائے۔

صائب: بمطلب می رسد جویائے کام آہستہ آہستہ ز دریا می کشد صیاد دام آہستہ آہستہ

مقصد کا تلاش کرنے والا اپنے مطلب تک آہستہ آہستہ پہنچتا ہے۔ مچھیرا دریا سے جال آہستہ آہستہ کھینچتا ہے۔

لاعلم: راہ سیدھی چل کہ سیدھی راہ سے دیکھ بنتا ہے پیادہ بھی وزیر

نیکی

जो तोको काँटा बुए, ताहि बोवे तू फूल ।
तोको फूल के फूल हैं, वाको हैं तिरसूल ।।

کبیر: جو تو کو کانٹا بوئے تاہی بوئے تو پھول تو کو پھول کے پھول ہیں وا کو ہیں ترسول

جو تجھے کانٹا بوئے تو اس کے لئے پھول لگا۔ تجھے پھول کے پھول ہیں اور اس کو ترسول۔

ملا داغ عنط

بدی را مکافات کردن بدی — بر اہلِ صورت بود بخردی
بمعنی کسانیکہ پے بُردہ اند — بدی دیدہ و نیکوئی کردہ اند

بدی کا بدلہ بدی دینا اہلِ ظاہر کے نزدیک عقلمندی ہے۔ مگر اہل باطن بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں

رضا

دشمنی کرنے کا پھل دشمن کو خود مل جائے گا — آنے والا ایک دن اس کے لئے مشکل کا ہے

خوبیِ حیات

जब हम जग में पग धरू, सब हँसे हम रोय ।
कबिरा ऐसी कर चलो, पाछे हँसी न होय ।।

کبیر

جب ہم جگ میں پگ دھرُو سب ہنسے ہم روئے — کبیرا ایسی کر چلو پاچھے ہنسی نہ ہوئے

ہم جب پیدا ہوئے تو سب لوگ خوشی کے مارے ہنستے تھے مگر ہم رو رہے تھے۔ پس اے کبیر ایسی زندگی بسر کر جاؤ کہ مرنے کے بعد ہنسی نہ ہو۔

سعدی

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو — ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مُردنِ تو — ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

کیا تجھے یاد ہے کہ تو جب پیدا ہوا تو سب لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا لہذا اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے مرنے پر سب روئیں اور تو ہنسے!

زادن و مُردن اور خنداں و گریاں کا تقابل خوب ہے۔

یہی خیال دوسرا شاعر بھی یوں ظاہر کرتا ہے:۔

دوری اصفہانی

اے آمدہ گریاں تو و خنداں ہمہ کس   وز آمدنِ تو گشتہ شاداں ہمہ کس
امروز چناں باش کہ فردا چو روی   خنداں تو بروں روی و گریاں ہمہ کس

اے وہ شخص کہ تو روتا ہوا آیا اور سب آدمی ہنس رہے تھے لہٰذا آج تو اس طرح رہ کہ کل جب تو جائے یعنی انتقال ہو تو ہنستا ہوا جائے اور دوسرے لوگ روئیں۔

حکیم سنائی

با ہمہ خلقِ جہاں، اگرچہ ازاں   بیشتر گمرہ و کمتر بہ رہ اند
آں چناں زی کہ چو میری برہی   نہ چناں زی کہ چو میری برہند

تمام خلق کے ساتھ کہ جس میں گمراہ زیادہ اور راہِ راست پر کم ہیں۔ اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے مرنے پر تو ان سے نجات پا جاوے نہ کہ تو ایسا برا ہو کہ وہ تجھ سے نجات پائیں۔

ناظم ہروی

خورشید صفت چناں نبری در عالم   بیروں چو روی جہاں سیہ پوش شود

آفتاب کی طرح دنیا میں اس طرح زندہ رہ کہ جب تیرا انتقال ہو تو جہاں سیاہ پوش ہوئے یعنی ماتم کرے۔

مؤلف
یوں بسر کر او رگذر جا اس کدے سے شاد شاد   عمر بھر روتے رہیں اہلِ جہاں تیرے لئے

چکبست
اس کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں   مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

لا اعلم
موت اُس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس   یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

منتظر امروہوی
دن زندگی کے چشم زدن میں گذر گئے   جھونکے ہوا کے تھے ادھر آئے اُدھر گئے

داغ
اپنے دم کو آدمی ہر دم غنیمت جان لے   خاک کا پھر ڈھیر ہے بعدِ فنا کچھ بھی نہیں

انیس
گو صورتِ دُنیا ہمہ تن گوش ہوں میں   لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مکان و مسکن کیسا   مانندِ حباب خانہ بر دوش ہوں میں

درد　شمع کی مانند ہم اس بزم میں　　چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

آہِ مظلوم

तुलसी हाय गरीब की, कभी न खाली जाय।
मुई खाल की स्वास सों, सार भस्म हो जाय॥

تلسی　تلسی ہائے گریب کی کبھی نہ کھالی جائے　　مُوئی کھال کی سُواس سے سار بھسم ہو جائے

تلسی غریب کی ہائے کبھی خالی نہیں جاتی ۔ مُردہ کھال (دھونکنی) سے لوہا بھسم ہو جاتا ہے ۔

بیدل　بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن　　اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

مظلوموں کی دُعا سے ڈر کہ اُن کی دُعا پر قبولت بارگاہِ الٰہی سے پیشوائی کو آتی ہے ۔

سعدی　آتشِ سوزاں نہ کند با سپند　　آنچہ کند دودِ دلِ مستمند

تیز آگ بھی رائی کے دانہ کے ساتھ وہ نہیں کرتی جو دُکھے ہوئے دل کا دھواں کرتا ہے ۔

صائب　شکستِ شیشۂ دل را مگو صدائے نیست　　کہ ایں صدا بقیامت بلند خواہد شد

یہ نہ سمجھ کر دل کے ٹوٹنے کی آواز نہیں ہے ۔ یہ وہ ہے جو قیامت کے دن بلند ہو گی ۔

تخلص کا　سخت گیری با گرفتاراں ندارد عافیت　　نیست از زنداں رہائی زیں سبب زنجیر را

قیدیوں سے سختی کا برتاؤ کرنے میں عافیت نہیں ہے اسی لئے زنجیر کو قید خانے سے رہائی نہیں ملتی ۔

مرزا　خانۂ ظالم چو ویراں شد چراغاں می شود　　شمع می سازند موم خانۂ زنبور را

جب ظالم کا گھر ویران ہوتا ہے تو چراغاں ہوتا ہے ۔ بھڑ کے گھر کے موم سے شمع بنائی جاتی ہے

اکبر
آہ جو دل سے نکالی جائے گی　　کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی؟

امیر
قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کُشتوں کا خون کیونکر　　جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ذہین
آہ ہے مظلوم کی ڈر ظالم نخوت پسند　　سامنے جس کے زمین و آسماں کچھ بھی نہیں

یوسف صدیقی
آہِ پُر درد سے ڈرتے رہیں کہہ دو اُن سے
جو ہنسی کھیل سمجھتے ہیں دُکھانا دل کا

سزائے تلخی

खीरा को मुंह काटिके, मलियत लोन लगाय ।
रहिमन करुए मुखन को, चहिय यही सजाय ॥

رحیمن
کھیرا کو مُنھ کاٹ کے مَلیت لُون لگائے　　رحیمن کڑوے مکھن کو چھیئے یہی سجائے

کھیرا (مشہور ہندوستانی پھل) کا منھ کاٹ کر نمک ملا کرتے ہیں۔ رحیمن کڑوے موؤں کو یہی سزا ملنا چاہیے۔

علہ یہ ساعدوں کا ہے اُس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم　　نیامِ تیغِ قضا ہے مرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

ریاض امیر کے محبوب شاگرد تھے۔ ایک دفعہ رام پور آئے اور اُستاد کے مہمان ہوئے۔ کسی صحبت میں کسی نے ناسخ کا مندرجہ بالا شعر پڑھا سب نے پسند کیا۔ جلال نے کہا کہ آستین کا قافیہ اس زمین میں اس سے بہتر کوئی نہیں باندھ سکتا۔ ریاض کے شدید اصرار پر امیر نے اس زمین میں غزل کہی۔ مگر چونکہ وہ قدما کا بہت احترام کرتے تھے۔ آستین کا قافیہ غزل میں نہ رکھا۔ ریاض کے اصرار نے اور شدت اختیار کی۔ جب امیر نے یہ شعر پڑھا۔

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کُشتوں کا خون کیونکر　　جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ریاض اچھل پڑے اور امیر کے قدموں پہ ہاتھ رکھ کر خوب روئے۔ ایسی اُستادی شاگردی اب کہاں!

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ پر)

قہر و لطف اندر محلِ خود نکوست   جائے گل گل باش جائے خار خار

قہر کی جگہ قہر اور لطف کی جگہ لطف ٹھیک ہے۔ پھول کی جگہ پھول۔ اور کانٹے کی جگہ کانٹا بن جا

فخر بکری نے کیا میرے سوا کوئی نہیں   میں ہی میں ہوں اس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں

جب نہ چھوڑی میں میں اس بے مایہ بے اسباب نے   پھیر دی گردن پہ تنگ آکر چھری قصاب نے

گوشت، ہڈی اور چمڑا جو تھا جسم زار میں   کچھ بکا، کچھ پھنک گیا، کچھ پک گیا بازار میں

اب رہیں آنتیں فقط میں میں۔ سنانے کے لئے   لیگیا ندّاف انھیں دھنکی بنانے کے لئے

تانت پر پڑنے لگیں چوٹیں تو گھبرانے لگی
میں کے بدلے تیں ہی تیں کی پھر صدا آنے لگی

مروّت

डाल बिगाड़ें फल भखें, पानन को दें फाड़ ।
इतने ओगुन पंछी करें, तरवर न दें ताड़ ॥

(صفحہ ۷۶ کا بقیہ حاشیہ) آستیں کا قافیہ سید امداد مرزا انور دہلوی نے بھی خوب باندھا ہے:

نہ لب پہ ہو ذکر مہر و کیں کا نہ دیکھے اک اشک منہ زمیں کا   وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

اور فرماتے ہیں:

وہ ناتوانی سے بے نشاں ہوں کہ لاکھ ڈھونڈو مگر نہاں ہوں   یہ دیکھنے میں جو کچھ عیاں ہوں طلسم ہے جیب و آستیں کا

اور

لاعلم

ڈال بگاڑیں پھل بھکیں پاتن نے دیں پھاڑ اتنے اوگن بچھی کریں تر ور نے دیں تاڑ

شاخیں خراب کریں پھل کھا جائیں پتے پھاڑ ڈالیں۔ پرند اتنی خرابیاں کریں مگر درخت پھر بھی اُنھیں نکال نہیں دیتے۔

از اخلاق محسنی

با تو گویم کہ چیست غایتِ حلم ہر کہ زہرت دہد شکر بخشش

میں تجھے بتاؤں کہ بردباری کی انتہا کیا ہے۔ یہ ہے کہ جو تجھے زہر دے تو اُس کو شکر عنایت کر

کم مباش از درختِ سایہ دار ہر کہ سنگت زند ثمر بخشش

سایہ دار درخت سے کم نہ رہ۔ جو تیرے پتھر مارے اُس کو پھل مرحمت کر

ہر کہ بخراشدت جگر بہ جفا ہم چو کانِ کریم زر بخشش،

جو ظلم سے تیرا سینہ چھیلے۔ اُس کو بخشش کرنے والی کان کی طرح سونا بخش

آبیر

خوشا آبیر وہ منعم کہ ہو کے دولتمند جھکائے سر شجرِ میوہ دار کی صورت

ولہٗ

راستی اور تواضع میں ہے ربطِ باہم جس طرح لام الف میں ہے الف لام میں ہے

سوال

आग लगी इस बृक्ष को, जलने लग गए पात ।
तुम क्यों जलते पंखियो, पंख तुम्हारे साथ ।।

جواب

फल खाए इस बृक्ष के, गन्दे कीने पात ।
यही हमारा धर्म है, जलें बृक्ष के साथ ।।

سوال

آگ لگی اِس برکش کو جلنے لاگے پات　　　تم کیوں جلتے پنکھیو پنکھ تمھارے ساتھ

جب درخت کو آگ لگ گئی اور پتّے جل رہے ہیں تو اے پرندو تم کیوں جلتے ہو تمھارے تو پَر ہیں — یہ سوال ہے۔

جواب

پھل کھائے اِس برکش کے گندے کینے پات　　　یہی ہمارا دھرم ہے جلیں برکش کے سات

ہم نے اس درخت کے پھل کھائے اور پتّے خراب کئے لہٰذا ہمارا دھرم یہی ہے کہ اُس کے ساتھ جل جائیں

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم　　　کہ در طریقۂ ما کافریست رنجیدن

ہم وفا کرتے ہیں ملامت سہتے ہیں اور خوش ہیں۔ ہمارے طریقہ میں رنجیدہ ہونا کفر ہے۔

پنہاں نمی نمایم چوں غنچہ من زرِ خویش　　　چوں گل برائے احباب دارم بکف سرِ خویش

میں غنچے کی طرح اپنا سونا چھپاتا نہیں ہوں۔ بلکہ پھولوں کی طرح احباب کے لئے سر ہتھیلی پر رکھتا ہوں۔

ہم ایسے بدنصیب کہ اب تک نہ مر گئے　　　آنکھوں کے آگے آگ لگی آشیانے میں

نشیمن نہ جلتا، نشانی تو رہتی　　　ہمارا تھا کیا ٹھیک، رہتے نہ رہتے

ہو لئے جس کے ہو لئے ۔ بیخود　　　یار اپنا تو یہ حساب رہا

بشر کو چاہیئے پاسِ دلِ بشر رکھے　　　کسی کا ہو کے رہے یا کسی کو کر رکھے

خانہ زادوں کو کہاں قیدِ محبّت سے فراغ　　　ہم وہ بلبل ہیں یہیں خاکِ گلستاں ہونگے

ताल सूख पत्थर भयो, हंस कहीं नहीं जाय।
पिछली प्रीति के कारने, कंकर चुन चुन खाय ॥

کبیر
تال سوکھ پاتھر بھیو ہنس کہیں نہ جائے پچھلی پریتی کے کارنے کنکر چن چن کھائے
تالاب سوکھ کر پتھر ہو گیا۔ مگر ہنس کہیں نہیں جاتا ہے۔ پچھلی محبت کے سبب سے کنکر چن چن کر کھاتا ہے۔

لاعلم
از برائے نفع کردن گر کنی جرمے رواست روزہ خوردن ہم مسلم بر دہان آسیاست
کسی کے نفع کے لئے جرم کرنا بھی جائز ہے۔ چکی کا روزہ کھانا مسلّم ہے۔ یعنی وہ رمضان میں دوسروں کے لئے روزہ نہیں رکھتی اور غلّہ پیستی ہے۔ جو اُس کی غذا کی مانند ہے۔

خلیق لکھنوی
پیس ڈالے گو زمانہ پر نہ چھوڑے اپنا رنگ باغ عالم میں بشر مثل حنا ایسا تو ہو

करनी देख कपास की, एसी मिती को धीर ।
दुख सहत सर आपने, पर को ढकत शरीर ।।

لاعلم
کرنی دیکھ کپاس کی ایسو بیتی کو دھیر دکھ سہت سر آپنے پر کو ڈھکت شریر
کپاس کا کردار دیکھ کر ارادے کا کیسا پختہ ہے۔ خود مصیبت اُٹھاتا ہے اور دوسروں کا بدن ڈھکتا ہے

غنی
سعی بہر راحت ہمسائگاں کردن خوش است بشنود گوش از برائے خواب چشم افسانہا
ہمسایوں کے لئے کوشش کرنا پسندیدہ ہے۔ کان آنکھوں کی نیند کے لئے افسانے سنتا ہے۔

لاعلم
ہیچ کس ہمت ندارد ہمچو سوزن در جہاں با وجود تنگ چشمی پردہ پوش عالم است
سوئی کی سی ہمت دنیا میں کسی کی نہیں ہے کہ تنگ چشمی کے باوجود عالم کی پردہ پوش ہے۔ چشم سے مراد اُس کا ناکہ۔

لاعلم
اہل ہمت جاں دہد پروانہ ساں کار خیر شمع خود می سوزد و جائے دگر روشن کند
اہل ہمت کار خیر میں پروانے کی طرح جان دیتے ہیں۔ شمع خود جلتی ہے اور دوسری جگہ کو روشن کرتی ہے۔

آرام کیا کہ جس سے ہو تکلیف غیر کو　　پھینکو کبھی نہ پاؤں سے کانٹا نکال کر

آپ کو سوختن غیر کو لذت　　یہ تماشا کباب میں دیکھا

जल सूख पंछी उड़े, औरे सरन समाय ।
दीन मीन ये बच रहीं, कहु रहीम कित जाय ॥

جل سوکھے پنچھی اُڑیں اور سرن سمائے　　دین مین بہ پچ رہی کہو رحیم کت جائے

پانی سوکھ گیا۔ پرند اُڑ کر دوسری جگہ چلے گئے۔ مگر رحیم بتاؤ مچھلیاں کیا کریں۔ کہاں جائیں۔

محبت این چنیں عاشق نوازی این چنیں باید　　زدی، بستی، شکستی، سوختی، انداختی، رفتی

محبت ایسی چاہیے اور ایسی عاشق نوازی: تو نے مارا، باندھا، توڑا، جلایا، پھینکا اور چل دیا

حالِ ابنائے زماں ہے مثلِ سنگِ آسیا　　ایک ہے آرام سے کھاتا ہے چکر دوسرا

ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا گئے کانٹے ہوئے　　تم نے کانٹوں پہ قدم رکھا گلستاں ہو گیا

जाको जस है जगत में, जगत सराहे जाहि ।
ताको जीवन सफल है, कहत अकब्बर साहि ॥

جاکو جس ہے جگت میں جگت سراہے جاہ　　تاکو جیون سپھل ہے کہت اکبر ساہ

جس کی زمانہ تعریف کرے اُس کو زندگی کا صلہ اچھا مل گیا۔ یہ اکبر بادشاہ کا قول ہے

ثمرِ نخلِ زندگی باشد　　گر بود اعترافِ خدمتِ تو

زندگی کے درخت کا پھل ہے۔ اگر تیری خدمت کا اقرار کیا جائے۔

زندگی اُس کی رائگاں نہ گئی　　جس نے دنیا کے ساتھ نیکی کی

बड़ा हुआ तो क्या हुआ, जैसे पेड खजूर ।
पथी का छाया नहीं, फल लागे अति दूर ।।

کبیر — بڑا ہوا تو کیا ہوا جیسے پیڑ کھجور پنتھی کو چھایا نہیں پھل لاگے اتی دور

بڑا ہونے سے کیا ہوتا ہے جیسے کھجور کا درخت جس سے راہگیر سایہ کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور پھل بہت دور

مؤلف — نخلِ مریم باش و نخلِ طور باش نخلِ تابوتی مباش اے بے خبر

"نخل مریم" وہ کھجور کا درخت جس کے نیچے حضرت عیسٰیؑ پیدا ہوئے تھے اور وہ خشک تھا۔ مگر حضرتِ عیسٰیؑ کی برکت سے حضرتِ مریمؑ کے ہاتھ لگاتے ہی سرسبز ہوا اور تازہ کھجوریں اُس سے گریں۔ "نخلِ طور" وہ انجیر کا درخت جس سے کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ کو احکام الٰہی سنائی دیتے تھے۔ "نخلِ تابوت" تابوت پر آرائش کے لئے جو درختوں کی شکل بناتے ہیں۔ یا بناتے تھے۔

مطلب یہ کہ نخلِ مریم بن یا نخلِ طور۔ تاکہ تجھ سے کسی کو فائدہ ہو۔ نہ کہ نخلِ تابوت جو بیکار ہے۔

ولہٗ — سایہ ات مفقود بہرِ راہ رو دور تر داری زلبس برگ و ثمر

راہ گیر کے لئے تیرا سایہ نہیں اور پتے اور پھل بہت دور۔ اُن سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا

مؤلف — عُوج مانا طول گرداری چہ سود بہرِ خدمت چوں نمی بستی کمر

(عوج نامی دُنیا کا طویل تر انسان حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی امت میں تھا۔ تو اگر عوج کی طرح لمبا تڑنگا بھی ہے تو کس کام کا جب کہ کوئی خدمتِ مخلوق نہیں کر سکتا۔

ع بے فیض اگر یوسفِ ثانی ہے تو کیا ہے

مہر نقوی

ہیں وہی بستیاں جہاں میں بڑی　　جن سے پہنچے جہان کو آرام
ورنہ کوہ و شجر بھی لاکھوں ہیں　　لمبے چوڑے مگر برائے نام

بڑے لوگوں کے لئے شیریں کلامی و نرم مزاجی بھی ضروری ہے بلکہ علامت شناخت ہے۔ چنانچہ کبیر کہتا ہے :-

شیریں کلامی

कुटिल वचन सव से बुरा, जार करे तन छार ।
साधु वचनं जल रूप है, बरसे अमरत धार ।।

کبیر

کُٹھل بچن سب سے بُرا جار کرے تن چھار　　سادھو بچن جل روپ ہے برسے امرت دھار

کڑوی بات سب سے بری ہے جس سے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ سادھو کی گفتگو پانی کی مانند ہے جو زندگی بخشتا ہے

لا اعلم

آدمیت نے بنطق و نے بریش و نے بجاں　　طوطیاں نطق و بزاں ریش و خراں دارند جاں

آدمیت نہ تو گویائی کی وجہ سے ہے۔ نہ داڑھی کے سبب سے نہ جان کے باعث کیونکہ طوطیوں میں بھی گویائی ہوتی ہے۔ بکروں کے بھی "داڑھی" اور گدھوں کے بھی جان ہوتی ہے۔

گفتگو ہارا ملایم کن۔ نمی دانی بداں　　از برائے نرم گفتن شد زباں بے استخواں

نرمی کے ساتھ گفتگو کر۔ اگر تو نہیں جانتا ہے تو جان لے کہ نرم گفتگو کرنے ہی کے لئے زبان میں ہڈی نہیں ہے

لا اعلم

فطرت کو ناپسند ہے سختی زبان میں　　پیدا ہوئی نہ اس لئے ہڈی زبان میں

〃

بشر نے خاک پایا لعل پایا یا گہر پایا　　مزاج اچھا اگر پایا تو سب کچھ اس نے بھر پایا

غالب

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے　　تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

غالب | گرمی سہی مزاج میں لیکن نہ اس قدر | کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی
داغ | بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا | کیجیئے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو
لاعلم | ارے کہہ کے بولے تو کی عرض میں سنے | یہ آدابِ اہلِ جہاں تو نہیں ہے
| تو جھنجھلا کے بولے ارے تیری عزت! | جہاں ہے وہاں ہے یہاں تو نہیں ہے

ظاہر ہے کہ سخت کلامی سے روحی اذیت ہوتی ہے اور دل پھٹ جاتا ہے جیسا کہ اس دوہے میں بھی اظہار کیا گیا ہے کہ دل پھٹ کر پھر نہیں جڑتا۔

پاسِ خاطر

मन मोती और दूध रस, इनके यही स्वभाव।
फाटे से फिर न मिलें, कोई करो उपाव।।

لاعلم | مَن مُوتی اور دُودھ رس اِن کے یہی سُبھاؤ | پھاٹے سے پھر نا مِلیں کوئی کرو اُپاؤ

دل، موتی اور دودھ کا یہ خاصہ ہے کہ یہ پھٹنے کے بعد پھر نہیں ملتے کوئی بھی تدبیر کرو۔

قآانی | تا می توان شکستنِ دلِ دوستاں مخواہ | کیں خانہ را مقابلِ کعبہ نہادہ اند

جہاں تک ہو سکے دوستوں کی دل شکنی نہ کر کیونکہ اس گھر کو کعبہ جیسا سمجھا جاتا ہے۔

سودا | کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ! | کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
تسلیم لکھنوی | چاہیئے انسان کو ہر وقت حفظِ آبرو | پھر گہر رہتا نہیں آب گہر جانے کے بعد

رباعی

لاادعلم

پا سکتا ہے پھر جو زر لٹائے کوئی کیا پائے جو آبرو گنوائے کوئی
بکھرے ہوئے موتی تو سمٹ سکے ہیں ٹپکے ہوئے اشک کیا اٹھائے کوئی

سخاوت

گسائیں تلسی داس اور عبدالرحیم خان خاناں معاصر تھے اور دونوں میں نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ تاریخی واقعات سے بقول مولوی محمد حسین آزاد ثابت ہے کہ "خانخاناں سخاوت کرنے میں بے قابو تھا۔ تلسی داس جب خانخاناں سے کسی ضرورتمند کی سفارش کرتے تو سائل کو اس کی طلب اور حوصلے سے زیادہ ملتا مگر معطی پھر بھی محسوس کرتا کہ کم دیا۔ چنانچہ ایسے ہی کسی واقعہ سے متاثر ہو کر تلسی داس نے کس قدر نازک اندازِ شاعرانہ میں اس طرح تعریف کی ہے کہ تعریف کو تعریف نہیں کہا جا سکتا اور اعلیٰ اخلاق و سخاوت کا اظہار ہے۔ نیز "صنعت تضاد" (اونچے اور نیچے) کو کس برجستگی اور خوبی سے ظاہر کیا ہے۔

سوال

सीखे कहाँ नवाब जी, ऐसी देनी देन ।
ज्यों ज्यों कर ऊँचो करो, त्यों त्यों नीचे नैन ।।

تلسی

سیکھے کہاں نواب جی ایسی دینی دین جوں جوں کر اونچو کرو توں توں نیچے نین

نواب جی مراد خانخاناں تم نے ایسی بخشش کہاں سیکھی کہ جوں جوں ہاتھ اونچا کرتے ہو یعنی بخشش کرتے ہو۔ اسی قدر آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

اس دوہے کا جواب دوہے ہی میں خانخاناں نے دیا ہے اور شاعری واخلاق کا اظہار نہایت عمدہ کیا ہے۔

جواب

देवन हारो और है, देवत है दिन रैन।
मोहि पर झूठो भ्रम धरें, तेहि से नीचे नैन ॥

دیون ہارو اور ہے دیوت ہے دن رین ۔ موہ پر جھوٹو بھرم دھریں تہن سے نیچے نین

دینے والا تو کوئی اور ہے جو دن رات دیتا ہے۔ مجھ پر جھوٹا بھرم رکھتے ہیں اس لئے آنکھیں نیچی ہیں۔

فارسی اور اردو کے بہت سے شعرا نے اس موضوعِ سخاوت پر بہت زیادہ لکھا ہے اور خوب خوب طبع آزمائی بھی کی ہے۔ مضامین بھی نئے نئے پیدا کئے ہیں جن کے اندراج کی اس مختصر میں گنجائش نہیں، اس لئے چند اشعار دونوں دوہوں کے جواب میں درج ذیل ہیں۔ مگر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اپنی نوعیت اور طرزِ ادا کی بنا پر یہ دونوں دوہے بےمثل ہیں حتیٰ کہ قافیے بھی یکساں ہیں۔

بیدل

من از مروتِ طبعِ کریم فہمیدم ۔ کہ آب گشتنِ بحر ایں قدر ز شرمِ سخاست

سخی کی طبعِ کریم کی مروت سے میں نے سمجھا کہ دریا کا اس قدر پانی پانی ہونا سخاوت کی شرم کے سبب سے ہے۔ یعنی وہ بخشش کے بعد بھی سمجھتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں دیا۔

فدائی

سخاوت پیشہ را آوازۂ بخشش غمیں دارد ۔ ازاں دریا گہر می بخشد و چیں بر جبیں دارد

اہلِ سخا کو سخاوت پیشہ کہہ کر شاعر نے معنوی خوبی پیدا کی ہے۔ کہتا ہے کہ سخی کو اپنی بخشش کی شہرت سے رنج ہوتا ہے اسی لئے دریا موتی بخشتا ہے مگر چیں بر جبیں رہتا ہے۔ موج کو چینِ جبینِ دریا

کیا اچھا کہا ہے۔ ان دونوں لفظوں میں صنعتِ تجنیس بھی ہے۔ اور جس طرح تخمیس وغیرہ میں
میں صوتی ترنّم ہے۔ اسی طرح ان میں بھی روانی و تناسب ہے۔

بندۂ بادِ بہارانم کہ از راہِ کرم   غنچہ را در آستیں پوشیدہ زر می افگند

میں تو بادِ بہار کا بندہ ہوں کہ وہ مہربانی سے غنچہ کی آستین میں چپکے سے سونا ڈال دیتی ہے۔

کریم سائلِ خود را غنی کند یک بار   دوبارہ لب نکشاید صدف ز ابرِ بہار

کریم اپنے سائل کو ایک بار ہی دولت مند کر دیتا ہے۔ سیپی ابرِ بہار سے قطرہ مانگنے کو دوبارہ منہ نہیں کھولتی

سودائے کریماں ہمہ سود ست کہ نیساں   گوہر عوضِ قطرہ ز دریا نستاند

سخیوں سے سودا کرنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ابرِ نیساں قطرے کے بدلے دریا سے موتی نہیں لیتا

بر دلِ اہلِ سخا، جود کجا بار شود   نیست بر شمع گراں نور چو بسیار شود

اہلِ سخا کے دل پر بخشش کب گراں ہوتی ہے۔ اگر روشنی زیادہ ہو تو شمع پر گرانی نہیں ہوتی۔

ہمت چو شود سلسلہ جنبانِ سخاوت   چیزے کہ بہ سائل نتواں داد جواب ست

بخشش کے لئے جب ہمت سلسلہ جنباں ہو تو جو چیز کہ سائل کو نہیں دی جا سکتی وہ جواب ہے۔

کاسۂ اہلِ کرم خالی نمی گردد ز جود   ماہِ نو شد بدر و نورِ مہرِ تاباں کم نشد

اہلِ کرم کا کاسہ سخاوت سے خالی نہیں ہوتا ہلال بدر ہو گیا مگر آفتاب کا نور کم نہ ہوا۔

پنجۂ اہلِ سخا بر جانبِ اہلِ طلب   وقتِ رفتن غنچہ و در وقتِ برگشتن گل ست

اہلِ سخاوت کا پنجہ اہلِ طلب کی جانب جاتے وقت غنچہ ہے۔ اور واپسی پر پھول۔ سبحان اللہ!

ہمتِ اہلِ کرم از تنگ دستی تنگ نیست   آبِ فوّارہ ز پستی عزم می دارد بلند

اہلِ کرم کی ہمت تنگ دستی سے کم نہیں ہوتی۔ فوارے کا پانی پستی سے بلندی کا ارادہ رکھتا ہے۔

بسائل از تواضع پیش می آید کریم اوّل | مرا این نکتہ روشن شد ز خم گردیدنِ مینا
واقف

کریم سائل کے ساتھ پہلے خود تواضع سے پیش آتا ہے۔ مجھے یہ نکتہ صراحی کے گردن جھکانے سے معلوم ہوا۔

تواضع کا طریقہ دوستو سیکھو صراحی سے | کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی
لااعلم

لیتے ہیں ثمر شاخِ ثمرور کو جھکا کر | جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ
ذوق

سخی کے پاس کچھ ہو اور نہ دے یہ غیر ممکن ہے | نہیں کرتا ہے مٹھی بند جب تک ہاتھ چلتا ہے
اسیر

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ | تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
غالب

ظاہر ہے کہ اشعارِ غالبؔ کی جس قدر شرحیں لکھی گئی ہیں اور کسی کے کلام کی نہیں لکھی گئیں۔
اس شعر میں اگر "اہلِ کرم" سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ لی جائے تو "تماشا" کے معنیٰ بہت واضح اور صحیح قرار پاتے ہیں۔ نیز "بھیس" کا لفظ بلیغ۔ یعنی اے غالبؔ اگرچہ حقیقتاً تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ اس کریمِ حقیقی کی بارگاہ کا واقعی فقیر ہو۔ بلکہ تو نے تو فقیروں کا بھیس بنا رکھا ہے۔ یہ دیکھنے کو کہ وہ اپنے فقیروں کو کس کس طرح اور کس کس قدر نوازتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ "گدھوں کو خشکہ" دے دیتا ہے۔ یہ تماشا قابلِ دید ہے۔ بقول سعدیؒ

اگر روزی بدانش بر فزودے | ز ناداں تنگ تر روزی نبودے

میں چونکہ واقعی سائل یعنی فقیر نہیں ہوں۔ اس لئے یہ تماشا دیکھ رہا ہوں اور خاطر خواہ مستفید نہیں ہوں۔

شعراء اور کویوں سے خانخاناں کے سلوک کرنے کے بہت سے واقعات ہیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔ ہری ناتھ کوی خانخاناں کا ہم عصر تھا۔ شہنشاہ جہانگیر اس سے

کسی بات پر ناخوش ہوگیا اور وہ فلاکت و افلاس کا شکار۔ لہٰذا خانخاناں کی سرکار کا رُخ کیا اور حاضر ہو کر یہ دوہا سنایا۔

रूठ गए तो रूठ लें, राजा राम रहीम ।
चिन्ता क्या हरिनाथ को, जिन्दा अभी रहीम ।।

ہری ناتھ

رُوٹھ گئے تو رُوٹھ لیں راجہ، رام، رحیم چِنتا کیا ہری ناتھ کو جِندہ ابھی رحیم

راجہ (مراد جہانگیر) اور رام اور رحیم روٹھ گئے تو روٹھ جائیں۔ ہری ناتھ کو کیا فکر۔ رحیم (مرزا خانخاناں) تو ابھی زندہ ہیں۔ پہلے مصرع میں رحیم بمعنی خدا بھی ہو سکتا ہے۔ اور بمعنی اے رحیم بھی یعنی اے رحم کرنے والے خانخاناں نے ہری ناتھ کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔ شیو ناتھ کوی بھی اُسی زمانے میں تھا وہ خبر سن کر ہری ناتھ کی تلاش میں نکلا۔ ہری ناتھ اپنے وطن جا رہا تھا۔ روپیوں کی پوٹ سر پر تھی اور اُس کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھا۔ رستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ شیو ناتھ نے اُسے یہ دوہا سنایا۔

मागन में दो ही बड़े, या हरि या हरिनाथ ।
उन बढ़ पग ऊँचो कियो, इन बढ़ि ऊँचो हाथ ।।

شیو ناتھ

مَاگَن میں دُو ہی بڑے یا ہری یا ہری ناتھ اُن بڑھ پاگ اُونچو کیواں بڑھ اُونچو ہاتھ

سب سے بڑھ کر مانگنے والے دو ہی ہوئے ہری (وشنو بھگوان) اور ہری ناتھ۔ اُنھوں نے سب سے بڑھ کر پاؤں اونچا کیا اور انھوں نے ہاتھ۔

ہری ناتھ اس دوہے سے ایسا متاثر ہوا کہ پوٹ کو چھوڑ کر ہاتھ اونچے کر لئے

وہ گری اور شیو ناتھ لے کر چلتا بنا۔[1]

ہری کو ہندو، وشنو بھگوان کہتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ وہ سادھو کے بھیس میں مہاراجہ بَلی کے دربار میں گئے۔ اور مہاراجہ کے یہ کہنے پر کہ" مانگ کیا مانگتا ہے" صرف تین قدم زمین مانگی مگر جب مہاراجہ نے ناپ لینے کی اجازت دی تو تمام دُنیا تین قدم میں ناپ ڈالی۔ شیو ناتھ نے ان کے قدم کی تعریف کی ہے۔ اور ہری ناتھ کے ہاتھ کی۔

اندازِ بیان کیسا موثر و نادر ہے۔ ہاتھ اور پاؤں کی تعریف کا تقابل۔ دونوں کے مرتبے کے لحاظ سے کس قدر بلیغ و موزوں ہے اور نام کی یکسانیت نے کیسی خوبی پیدا کر دی ہے۔

فارسی شعراء کو داد و دہش اور اُمراء کی سخاوت و استغنا کے بھی ہزاروں واقعات تذکروں کے صفحات اور تواریخ کے اوراق پر موجود ہیں۔

امیر خسرو دہلوی نے اپنی مشہور مثنوی "نہ سپہر" جب سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤالدین خلجی کے نام پر تصنیف کر کے پیش کی تو بادشاہ نے ہاتھی کے وزن کے برابر زر و نقد عطا کیا۔

فردوسی کو شاہنامہ کی تصنیف پر فی شعر ایک اشرفی دینا محمود غزنوی نے طے کیا تھا۔ اُس نے ساٹھ ہزار شعر کہے مگر صلے میں جب بجائے اشرفی روپیے پہنچے تو کھڑے کھڑے سب لٹا دیے۔ پھر محمود نے اُس کا صلہ اشرفیوں کی شکل میں بھیجا جو اُس وقت پہنچا کہ جب شہر کے ایک دروازے سے یہ خزانہ داخل ہو رہا تھا اور دوسرے سے فردوسی کا جنازہ جا رہا تھا اُس کی مستغنی و سیر چشم بیٹی نے بھی یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ" میرے باپ کو جب اس سے فائدہ نہ پہنچا اور وہ حسرت لے گیا تو میں لے کر کیا کروں گی۔

[1] جذباتِ مشرق ۱۲

محمد حسین نظیری نیشاپوری نے ایک بار عبدالرحیم خانخاناں سے کہا کہ میں نے لاکھ روپئے کا ڈھیر نہیں دیکھا۔ خانخاناں کے حکم کی دیر تھی کہ خزانچی نے لاکھ روپئے کا ڈھیر لگادیا۔ نظیری نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے آپ کی وجہ سے لاکھ روپئے دیکھ لئے۔ خانخاناں نے کہا، اتنی سی بات پر اتنی بڑی ذات کا شکریہ، جاؤ میں نے یہ روپیہ تمھیں بخشا۔ اب شکریہ ادا کرو!

مرزا محمد علی بیگ صائب نے ایران سے یہ شعر عالمگیر کے وزیر نواب جعفر خاں کو لکھ کر بھیجا تو اس نے پانچ ہزار اشرفیاں صلے میں بھیجیں:۔

صائب | دور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است　　ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند

دور افتادوں پر احسان کرنا سخاوت ہے۔ ورنہ اپنے پاؤں میں تو ہر درخت اپنا پھل ڈال ہی دیتا ہے۔

اس عنوان کے تحت چند فارسی شعراء کے خیالات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

حافظ | نظر کردن بدرویشاں بزرگی را بیفزاید　　سلیماں باہمہ حشمت نظرہا بود بر مورش

درویشوں پر مہربانی و کرم کرنا بزرگی کو بڑھاتا ہے۔ سلیمانؑ باوجود کمالِ حشمت چیونٹی کا خیال رکھتے تھے۔

لا اعلم | حفظِ دولت در پریشاں کردنِ سیم و زر است　　مدِ احساں رشتہ شیرازۂ ایں دفتر است

روپیہ پیسہ لٹانے میں دولت کی حفاظت ہے کیونکہ اس دفتر کے شیرازے کا ڈورہ احسان کی زیادتی ہے۔

طاہر وحید | بر میوۂ رسیدہ زدن سنگ ابلہی ست　　زنہار از سوال مرنجاں کریم را

پکے ہوئے پھل پر پتھر نہ مار (کیونکہ وہ تو خود ہی گرے گا اور پتھر لگے گا تو خراب ہو جائے گا)۔ یہ بیوقوفی ہے (اسی طرح) سوال کر کے سخی کو رنجیدہ نہ کر (وہ خود ہی دیدے گا)

سخی کی مفلسی اُس کے لئے کیسی مصیبت ہے۔ یہ صائب سے سنئے۔ کہتا ہے:-

صائب | بزمیں بُرد فرد خجلتِ محتاجانم | بے زری کرد بمن آنچہ بقارون زر کرد

ضرورت مندوں کی ضرورت پورا نہ کرنے سے مجھے سخت شرمندگی ہے۔ جو کچھ قارون کے ساتھ خزانے نے کیا تھا وہی میرے ساتھ مفلسی نے کیا یعنی میں خجالت سے زمین میں گڑ گیا۔

معروف | وضو کو مانگ کے پانی خجل نہ کر معروف | یہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

نعت شریف کا ایک شعر ملاحظہ ہو:-

لا اعلم | نرفت لا بزبانِ مبارکش ہرگز | مگر بأشہد ان لآ الٰہ الاّ اللہ

اُس کی زبانِ مبارک پر کبھی لا (نہیں) آیا ہی نہیں سوائے اشہد ان لآ الٰہ الاّ اللہ کے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی منقبت میں مائلِ دہلوی کا شعر ملاحظہ ہو:-

مائل دہلوی | خدا کو فکر ہے اپنے مبارک خزانے کی | خطاب دینے کو دے تو دیا غریب نوازؒ

سخی کی شرافتِ نفس کے ساتھ سائل کی کمالِ غیرت کا بھی اندازہ فرمائیے۔

تسباجے پوری | کسی کو کیا خبر اس کی کہ اُس پر کیا گذرتی ہے | شرافت جب کسی کی مانعِ اظہار ہو جائے

لطیفہ

امیر تیمور نے حافظؒ شیرازی کا جب یہ شعر سُنا:-

حافظ | اگر آں تُرکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا | بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

وہ تُرکِ شیرازی اگر ہماری دلداری کرے تو اُس کے سیاہ تل کے بدلے میں سمرقند و بخارا اُس کو دیدوں۔

تو حافظ سے کہا۔ حضرت! میں نے تو بڑی مشکلوں سے ان شہروں کو فتح کیا ہے اور آپ

ایک خال کے بدلے دے دیے ہیں! حافظ نے عرض کیا جہاں پناہ! جب ہی تو ہیں اس قدر مفلس ہوں۔ اور اپنی غلط بخشی کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔

اردو کے شعراء کی بھی کم قدر افزائیاں نہیں ہوئیں۔ صرف ایک واقعہ آزاد کی زبانی سنئے اور دوسرا سر سلیمان کی۔

"جب آصف الدولہ مرگئے سعادت علی خاں کا دور ہوا۔ تو یہ (میر) دربار چھوڑ چکے تھے۔ وہاں کسی نے طلب نہ کیا۔ ایک دن نواب کی سواری جاتی تھی۔ یہ تحسین کی مسجد پر سرِراہ بیٹھے تھے۔ سواری سامنے آئی سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میر صاحب اُسی طرح بیٹھے رہے۔ سید انشا خواصی میں بیٹھے تھے، نواب نے پوچھا کہ انشا یہ کون شخص ہے؟ جس کی تمکنت نے اسے اُٹھنے بھی نہیں دیا۔ عرض کی۔ جنابِ عالی! یہ وہی گدائے متکبر ہے جس کا ذکر حضور میں اکثر آیا ہے۔ گذارے کا وہ حال اور مزاج کا یہ عالم۔ آج بھی فاقے ہی سے ہوگا! سعادت علی خاں نے آکر خلعتِ بحالی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھجوایا۔ جب چوبدار لے کر گیا۔ میر صاحب نے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ مسجد میں بھجوا دے۔ یہ گنہگار اتنا محتاج نہیں۔ سعادت علی خاں جواب سُن کر متعجب ہوئے۔ مصاحبوں نے پھر سمجھایا۔ غرض نواب کے حکم سے سید انشا خلعت لے کر گئے۔ اور اپنی طرز پر سمجھایا کہ نہ اپنے حال پر بلکہ عیال پر رحم کیجئے اور بادشاہِ وقت کا ہدیہ ہے اسے قبول فرمائیے۔ میر صاحب نے کہا کہ صاحب! وہ اپنے ملک کے بادشاہ ہیں، میں اپنے ملک کا بادشاہ ہوں۔ کوئی ناواقف اس طرح پیش آتا تو مجھے شکایت نہ تھی، وہ مجھ سے واقف میرے حال سے واقف اس پر اتنے دنوں کے بعد ایک ذلیل روپیہ دے کر خدمتگار کے

خلعت بھیجا۔ مجھے اپنا فقر و فاقہ قبول ہے۔ مگر یہ ذلت نہیں اٹھائی جاتی۔ سید انشا کی لسانی اور لفاظی کے سامنے کس کی بات پیش جا سکتی۔ میر صاحب نے قبول فرمایا اور دربار میں بھی کبھی کبھی جانے لگے۔ نواب سعادت علی خاں مرحوم اُن کی ایسی خاطر کرتے تھے کہ اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے تھے اور اپنا پیچوان پینے کو عنایت فرماتے تھے۔

(آبِ حیات)

"یہ قصیدہ بھی عید کے دربار کے لئے تصنیف ہوا تھا اور ممدوح (بہادر شاہ) نے اس کو غیر معمولی پسندیدگی کا شرف عطا فرمایا تھا۔ یعنی علاوہ خلعتِ معمولی کے ایک گاؤں جاگیر میں بخشا تھا۔"

مطلع

شب کو میں اپنے سرِ بسترِ خوابِ راحت　　نشۂ علم میں سرمستِ غرور و نخوت

(قصائدِ ذوق)

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب شاہِ دہلی شاہِ شطرنج سے زیادہ نہ تھا۔

سخاوت کی مدح بخل کی مذمت میں بھی اسی ذیل میں چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

بُخل

ہادی　　دنیا داراں صلائے احساں ندہند　　جز حالتِ تپ ناں بفقیراں ندہند
　　این طائفہ سوختنی ہیچو تنور　　تا گرم نگردند بکس ناں ندہند

دنیادار احسانِ عام نہیں کرتے سوائے حالتِ بخار فقیروں کو روٹی تک نہیں دیتے۔ یہ جلائے جانے کے قابل

گروہ تنور کی مانند ہے کہ جب تک گرم نہ کیا جائے کسی کو روٹی نہیں دیتا۔

شوکت

فغاں بدستِ بخیلاں کہ خونِ ایں مردم   اگر حناست بدستے نمی دہد رنگے

بخیلوں سے فریاد کہ اس قوم کا خون اگر مہندی بھی ہو تو کسی کے ہاتھ کو رنگ نہیں دے سکتا۔

اکبر

سیٹھ جی کو فکر تھی اِک اِک کے دس دس کیجئے   موت آ پہونچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

لاعلم

گھٹتی ہے طبعِ سخی کو دیکھ کر طبعِ بخیل   موت تھی قارون کی ہوتا اگر حاتم کے پاس

دیئے کا اُجالا

दीया जग में चांदना, दीया घर घर वास ।
दीया है जो देख ले, दीया तेरे पास ॥

لاعلم

دِیا جگ میں چاندنا دیا گھر گھر باس   دِیا ہے جو، دیکھ لے دِیا تیرے پاس

اس میں لفظ "دیا" اور "جو" سے خوب کام لیا ہے۔ صنعت ایہام کو بہت اچھا ظاہر کیا ہے۔ یعنی۔ چراغ سے گھر میں اُجالا ہوتا ہے اس لئے ہر گھر میں چراغ جلنا چاہیے۔ تیرے پاس چراغ موجود ہے اُس کو (جو) جلا کر جو کچھ دیکھنا چاہتا ہے دیکھ لے۔ دوسرے معنی :۔

"دیا" دے ہوئے یعنی بخشش سے گھر میں برکت کی روشنی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر گھر میں بخشش کا دستور ہونا چاہیئے۔ تو نے جو کچھ بخشش کی ہے۔ وہ تیرے پاس موجود ہے۔ دیکھ لے۔ گھر کے لفظ سے صنعت تکریر بھی ظاہر ہے۔ اور "گھر گھر باس" کے یہ بھی معنی ہیں کہ سخاوت کے چرچے ہر جگہ ہوتے ہیں۔

فارسی کا شاعر کہتا ہے :۔

اے بلی جاہل گماں داری کہ دنیا مال تست — غافلی غافل نمی دانی چہ در دنبال تست

آنچہ خوردی رزق موراں آنچہ بردی مشت خاک — آنچہ می ماند ز یاراں آنچہ دادی مال تست

او سخت جاہل ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ دنیا تیرا مال ہے اور بیحد غافل ہے کیونکہ تجھے خبر نہیں کہ تیرے پیچھے کون (موت) ہے جو کچھ تونے کھایا چیونٹیوں کا رزق ہے اور جو کچھ لے چلا مٹھی بھر خاک ہے۔ جو بچھ رہا یار لوگوں کا ہے۔ البتہ جو کچھ دے گیا تیرا مال ہے۔

نیک بخت آں کسے کہ داد و بخورد — شور بخت آنکہ او نخورد و نداد

خوش نصیب وہ ہے جس نے کھایا اور دیا (خیرات کیا) اور بدبخت وہ کہ جس نے نہ کھایا نہ دیا۔

بنوش و بپوش و ببخش و بدہ — برائے دگر روز چیزے منہ

کھا، پہن، بخشش کر اور دے ڈال۔ دوسرے دن کے لئے کچھ نہ رکھ۔

ناگہاں بانگے بر آمد خواجہ مرد — خوردہ خورد و ماندہ ماند و دادہ برد

ناگہاں آواز آئی کہ فلاں مالدار شخص مرگیا (لہذا اس نے) جو کچھ کھایا کھایا۔ جو کچھ رہ گیا رہ گیا اور جو کچھ دے گیا لے گیا۔

دیا ساتھ اس نے اور اچھا دیا — جہاں مجھ کو جانا تھا پہنچا دیا

دیے کی مرے روشنی نے مجھے

نہ عیش کے خسروی رہے گا نہ صولت بہمنی رہے گی

رہے گی اے منعموں تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہے گی

اسی مضمون کا ایک دوہا اور ملاحظہ ہو:-

दीया दीया सब कोइ कहै, दिया करो सब कोय।
घर में रखा न पाइये, जो कर दिया न होय ॥

لا اعلم — دِیا دِیا سب کوئی کہیں دیا کرو سب کوئے — گھر میں رکھا نہ پایئے جو کر دیا نہ ہوئے

یہ تو سب کہتے ہیں کہ دیا۔ یعنی فلاں شخص نے ایسی بخشش کی۔ مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں جس طرح کہ بغیر دیئے یعنی چراغ کے اندھیرے گھر میں کچھ نہیں ملتا۔ لہٰذا ہر شخص کو بخشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اپنے ہی دیئے کی روشنی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس دوہے میں لفظ "کر" بمعنی ہاتھ۔ خوب ہے۔ کیونکہ ہاتھ ہی میں چراغ لے کر کچھ تلاش کیا جاتا ہے۔ اور ہاتھ ہی سے بخشش کی جاتی ہے۔

سعدی — نماند حاتمِ طائی و لیک تا بہ ابد — بماند نام بلندش بہ نیکوئی مشہور
زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلۂ رز را — چو باغباں بزند بیشتر دہد انگور

حاتم طائی نہ رہا لیکن قیامت تک کے لئے اُس کا نام نیک مشہور ہو گیا (اُس کی سخاوت کے سبب سے) مال کی زکوٰۃ ضرور دے (تاکہ وہ بڑھے) باغبان جب انگور کی بیل چھانٹ دیتا ہے (فالتو شاخیں کاٹ دیتا ہے) تو وہ انگور زیادہ دیتی ہے۔

واعظ — درختِ کرم ہر کجا بیخ کرد — گذشت از فلک شاخ و بالائے او
گر امید داری کزو بر خوری — بمنت منہ ارّہ بر پائے او

بخشش کا درخت جہاں بھی اُگا اُس کی شاخیں اور قد (تنہ) آسمان سے گذر گیا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس کا پھل کھائے تو احسان جتانے کا آرہ اُس کی جڑ پر نہ چلا۔

سعدی نے احسان جتانے کو آرہ خوب کہا ہے۔ گویا درختِ کرم کا وجود ہی نہیں رہتا

سعدی — دست و دل باید فراخ از جود صاحب مال را　　تنگ چشمی میکند سرگشتہ ہر غربال را

صاحبِ مال کا دل اور ہاتھ بخشش میں فراخ ہونا چاہیئے۔ ہر چھلنی کو تنگ چشمی چکر میں رکھتی ہے۔

لا اعلم — دوست کی دوست زمانے میں خبر رکھتے ہیں　　دل محبت کا تو آفت کی نظر رکھتے ہیں

ہاں! خیالِ غربا صاحبِ زر رکھتے ہیں　　فیض انھیں سے ہے جو اشجار ثمر رکھتے ہیں

جو دلی ہیں کفِ افسوس بھی ملتے ہیں وہی

جن میں ہے بوئے سخا پھولتے پھلتے ہیں وہی

देह खेह हो जायगी, फिर कौन कहेगा देह।
निश्चय कर उपकार ही, जीवन का फल एह॥

کبیر — دیہ کھیہ ہو جائے گی پھر کون کہے گا دیہہ　　نشچے کر اپکار ہی جیون کا پھل یہہ

اِس دوہے میں بھی صنعتِ "ایہام" خوب ہے۔ "دیہہ" بمعنی جسم اور بمعنی "دے"، یعنی جسم جب خاک ہو جائے گا تو جسم کون کہے گا یا کون کہے گا کہ "کچھ دے"۔ زندگی کا ماحصل ہی یہ ہے کہ نیکی ضرور کرو

غلام علی آزاد — چو خورشیدِ قیامت از گریباں بروں آرد　　کفِ محتاج گردو سایباں بر سر کریماں را

قیامت کے دن جب آفتاب نکلے گا تو محتاج کی ہتھیلی سخی کے سر پر سائبان ہو گی۔

امیر مینائی — سخی کا دل ہے ٹھنڈا گرمیِ روزِ قیامت میں　　کہ سر پر چترِ رحمت سایۂ دامانِ سائل ہے

آتش — باراں کی طرح لطف و کرم عام کئے جا　　آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کئے جا

———

ذلّتِ سُوال

ہر مذہب و ملت میں بھیک مانگنا برا سمجھا گیا ہے۔ اور خلافِ عزت و آبرو تسلیم کیا گیا ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلعم نے تو فرمایا ہے اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ۔ بھیک مانگنا دونوں جہان کی روسیاہی ہے۔ مرزا مائل دہلوی نے خوب کہا ہے:-

مائل
واللہ دشمنی ہے بڑی آبرو کے ساتھ　　جانا کسی کے در پہ کسی آرزو کے ساتھ

مبینِ جمالی نارنولی نے اِس خیال کو دوسرے انداز میں اور بلند کر کے لطیف طنز میں ظاہر کیا ہے۔

مبین
شکایت کسی کی نہ ہو جائے زاہد　　مُناجات پہلو بدلتے بدلتے

سرور احمد توقیر نے سائل کے ساتھ مسئول کو بھی لپیٹ لیا ہے۔

توقیر
سمجھو نہ تم ذلیل مجھے عرضِ حال پر　　ذلت سوا ہے اس سے بھی ردِ سوال میں

کبیر نے کیسا خوب صورت خیال ظاہر کیا ہے۔ کہتا ہے:-

आव गई आदर गया, नैनन गया सनेह ।
यह तीनों तब ही गए, जबहि कहा कछु देह ॥

کبیر
آب گئی آدر گیا نینن گیا سنیہہ　　یہ تینوں تب ہی گئے جب ہی کہا کچھ دیہہ

آبرو، وقعت اور آنکھوں کی شرم تینوں اسی وقت جاتی رہیں جب کسی سے کچھ مانگا

غنی
تا رزق خود رسد بدہانت چو آسیا　　دائم خموش دار زبانِ سوال را

اپنی زبان سوال سے اُس وقت تک بند رکھ کر جکّی کی طرح تیرا رزق تیرے منھ میں پہنچ جائے۔

دلہ
لبِ سوال غنی پیشِ ممسکاں مکشا — کہ ترسم از دہنت لقمۂ زبان گیرند

غنیؔ سوال کے لئے کنجوسوں کے سامنے لب نہ کھول کیونکہ اندیشہ ہے کہ تیرے منھ سے (تری) زبان کا لقمہ (اور) نہ چھین لیں۔ تخلّص سے بھی شاعر نے خوب کام لیا ہے۔

لااعلم
یکبار آبروئے زروئے کہ ریخت ریخت — از برگ گل دوبارہ کہ آرد گلاب را

جس کی آبرو ایک بار جاتی رہی جاتی رہی۔ گُل سے دوبارہ گلاب کب نکلتا ہے۔

کلیم
شکارِ نعمتِ دُنیا نمی شود قانع — بلے، زدانہ فشانی کسے ہماں گیرد

قانع دنیا کی نعمت کا شکار نہیں ہوتا۔ سچ ہے ہُما کو دانہ بکھیر کے کس نے پکڑا ہے!

لااعلم
ندارد چشمِ احساں از خسیساں ہمّتِ قانع — محال است استخواں را از دہانِ سگ ہُما گیرد

کنک (اعلیٰ درجہ کا خسیس) لوگوں سے کوئی صاحبِ قناعت احسان کی امید نہیں رکھتا۔ ممکن نہیں کہ ہما کُتّے کے منھ سے ہڈّی لے لے۔

انیس
نہ پھیلا یو ہاتھ ہرگز انیس — فقیری میں بھی دل تو نگر رہے

شور
جیتے ہیں آبرو سے تو مرتے ہیں بات پر — ہم خاک ڈال دیتے ہیں آبِ حیات پر

آتش لکھنوی
صحبتِ اہلِ دُوَل سے ہمیں رغبت ہی نہیں — ہاتھ پھیلائیں کہیں جا کے یہ عادت ہی نہیں

سودا
مجھ گدانے بھی کسی شاہ سے ڈالا نہ سوال — گو مجھے بخت نے دارا و سکندر نہ کیا

आव नही आदर नहीं, नहीं नैनन में नेह ।
तुलसी त्रा घर न जाइये, कंचन बरसे मेह ।।

تلسی　آؤ نہیں آدر نہیں، نہیں نین میں نیہ　　تلسی دا گھر نئے جائیے کنچن برسے مینہ

جہاں خاطر مدارات عزت اور نہ ہو اور آنکھ میں شرم و لحاظ نہ ہو تلسی وہاں نہ جا چاہے وہاں دھن ہی برسے

لاا علم　بے نیازاں را ز حفظِ آبرو آمادہ است　　انچہ خضر از چشمۂ آبِ بقا دارد اُمید

خضر علیہ السلام آبِ حیات کے چشمہ سے جو کچھ توقع رکھتے ہیں وہ بے نیاز لوگوں کو حفظِ آبرو سے حاصل ہے

عرفی　اقبالِ کرم می گزد اربابِ ہمم را　　ہمت نخورد نیشترِ لا و نعم را

اہلِ ہمت کو احسان اٹھانا تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ ہمت "ہاں" اور "نہیں" کا نشتر برداشت نہیں کر سکتی۔

ولہٗ　عرفی تو میندیش ز غوغائے رقیباں　　آوازِ سگاں کم نکند رزقِ گدارا

عرفی مخالفین کے شور و غل کا اندیشہ نہ کر۔ فقیر کا رزق کتوں کے بھونکنے سے کم نہیں ہوتا۔ مخالفین کو شاعر نے کس خوبی سے کتا کہا ہے۔

لاا علم　از حباب آموخت ہمت راکہ با صد احتیاج　　خالی از دریا بروں آرد سبوئے خویش را

ہمت کا سبق حباب سے سیکھنا چاہئے کہ سیکڑوں ضرورت کے باوجود دریا سے اپنا پیالہ خالی لاتا ہے۔

غنی　سیلے نہ خوری تاز کفِ دستِ زمانہ　　چوں مہرۂ شطرنج مرو خانہ بخانہ

اگر تو زمانے کے ہاتھ سے پٹنا نہیں چاہتا ہے تو مہرۂ شطرنج کی طرح در بدر نہ پھر۔

واعظ　با خستے کہ لازمِ اربابِ دولت است　　دشنام می دہند بسائل غنیمت است

کنجوسی اہلِ دولت کا خاصہ ہے۔ لہٰذا وہ اگر سائل کو گالی بھی دے دیتے ہیں تو غنیمت ہے۔

لاا علم　پوچھنے والا جہاں کوئی نہ ہو　　اُس جگہ کیا آئے کیا جائے

مؤلف　جب سُنی جائے نہ فریاد تو فریاد نہ کر　　عزتِ نفس بڑی چیز ہے برباد نہ کر

شہدی	ہوں گدا پر موت سے بدتر سمجھتا ہوں سوال	بے کفن گڑتا نہ میں سلطاں سے خلعت مانگتا
نظر	جب نہ ہوں اہلِ نظر کیا قدرِ جوہرائے نظر	آئینہ میں کور کو آئے تو کیا آئے نظر
مؤلف	طلب ہے کفر طلب کا ہو کیوں خیال مجھے	کہ دو جہان دئے اُس نے بے سوال مجھے
مائل	نہ مانگ زاہدِ ناداں ذرا سمجھ تو سہی	شکایتیں ہیں یہ کس کی دُعا کے پردے میں
غالب	دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا	یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
سراج لکھنوی	کچھ اور مانگنا مرے مذہب میں کفر ہے	لا اپنا ہاتھ دے مرے دستِ سوال میں

باب سوم

ع محبوب و محبّ و حُسن و اُلفت

ہر زبان میں حُسن و عشق شاعری کا موضوعِ خاص رہا ہے جو صنفِ غزل کی جان اور قبولیتِ عام کا ایمان ہے۔ نیز سلاست و حلاوتِ زبان اور نُدرت و جدّتِ بیان اُس کی خاص شان ہے۔ اس باب میں ہندی شاعری کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ چونکہ اظہارِ عشق بالعموم صنفِ نازک کی جانب سے ہوتا ہے لہذا برج بھاشا کی قدرتی شیریں بنی اور لوچ کو عورت کا لب و لہجہ لطیف ترین بنا دیتا ہے۔ اسی لئے اُس کی اثرانگیزی و کیف آفرینی مئے دو آتشہ کا حکم رکھتی ہے۔

کویوں نے بھی اپنا کمال ظاہر کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔ اس طرح کہ مرد ہوتے ہوئے عورت کے صحیح جذباتِ اُلفت کو اس انداز، اس ترکیب، اس لہجہ اور اس صداقت سے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اگر کوی کا نام معلوم نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ عورت ہی کا بیان ہے اور اُسی کی زبان۔ اور جہاں اظہارِ تعشّق صنفِ قوی کی جانب سے ہے۔ وہاں اُن نازک ترین پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ جو صنفِ نازک پر کسی بھی نوعیت سے ذرا بھی گراں نہ ہوں۔ اور دلکشی و دل نشینی کے لحاظ سے کامیاب رہیں۔

فارسی اور اُردو کے اشعار کی طرح ایک دوہے میں بڑے بڑے مضامین کا شاعرانہ انداز اور شاعری کی خصوصیات کو برقرار بلکہ روشن کرتے ہوئے اس طرح ادا کرنا کہ مختلف صنائع و بدائع کے علاوہ اُن کے جزئیات تک کی جھلک نظر آجائے۔ کویوں کا کمال بالائے کمال ہے۔

فارسی شاعری نے بھی اپنے مخصوص رنگ، ماحول، معاشرت، تمدن اور مذاقِ وقت کے پیشِ نظر صنفِ غزل کو بھی معراجِ کمال کو پہنچا دیا۔ اُس کے تعشّق کو کہنے کو غیر فطری کہہ لیجئے مگر اُن جملہ حالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے جن میں اُن کا آغاز ہوا اور ترقی پائی اور جن منازلِ مجاز و حقیقت سے اُسے گزرنا پڑا غور و خوض کے بعد انصاف کیا جائے تو گنجائشِ اعتراض مطلق نہیں پائی جاتی۔ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ بالاختصار مشتے نمونہ از خروارے۔ یہ کہ اُردو اور ہندی کی طرح فارسی میں تذکیر و تانیث کے صیغے جُدا نہیں۔ نسوانی خصوصیات کا اظہار مانع حیا و شرافت اور اپنے گھر کی بات ظاہر کرنا خلافِ ادبِ

ثقاہت سمجھی جاتی تھی۔ تا بدیگرے چہ رسد۔ نفسِ موضوع کا جہاں تک تعلق ہے۔ فارسی کی شیرینی، زورِ بیان، لطافتِ زبان، اسلوبِ کلام، نکتہ آفرینی، وسعتِ معنوی اور طرزِ فکر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اُس میں تیغِ آبدار کی سی روانی بھی ہے اور فصلِ بہار کی سی رنگینی بھی۔

اُردو پر فارسی کا اثر زیادہ، اور ہندی کا بہت کم ہے۔ مگر معاشقہ میں وہ کسی کی مقلد نہیں۔ اُس میں بالعموم مرد عاشق اور عورت معشوق مانی جاتی ہے۔ البتہ قدما و متوسطین نے فارسی کی روش اختیار کی۔ مگر متاخرین کے دور میں یہ مسئلہ واضح طور پر حل ہو چکا۔ پھر بھی فارسی کا اتباع ہے تو اُسی حد تک کہ جتنا ریختی کی بنا پر ہندی کا تتبع۔ بہرحال اب اُردو ایک جداگانہ زبان ہے اور اُس کا بالکل علحدہ اندازِ فکر و بیان۔

اُردو نے جس طرح الفاظ کا سرمایہ مختلف زبانوں کے خزائن سے حاصل کیا ہے۔ اسی طرح اُس کی شاعری اور خاص کر غزل اور دیگر مضامینِ حُسن و عشق، خواہ مجازی ہوں یا حقیقی اپنی رنگا رنگی کی نظیر آپ ہیں۔ اُن کا گہرا تعلق مقامی حالات، موسمی انقلابات اور طرزِ معاشرت سے بھی ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی سے بھی۔

اُردو اپنی مقبولیتِ عام۔ لوچ۔ لچک۔ سلاست۔ روانی۔ الفاظ کی تراش خراش اور وسیع المشربی کی بنا پر دنیا کی ادبی صفوں میں اپنا مقامِ امتیاز حاصل کر چکی ہے اور اُس کی شُستگی حدودِ شستگیّت میں دخل پا چکی۔

وہ اپنی کم سنی کے باوجود فنِ سخن کا سرمایہ اس قدر فراہم کر چکی ہے کہ دوسروں کو بھی دے سکے۔ الحاصل کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی ایک زبان کی شاعری کو دوسری زبان کی شاعری پر ترجیح دے۔ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است، لہذا ہر سہ زبان کے کچھ جواہر پارے متعلقِ حُسن و عشق ملاحظہ فرمایئے:۔

جبینِ حسین

मिल चन्दन विन्दी रही, गोरे मुख न लखाय ।
ज्यूं ज्यूं मद लाली चढ़े, त्यूं त्यूं उभरत जाय ।।

بہاری — مِل چندن بِندی رہی گورے مُکھ نہ لکھائے — جیوں جیوں مدلالی چڑھے تیوں تیوں اُبھرت جائے

معشوق کے گورے چہرے پر سفید صندل کا قشقہ نظر ہی نہیں آتا۔ مگر جوں جوں شباب کی سُرخی چڑھتی ہے ویسے ویسے وہ اُبھرتا جاتا ہے۔

قزلباش خان امید — کشید قشقہ بہ پیشانی آں بتِ طناز — کہ می کنند ز شنجرف لوحِ قرآں سُرخ

اس بتِ طناز کی پیشانی پر قشقہ ایسا ہے جیسے لوحِ قرآن کو شنگرف سے سُرخ کرتے ہیں۔

حُسین شہیدی — ترا خالے کہ اے مہ بر جبیں است — نشانِ کفر در کعبہ ہمیں است

تیری جبیں پر جو تل ہے۔ کعبہ میں کفر کا نشان یہی ہے۔

لا اعلم — شد ز عکسِ جمالِ پیشانی — قشقۂ سُرخِ یار نورانی

حُسنِ پیشانی کے عکس سے یار کا سُرخ قشقہ بھی نورانی ہو گیا۔

مندرجہ ذیل شعر اگرچہ موضوع سے ہٹا ہوا ہے مگر ہے بہت خوب اس لئے درج کیا جاتا ہے:-

غنی
حُسنِ سبزے بخطِ سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

فارسی شاعری کی خصوصیتِ عشق اس شعر سے ظاہر ہے۔ یعنی اس کے حُسنِ سبزہ نے مجھے اس زمانے میں اسیر کر لیا جب میرا بھی سبزہ آغاز تھا۔ چونکہ جال زمین کے ہمرنگ تھا اس لئے میں گرفتار ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ مرزا صائب اصفہانی اس شعر کے بدلے اپنا تمام کلام دینے کو تیار تھا۔

ساجد اسدی
پیشانیِ دلدار کا دیکھا بھی تماشا الماس کی تختی میں ہے یاقوت کا نقطہ

پیشانی کو الماس کی تختی خوب کہا ہے۔ اور یاقوت نامی ایک مشہور و باکمال خوشنویس بھی ہوا ہے لہذا یاقوت کا نقطہ صنعتِ ابہام بھی ظاہر کرتا ہے۔

ساجد
لگایا ہے تلک کافر نے پیشانیِ تاباں پر الف اللہ کا لکھا ہے اس نے لوحِ قرآں پر

〃
قطرۂ شبنم ہو جیسے گل کی پتی پر عیاں ہے اسی صورت سے پیشانی پہ بندی کا نشاں

مائل
قشقہ جبینِ یار پہ کھینچا جو یار نے دو مسجدوں کے بیچ میں میخانہ بن گیا

خلوتخانۂ چشم

कबिरा काजल रेख द्रग, उनमें दई न जाय ।
जिन नैनन मे पी बसे, दूजा कौन समाय ।।

کبیر
کبیرا کاجل ریکھ درگ اُن میں دئی نہ جائے جِن نینن میں پی بسے دُوجا کہاں سمائے

آنکھوں کی کوٹھری میں پتلیوں کا پلنگ بچھا کر اور پلکوں کی چق ڈال کر میں نے اپنے پریتم کو رجھا لیا۔

آذری　حریمِ خلوتِ دل راز غیرِ دوست خالی کن　　که سلطاں در حرم می باید و خیل و حشم بیروں

دل کے خلوت خانے کو دوست کے لئے غیروں سے خالی کر کیونکہ بادشاہ محل میں رہنا چاہئے اور نوکر چاکر باہر

تصویر دہلوی　کچھ ہوش نہیں رہتا کچھ دھیان نہیں رہتا　　انسان محبت میں انسان نہیں رہتا

مومن　تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ओ—प्यारे नैन मे, मूंद पलक तोहि लेउं ।
ना मैं देखूं और को, ना तोहि देखन देउं ॥

کبیر　او پیارے نین میں مونْد پلک توُ ہے لیوں　　نا ہِ دیکھوں اور کو نا توہے دیکھن دیوں

اے پیارے میری آنکھوں میں آجا پلکوں سے آنکھیں بند کر کے تجھے چھپا لوں نہ میں کسی اور کو دیکھوں نہ تجھے کسی اور کو دیکھنے دوں۔

آذری　بیا بنشیں بچشمم تا ز مژگانم بپوشانم　　من و تو بے نیازِ جلوۂ غیراں تواں باید

آ میری آنکھوں میں بیٹھ جا تاکہ پلکوں سے تجھے چھپا لوں؟ مجھے اور تجھے غیروں کے جلوے سے بے نیاز ہونا چاہئے۔

لا اعلم　جاناں بیا در چشمِ من تا چشم را برہم زنم　　ہرگز نہ بینم کس دگر نے کس ترا دیدن دہم

میری آنکھوں میں اے دوست آجا تاکہ میں آنکھیں بند کر لوں۔ نہ میں کسی کو دیکھوں نہ تجھے کسی کو دیکھنے دوں

حافظ　رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست　　کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

میری آنکھ کے منظر کا چھجہ تیرا آشیانہ ہے مہربانی کر اور تشریف لا کہ یہ گھر تیرا ہی گھر ہے۔

دل میں ہمارے اک صنم پردہ دار ہے — آئے خیالِ غیر تو پردہ پکار کے — آصف

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں — مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں — داغ

قیس مجنوں سہی لیکن کبھی لیلیٰ کو صبا — خانۂ دل سے کہیں اُس نے نکلنے نہ دیا — صبا

وہ جو ہیں پردہ نشیں کاش یہیں ہو جائے — پردۂ در ہو مری آنکھ کا پردہ اُن کا — حشر سعید آبادی

نہ نکلی دل کے پردے سے کوئی صورت کسی صورت — کسی پردہ نشیں کی یاد بھی پردہ نشیں نکلی — ساقی جے پوری

مری آنکھیں اُسی جلوے کو لے کر بند ہو جائیں — الٰہی جب ترے محبوب کا دیدار ہو جائے — افضل جے پوری

پیرانِ طریقت سے تو کھٹکا ہے مجھے اور — آنکھوں کو کیے بند یہ کیا دیکھ رہے ہیں — مائل

نرگسِ زنگار رنگ

अमिय हलाहल मद भरे, स्वेत स्याम रतनार ।
जियत मरत झुकि झुकि परत, जेहि चितवत इकबार ॥

اَمِیۓ ہلاہل مد بھرے سوِت شیام رتنار — جیئت مرت جھک جھک پرت جِہ ہی چِتوت اِکبار — بہاری

یہ دوہا بہاری کی ست سئی کے دوہوں میں سے ہے۔ جن سات سَو دوہوں پر سات سَو اشرفی مہاراجہ جے سنگھ دوم والی آمیر (جے پور) نے اُس کو دی تھیں۔ دوہا جتنا نفیس و بلند مرتبہ ہے اتنا ہی مقبول و مشہور بھی ہے۔ کہتا ہے کہ معشوق کی آنکھیں آبِ حیات بھی ہیں، سمِ قاتل بھی، نشۂ شراب سے چور بھی۔ وہ سفید بھی ہیں سیاہ بھی اور سُرخ بھی۔ جو کوئی اُنھیں دیکھ لیتا ہے۔ وہ جیتا بھی ہے مر بھی جاتا ہے اور گر گر بھی پڑتا ہے۔ یہ اثر صرف ایک بار کے دیکھنے سے ہو جاتا

ہے۔کوی نے صنعتِ تضاد اور لف و نشرِ مرتب کا اظہار بھی خوب کیا ہے۔
کسی فارسی شاعر نے شاید اسی وجہ سے کا چربہ اپنے حسبِ ذیل شعر میں اُتارا ہے۔مگر دوبارہ اور
بھرپور صاف طور پر نظر آتا ہے۔

لاعلم | سوادش سم، بیاض آبِ بقا، سرخیش مے احمر | بمُردم، زیستم، بیخود شدم زاں نرگسِ مستے
اُس کی سیاہی زہر، سفیدی آبِ حیات، سُرخی شرابِ احمر۔ لہٰذا میں مرگیا۔جی اُٹھا۔بیخود ہوگیا۔اُسی نرگسِ مست
(آنکھ) سے البتہ اس سلسلہ میں ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمایئے :۔

جامی | ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ می شود | آئینہ خانہ از تو پری خانہ می شود
تیرا چہرہ جس نے دیکھا دیوانہ ہوگیا۔تیری وجہ سے آئینہ خانہ پری خانہ ہوجاتا ہے۔

لاعلم | خود مست و غمزہ مست و دو چشمِ سیاہ مست | بیچارہ دل چہ چارہ کند با سہ چار مست
وہ خود بھی مست، غمزہ بھی مست اور دونوں آنکھیں بھی خوب مست دل بیچارہ تین چار مستوں سے کیسے نمٹے۔

لاعلم | مے پرستی، زاہدی، شوخی، حیا، بیگانگی | از کجا دارد نگاہش تا کجا بیگانگی
شراب خواری، پارسائی، شوخی، حیا اور بیگانگی۔اُس کی نگاہوں سے کہاں تک بیگانگی رکھتی ہے۔

لاعلم | مزہ برسات کا چاہو تو بیٹھو میری آنکھوں میں | سیاہی ہے، سفیدی ہے، شفق ہے ابرِ باراں ہے
داغ | ابر تھا، بجلی بھی، سورج زیرِ کوہِ قاف تھا | زلفِ شب گوں رُخ سے سرکائی تو مطلع صاف تھا
امیر | یار اُدھر بدمست میں بیخود تکلف برطرف | ایسی صحبت میں جو ہوش آتا تو کیا دیوانہ تھا
تسنیم | گھٹا، تم، رعد، افغاں، آنکھ بدلی آہ دل بجلی | جو وہ اُمڈی تو یہ کڑکی جو وہ برسی تو یہ چمکی

اس شعر میں بھی لف و نشرِ مرتب بڑی خوبی سے ظاہر کی گئی ہے۔

آفت کی سفیدی ہے قیامت کی سیاہی نیرنگِ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں — آسیر

इक तौ नैंना मद भरे, दूजे अंजन सार।
अरे बावरे क्यूं देत है, मतवारन हथियार॥

ایک تو نیناں مدھ بھرے دوجے انجن سار اَرے باوَرے کیوں دیت ہے متوارن ہتھیار — لاعلم

ایک تو آنکھیں پہلے ہی نشیلی ہیں پھر اُن میں سُرمہ اور لگایا جاتا ہے ارے نادان متوالوں کو ہتھیار کیوں دیتا ہے

چشمت ز خنجرِ مژہ عالم تباہ کرد کس خنجرِ بُرندہ بہ مستے چناں دہد — ظہیر فاریابی

تیری آنکھ نے پلک کے خنجر سے زمانے کو تباہ کر دیا۔ اس طرح بھی خنجرِ بُراں کوئی مست کو دیتا ہے۔

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بیجاں ہوں گے — مومن

ان رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے دو زہر کے پیالوں میں قضا کھیل رہی ہے — اختر شیرانی

قتیلِ ابرو و مژگاں جدھر ہو کر نکلتے ہیں کہیں کھنچتی ہیں تلواریں کہیں خنجر نکلتے ہیں — مائل

कहत सबै कवि कमल में मत नैन पषान्‌।
नतरक कत इन विय लगत, उपजत विरह कृसानु॥

کہت سوے کوی کمل میں مت نین پشانُو نترک کت ان بِے لگت اُپجت برہ کرشانُو — بہاری

سب شاعر آنکھوں کو کنول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مگر وہ تو پتھر ہیں۔ ورنہ جب وہ ملتی ہیں تو آپس کی رگڑ سے پتھر کی طرح محبت کی آگ کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا خوب نکتہ آفرینی ہے۔

سُرخیِ چشمِ من از گریہ نباشد فائق آفتابے ز نظر رفت و شفق باقی ماند — فائق

اے فائق میری آنکھ کی سُرخی رونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک آفتاب نظر سے اوجھل ہو گیا ہے اور شفق باقی ہے

جامی
پنداری کہ چشمش رسمِ عیاری نمی داند　　نماید آنچناں خود را کہ پنداری نمی داند
یہ نہ سمجھ کر اُس کی آنکھ عیاری نہیں جانتی (ضرور جانتی ہے) مگر اپنے کو ایسا ظاہر کرتی ہے کہ تو جانے وہ کچھ نہیں جانتی۔

میر محبوب علیخاں آصف نظام دکن
پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور،　　کس کو دعویٰ ہے پارسائی کا

لا اعلم
آنکھیں پتھرا گئیں تس پر نکل آئے آنسو　　واہ رے طاقتِ ہجراں کہ نچوڑے پتھر

बाल कहा लाली भई, लोइन कोइन माँह ।
लाल तुम्हारे दृगनु की, परी दृगनु में छाँह ।।

بہاری
بال کہا لالی بھی۔ لُوہوں کوئیں مانھ　　لال تمھارے درگنوں کی پڑی دُرگن ہیں چھانھ
(سری کرشن جی نے ایک گوپی سے پوچھا) تمھاری آنکھیں سُرخ کیوں ہیں۔ (اُس نے جواب دیا) آپ کی مخمور آنکھوں کا عکس ان میں پڑا ہے (اس لئے سُرخ ہو گئی ہیں)

سبحان اللہ کسقدر نازک خیال کس خوبی سے ظاہر کیا ہے اور محبوب کی چشمِ مخمور کی تعریف کس اندازِ لطیف سے کی ہے۔

عراقی
نخستیں بادہ کاندر جام کردند　　ز چشمِ مستِ ساقی وام کردند
پہلی بار جو پیالے میں شراب ڈالی گئی تو وہ ساقی کی مست آنکھ سے قرض لی تھی۔

لا اعلم
با دلم نرگسِ شہلائے تو غوغا دارد　　جنگ دیوانہ و مست است تماشا دارد
میرے دل کے ساتھ تیری خوبصورت آنکھ جھگڑا کر رہی ہے۔ دیوانے اور مست کی لڑائی دیکھنے کے قابل ہے۔

لا اعلم
دو چشمت کہ تیرِ بلا می زند　　چنیں تیر بر ما چرا می زند
تیری دونوں آنکھیں جو بلا کے تیر مارتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ایسے تیر ہم پر چلاتی ہیں۔

سراج
ڈورے نہیں ہیں سُرخ تری چشمِ مست میں،　　شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

آتش
مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے　　اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

داغ — آنکھ جس جانب تمھاری اُٹھ گئی رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کے

جوش — آنکھ ہتھیلیوں سے مل خواب ہے چشمِ نازمیں بھر دے حنا کا رنگ بھی نرگسِ نیم باز میں

عینِ حیا

नैना वही सराहिए, जिन नैनन मे लाज ।
बड़े हुए अरु विस भरे, वे नैना केहि काज ।।

لااعلم — نینا وہی سراہیے جن نینن میں لاج بڑے ہوئے اور وِس بھرے وے نیناں کیہہ کاج

اُن آنکھوں کی تعریف ہونی چاہیے جن میں شرم ہو۔ بڑے اور زہریلے ہوئے تو کس کام کے!

بابر — در روزگار فتنہ بسے دیدہ ام ولے چشمِ تو فتنہ است کہ در روزگار نیست

میں نے زمانے میں بہت فتنے دیکھے ہیں مگر تیری آنکھ وہ فتنہ ہے جو زمانے میں نہیں ہے۔

ریاض — اللہ حُسن دے تو حیا بھی ضرور دے کس کام کی وہ آنکھ کہ جس میں حیا نہ ہو

مائل — چشمِ فتاں بھی ملی دیدۂ بینا بھی ملا اس زمانے میں مگر چشمِ مروّت نہ ملی

چنچل نین

चमचमात चंचल नयन, बिच घूंघट पट झीन ।
मानहु सुर सरिता विमल, जल उछरत जुग मीन ।।

بہاری — چم چمات چنچل نین بیچ گھونگھٹ پٹ جھین مانھو سُر سرِتا بِمل جل اُچھرت جُگ مین

اُس کی چنچل آنکھیں مہین گھونگھٹ کے اندر ایسی چمک رہی ہیں جیسے گنگا کے شفاف پانی میں دو مچھلیاں اُچھل رہی ہوں۔

ندرام مخلص — عکسِ چشمِ خوشت در آئینہ   یا شنا می کند در آب، آہو

تیری خوبصورت آنکھ کا آئینہ میں عکس ہے یا ہرن پانی میں تیر رہے ہیں۔

سودا — کیفیتِ چشم اُس کی مجھے یاد ہے سودا   ساغر کو مرے ہاتھ سے لیناکہ چلا میں

عیش — گردش ہے اُس کی چشم کو مستی میں یا کہیں   نرگس کا پھول تیر رہا ہے شراب میں

مائل — رُکے کیونکر نگاہِ حسرتِ دیدار دامن سے   سُنا بھی ہے کہیں۔ رکتی ہوئی تلوار دامن سے

بھکاری آنکھیں

चक्षु जोगी कंठा गिरेन, अरुन स्याम स्वेत ।
आँसू बूंद सुमरन सने, दर्सन भिक्षा हेत ।।

برکت — چکھ جوگی کنٹھا گرین ارُن سیام سویت   آنسوں بوند سمرن سنے درس بھکشا ہیت

آنکھ ایک جوگی ہے جو سُرخ سیاہ سفید دانوں کا کنٹھا پہنے ہوئے ہے۔ اور آنسو کی بوندیں اُس کی تسبیح ہے وہ دیدار کی بھیک مانگتا ہے۔

بالکل نئی تشبیہ اور استعارے سے کام لیا ہے۔

ظہوری — بدیدہ قطرۂ خوں از جگر برآوردہ   بدیدنِ تو دل از چشم سر برآوردہ

جگر کے خون کا قطرہ آنکھ میں آگیا۔ تیرے دیدار کے لئے دل آنکھ سے نکل آیا۔ یعنی دل و جگر نے آنکھ بن کر

دیدار کرنا چاہا۔

حسرت کشِ ستم ہوں تمنا پرستِ یاس، مجھ سا کوئی ملے تو سہی روزگار کو　　اعجاز

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو　خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہیں ڈھونڈتی کس کو　　ضیا

کس نے رُخ سے نقاب اُٹھائی ہے　　ہر نظر کاسۂ گدائی ہے　　اثر عثمانی

کیوں نجائیں رُخِ روشن پہ ہماری نظریں　　جلوۂ حُسن کی ہوتی ہیں بھکاری نظریں　　تجلی عثمانی

नैना रे तुम विस भरे　　बुरी तुम्हारी सीख।
जा घर देखो　जोवना, वा घर मांगो भीख॥

نینا رے تم بِس بھرے　بُری تمھاری سیکھ　　جا گھر دیکھو جوبنا وا گھر مانگو بھیکھ　　لا اعلم

اے آنکھو! تم تو زہر بھری ہو اور تمھارا مشورہ بھی بُرا ہے۔ جس جگہ حُسن دیکھتی ہو وہیں بھیک مانگنے لگتی ہو۔

ساخت در مردماں مرا رسوا　　دیدۂ اشکبار را چہ کنم　　واقف

مجھے لوگوں میں اشکبار آنکھوں نے بدنام کر دیا۔ میں ان کا علاج کیا کروں۔

ہم چو مژگاں سالہا دستِ دعا برداشتیم　　تا مرا بے مدعا چوں چشمِ حیراں ساختند　　صائب

میں نے پلکوں کی طرح برسوں دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تب کہیں چشمِ حیراں کی طرح مجھے بے مدعا کیا گیا ہے۔

در گلشنِ حسنِ تو بہنگامِ تماشا　　نظارہ ز جنبیدنِ مژگاں گلہ دارد　　عشرتی

تیرے حُسن کے گلشن کی بہار دیکھتے وقت نظارے کو پلکوں کے جھپکنے کی بھی شکایت ہے۔

شاعر نے کیا نازک خیال ظاہر کیا ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

نگہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حُسن کے پھول زیادہ اس لئے تیری بہار کے گلچیں کو دامن سے شکایت ہے کہ اس میں اس کی کوتاہی کے باعث وہ سماتے نہیں۔

تائل | جو اس رنگ و بو پر بھی ہے چاک داماں خدا جانے یہ گل ہے دیوانہ کس کا

میر | کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس ہم نے دیدار کی گدائی کی

آتش | آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے

چشمِ غمّاز

नैना देत बताय सब हिय को भेद अभेद।
जैसे निरमल आरसी भली बुरी कहि देत ।।

لا معلوم | نیناں دیت بتائے سب ہئیے کو بھید ابھید جیسے نرمل آرسی بھلی بری کہے دیت

آنکھیں دل کے بھید اسی طرح ظاہر کر دیتی ہیں جس طرح شفاف آئینہ اچھا برا ظاہر کر دیتا ہے۔

لا معلوم | روشن دلاں خوشامدِ شاہاں نہ کردہ اند آئینہ عیب پوشِ سکندر نمی شود

صاف طینت لوگ بادشاہوں کی بھی خوشامد نہیں کرتے جس طرح آئینہ سکندر تک کا عیب نہیں چھپاتا۔

ملا اکمل یزدی | از پریدن ہائے رنگ و از تپیدن ہائے دل عاشقِ بیچارہ ہر جا ہست رسوائی شود

رنگ کے اڑنے اور دل کے تڑپنے سے بیچارہ عاشق جہاں بھی ہوتا ہے بدنام ہی ہوتا ہے۔

شیدا لاہوری | غبارِ کینہ نماند بسینہ ہا پنہاں کسے نہاں چہ کند آتشِ محبت را

کینے کا غبار ہی سینے میں پوشیدہ نہیں رہتا تو محبت کی آگ کیونکر چھپ سکتی ہے۔

محبت میں مرے دل پر یہ چھائی ہے گھٹا غم کی | کہ بدلی آنکھ کی برسی تو بجلی آہ کی چمکی
آگ لگنے کا نتیجہ ہے دھواں ہوتا ہے | خود بخود حال محبت کا عیاں ہوتا ہے
ہے ہے مری چشمِ حیراں کا ہر حالِ دل اُن سے کہہ دینا | کچھ سوچ کے ان کا دانتوں سے ہونٹوں کو دبا کر رہ جانا
اے دل یہ کس سے بگڑی کہ آتی ہے فوجِ اشک | لختِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے

प्रेम छुपाये न छुपे, जा घट परगट होय।
जो पै मुख बोलत नहीं, नैन देत हैं रोय॥

پریم چھپائے نا چھپے جا گھٹ پرگٹ ہوئے | جو پے مکھ بولت نہیں۔ نین دیت ہیں روئے

جس دل میں محبت پیدا ہو جاتی ہے وہ چھپ نہیں سکتی۔ دانت تو کچھ نہیں کہتے مگر آنکھیں رو دیتی ہیں۔

اِس دوہے میں "گھٹ" (دل) اور "پرگٹ" (ظاہر ہونا) کو کس خوبی سے بے تکلف استعمال کیا ہے کہ صنعتِ "اشتقاق" ظاہر ہو گئی ہے۔ جیسے رنگین کا یہ شعر:-

اُسے میں چھپ کے دیکھوں برملا وہ غیر کو دیکھے | بھلا یوں دیکھنا دیکھو کہ دیکھا جائے ہے کس سے

ماجرائے دل نمی گویم بہ کس | آبِ چشمم ترجمانی می کند

میں اپنے دل کا حال کسی سے نہیں کہتا۔ مگر میرے آنسو ظاہر کر دیتے ہیں۔

روشندلاں حباب صفت دیدہ بستہ اند | روزن چہ احتیاج اگر خانہ تار نیست

روشن دل لوگوں نے حباب کی طرح آنکھیں بند کر لی ہیں کیونکہ گھر میں اندھیرا نہیں ہے تو روشندان کی کیا ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ کے ادراکات قلبی ہوتے ہیں۔ جن کا ظاہری بینائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مقصد یہ کہ عشقِ حقیقی کے بیان و اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ معشوقِ حقیقی کو سب کچھ خود ہی معلوم ہے۔

خوش باش بازبانِ ملامت کہ رہرواں | از بہرِ خارِ زحمتِ سوزن کشیدہ اند

(اگر عشق کا راز فاش ہوجانے پر لوگ ملامت بھی کریں تو) زبانِ ملامت کو بخندہ پیشانی گوارا کر کیونکہ (راہِ عشق کے راہ رَو خاص طور پر ملامت برداشت کرتے ہیں درانحالیکہ) ہر راستہ چلنے والا کانٹے کے لئے سرائی کی زحمت اُٹھاتا ہے۔

جلیل — آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ جاگے ہو رات کو — ان ساغروں میں بوئے شرابِ وصال ہے

داغ — ہم نے چھپائی لاکھ محبت نہ چھپ سکی — آنکھوں نے رو کے یار سے اظہار کردیا

لاعلم — سینے میں دل ہے دل میں داغ داغ میں سوزِ دسازِ عشق — پردہ بپردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا رازِ عشق

مائل — پردہ ہے اس لئے وہ پری رو کئے ہوئے — بیٹھا ہوں خیال کو یکسو کئے ہوئے

रहिमन अंसूआ नयन ढरि, जिय दुख प्रगट करेय ।
जाहि निकारो गेह सों, कस न भेद कहि देय ।।

رحیم — رحیمن انسوا نین ڈھری جئے دُکھ پرگٹ کرے — جاہی نکرو گیہ سوں کس نہ بھید کہہ دے

رحیم آنسو آنکھ سے گر کر دل کا بھید ظاہر کر دیتے ہیں کیونکہ جس کو گھر سے نکالوگے وہ بھید کیوں نہیں کہے گا۔

نظیری — نظیری را بمحفل بُردم امروز و غلط کردم — مرا رسوائے عالم کرد چشمِ گریہ آلودش

میں نے بڑی غلطی کی کہ میں نظیری کو آج محفل میں لے گیا۔ اس کی آنسو بھری آنکھوں نے مجھے زمانے میں رسوا کردیا۔

مہر — کوئی کس طرح رازِ اُلفت چھپائے — نگاہیں ملیں اور قدم ڈگمگائے

داغ — چاہ کی چتون مری، آنکھ اس کی شرمائی ہوئی — تاڑلی محفل میں سب نے سخت رسوائی ہوئی

فانی — مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے — ٹھہر جائے تو انگارا ہے بہہ جائے تو پانی ہے

ایک شاعر کا نظریہ اس کے خلاف بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

وہ مرا اشک نہیں جو کبھی آنکھوں سے بہے جو زمانے پہ عیاں ہو وہ مرا راز نہیں	لااعلم

मोहि करत कत बावरी, किए दुराव दुरैन
कहै देत रंगराति के, रँग-निचुरत से नैन

مُوہی کرت کِت باوری کیۓ دُراو دُرین کہے دیت رنگ راتی کے رنگ نچرت سے نین	بہاری

(اے شخص مراد شوہر) تو بہانے کرکے مجھے پاگل کیوں بناتا ہے۔ تیرے رات کے کرتوت تیری آنکھوں کی سُرخی بتا رہی ہے۔ یعنی شوہر رات کو کہیں اور رہا اور صبح کو جب گھر آیا تو رات کو غائب رہنے کی وجہ کے لئے بہانے بنائے۔ بر اں زوجہ کہتی ہے کہ مجھے کیوں بناتے ہو آپ کی آنکھیں سب کچھ بتا رہی ہیں۔

میلِ من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق ترکِ کامِ خود گرفتم تا برآید کامِ دوست	حافظ

میری تمنا وصل کی ہے اور اس کا ارادہ فراق کا۔ میں نے اپنا مقصد چھوڑا تاکہ دوست کا مطلب پورا ہو جائے

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ	لااعلم
جو ملنے پہ آؤ بہانے بہت ہیں جگہ سینکڑوں ہیں ٹھکانے بہت ہیں	"
بگڑتے کیوں ہیں اتنے آپ میری بدگمانی پر محبت دل میں ہوتی ہے تو کھٹکا ہو ہی جاتا ہے	"
آنکھیں جھکائے جاتے ہو آتی نہیں حیا تم نے حیا کے پردے میں کیا کچھ کیا نہیں	انور دہلوی

دیدۂ مضطر

तनिक कंकरी परत ही, नैन होत बे चैन ।
उन नैनन में चैन कह, जहँ गढ़ नैन में नैन ।।

لالم — تنک کنکری پرت ہی نین ہوت بے چین   ان نینن میں چین کہہ جنہہ گڑ بیں نین میں نین

ذرا سی کنکری پڑتے ہی آنکھ بے چین ہو جاتی ہے پھر ان آنکھوں میں چین کہاں جن میں آنکھیں گڑ جاتی ہیں۔

فرحت — دل در خیالِ چشمِ تو از دست دادہ ام   یک شیشہ را بدستِ دو بدمست دادہ ام

تیری آنکھ کے خیال میں میں نے اپنا دل دے دیا (بڑا غضب کیا) ایک شیشہ دو بدمستوں کو دیدیا (ضرور توڑ ڈالیں گے)

جلال اسیر — شب کہ خیالِ چشم او خواب ربُاید از نظر   سُرمہ کشم ز دودِ دل چشمِ سفیدِ ماہ را

رات کو جب اُس کی آنکھ کا تصور میری نیند اُڑا دیتا ہے تو میں اپنی آہ دل کے دھوئیں کا سُرمہ چاند کی سفید یعنی بے نور آنکھ میں لگا دیتا ہوں۔ گویا تصورِ چشم یار میں چاند بے نور نظر آتا ہے میں بے قرار ہو کر آہ کرتا ہوں اور نیند حرام ہو جاتی ہے۔

میر — عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں   اُس سے آنکھیں لڑیں تو خواب کہاں

صافی — میں کیا کہوں کہ آنکھ سے ملتے ہی یار آنکھ   آہو کی طرح کر گئی دل کو شکار آنکھ

صافی نے گو زمانے کی دیکھیں ہزار آنکھ   لیکن نظر کے ملتے ہی ہوتے ہی چار آنکھ

ہو گئی جگر کے پار خنجر توری

ہو گئی جگر کے پار

प्यारे हमरी नींद की, बात तुम्हारे हाथ ।
आवत थी तुम साथ ही, गई तुम्हारे साथ ॥

لالم — پیارے ہمری نیند کی بات تمہارے ہاتھ   آوت تھی تم ساتھ ہی گئی تمہارے ساتھ

پیارے، ہماری نیند کی بات تمہارے ہاتھ ہے تم تھے تو نیند آتی تھی تم چلے گئے تو وہ بھی چلی گئی۔

خواب خواہد کہ کند بے تو گذر در چشمم — ایں خیال ست کہ در خاطرِ خواب افتادہ است — نادری

یہ ناممکن ہے کہ تیرے بغیر مجھے نیند آئے۔ یہ ایسا خیال ہے کہ نیند کے دل ہی میں ہے۔

خواب کا خیال خوب کہا ہے۔

آئیں کہاں وہ خانہ خرابوں کے گھر کہاں — یاں خواب تک نہیں کبھی آئیں جو خواب ہیں — بسمل دہلوی

تیرِ نظر

नैन बान कौ झाँकबौ, जेह कोइ जाने झाँक।
हिरण्यो हीके सींग में, सीधी ही में बाँक॥

نَین بان کو جھانکبو جیہی کوئی جانے جھانک — ہرنیو ہو کی سینگ میں سیدھی ہی میں بانک — لااعلم

تیرِ نظر کا چلانا جو کوئی جانے وہی چلا سکتا ہے۔ ہرن کے سیدھے سینگ ہی میں بانک ہے یہی خدنگِ نظر کا حال ہے:

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشان زدہٗ — بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کماں زدہٗ — لااعلم

میرے سینے میں تو نے بے نشان زخم لگایا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بلا کمان کے تیر کیسے لگایا۔

غزالاں را رمیدن می شود خوابِ فراموشی — بعزمِ صید چوں در گردش آید چشمِ فتانش — صائب

جب اُس کی چشمِ فتاں شکار کے ارادے سے گردش کرتی ہیں تو ہرنوں کو دوڑنا خواب و خیال ہو جاتا ہے۔ یعنی اُس کی فتنہ انگیز آنکھیں دیکھ کر ہرن تک چوکڑی چوک جاتے ہیں۔

صیادِ آہواں ہمہ مردم شنیدہ ام — مردم شکار، آہوِ چشمِ تو دیدہ ام — لااعلم

ہرنوں کے شکاری تو میں نے آدمیوں کو سُنا ہے۔ مگر تیری آنکھ کے ہرن کو مردم شکار دیکھا۔

کمال اصفہانی	زمستاں راست اندازی ندارد چشم کس ہرگز مگر چشمش کہ چوں شد مست ناوک بہتر اندازد

مست شخصوں سے صحیح تیراندازی کی توقع کوئی نہیں کرسکتا۔ مگر اس کی آنکھ مست ہو کر تیر اچھا لگاتی ہے۔

خسرو	ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

کُل جنگلی ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر اس لئے لئے پھرتے ہیں کہ تو کسی دن اُن کے شکار کو آئے گا۔

صائب	آہو ز تو آموخت بہنگامِ دویدن رم کردن و برگشتن و استادن و دیدن

ہرن نے تجھ سے سیکھا ہے دوڑتے وقت چوکڑی بھرنا۔ پلٹنا۔ ٹھہرنا اور دیکھنا۔

اس شعر کا لطف وہ اصحاب زیادہ لے سکتے ہیں جن کو ہرن کے شکار کا تجربہ ہو۔

ایک ہی مصرع میں کیا مکمل نقشہ کھینچ دیا ہے۔

امیر مینائی	کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے خود بخود صید چلے آئیں گے گردن ڈالے

"توسن ڈالنا" محاورہ تو اچھا باندھا ہی ہے مگر گردن ڈالے چلے آنے کا محاورہ ایسا باندھا ہے کہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

خواجہ وزیر	ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو کیسے تیرانداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو
لاعلم	سیدھی رہی نظر تو رہی تیر کا جواب ٹیڑھی جہاں سے ہوگئی تلوار ہوگئی*
ثانی	پھر اُسی چشمِ فسوں ساز سے پھر دیکھ ادھر پھر اُسی دیدۂ غماز سے پھر دیکھ ادھر
	تیرے صدقے اُسی انداز سے پھر دیکھ ادھر پھر تڑپ جاؤں اُسی ناز سے پھر دیکھ ادھر

ہوگئی جگر کے پار نجر توری

ہوگئی جگر کے پار

नैन छुपाए ना छुपें, पट घूंघट की ओट।
चित्र नारि और सूरमा, कर लाख में चोट।।

نین چھپائے نا چھپیں پٹ گھونگھٹ کی اوٹ چترناری اور سورما کریں لاکھ میں چوٹ — لا اعلم

(شرح) آنکھیں چھپائے نہیں چھپتیں۔ گھونگھٹ کا پردہ بھی بیکار ہے۔ عقلمند عورت اور بہادر مرد لاکھوں میں چوٹ کرتے ہیں۔

دزدیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے قربانِ نگاہے تو شوم باز نگاہے — لا اعلم

تو نے پوشیدہ طور پر نگاہِ ناز مجھ پر ڈالی۔ تیری نگاہ کے قربان پھر ایک نگاہ!

از دو چشمِ او نگہ مستانہ می آید بروں ہم چو مدہوشے کہ از میخانہ می آید بروں — بے نجر بلگرامی

اُس کی آنکھوں سے نگاہ اس طرح مستانہ نکلتی ہے جیسے کوئی مدہوش شراب خانے سے باہر آتا ہے

باز آمد جامِ مے در دست او جامِ مے مستِ نگاہِ مست او — ہت پرشاد سرور شاہجہاں پوری

جامِ شراب اُس کے ہاتھ میں پھر آیا جو اُس کی مست نگاہ سے مست ہے۔

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اُس کا نہ دیکھنا نظرِ التفات ہے — مومن

چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے آپ کو اثرؔ معلوم ہوں گے گر کبھی اُس نے نگاہ کی — اثر دہلوی

کیونکر اُس کی نگہِ ناز سے جینا ہو گا زہر اور اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا — داغ

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا — غالب

بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
اُس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک دیکھی نہیں — آسی جونپوری

नागन पुतरी नैन की. रही कुडली खाय ।
बैरिन भूखो प्रान की, दीखत ही डस जाय ।।

لائم — ناگن پُتری نین کی رہی کونڈلی کھائے	بیرن بھوکی پران کی دیکھت ہی ڈس جائے

آنکھ کی پتلی ناگن ہے جو کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ جان کی دشمن ایسی بھوکی ہے کہ دیکھتے ہی ڈس لیتی ہے۔

صائب — ز چشمِ شیر نگینِ دلبراں ایمن مشو صائب	کہ شاہیں مشقِ خونریزی کند در چشم پوشیدن

دلبروں کی تیر نگیں آنکھ سے اے صائب بے فکر نہ ہو کیونکہ شاہین خونریزی کی مشق آنکھ بند ہونے کی حالت میں ہی کرتا ہے۔ یعنی اُس کی آنکھوں پر غلاف اسی لئے چڑھایا جاتا ہے کہ وہ شکار میں اور تیز ہو جائے۔

بیدل — دو مردماں کہ بچشمِ تو آشکار انند	بلائے جانِ جہاں ایں دو دل شکار انند

تیری آنکھوں میں جو دو پتلیاں ہیں۔ یہ دونوں دل کو شکار کرنے والی بلا ہیں۔

قمر — ستم گر کی نگاہِ ناز بھی کتنی ستم گر ہے	جو سیدھی ہو تو ناوک ہے جو ترچھی ہو تو خنجر ہے

साजु मोहन मोह को, मोही करत कु नैन ।
कहा करो उलटे पड़े, टोने लोने नैन ।।

بہاری — ساجے موہن موہ کوں موہی کرت کو چین	کاہا کروں اُلٹے پڑے ٹونے لونے نین

ایک حسینہ نے اپنی آنکھ میں کاجل لگا کر آئینہ دیکھا تو اپنی آنکھوں پر خود فریفتہ ہو گئی۔ چنانچہ کہتی ہے کہ میں نے اپنے پیتم کو لُبھانے کے لئے کاجل لگایا تھا مگر اب تو میری آنکھیں مجھی کو بے چین کئے دے رہی ہیں، اِن جادو بھری آنکھوں کا تو اُلٹا اثر ہو گیا۔ اب کیا کروں۔

قاآنی — عینِ خود را چو سُرمہ سا کردی	صاد بر دفترِ حیا کردی

تو نے اپنی آنکھ میں سُرمہ لگا کر حیا کے دفتر پر صاد کر دیا۔ عین و صاد کا تقابل خوب ہے

مگر بسرمہ اثر کرد ضعفِ طالعِ من!　　کہ بے عصانہ تواند بچشمِ یار رسید

شاید میرے مقدر کے ضعف نے سرمے میں اثر کیا کیونکہ عصا (سلائی) کی امداد کے بغیر وہ چشمِ یار تک نہ پہنچ سکا۔

بشوخی لبسکہ اُلفت دادہ ام آں چشمِ جادو را
کند مشاطہ میلِ سُرمہ اش مژگانِ آہو را

چونکہ میں نے اُس کی چشمِ جادو اثر کو شوخی سکھادی ہے۔ اس لئے مشاطہ اس کے سُرمہ کی سلائی ۔ ہرن کی پلک کو بناتی ہے۔

آئینہ سامنے ہے خود لُطف اُٹھا رہے ہیں　　زلفیں بنا بنا کر زیور بدل بدل کر

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب　　اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

چو نظر کی چاہ

ایک حسینہ جس کا شوہر گھر پر نہیں ہے چاندرات کو چاند دیکھنے کے لئے بناؤ سنگار کر کے کوٹھے پر چڑھتی ہے۔ پڑوسن اُس پر اعتراض کرتی ہے۔

आज दौज पिय घर नहीं, तू क्यों चढ़ी अटारि ।
मै तुहि पूछूं ए सखि, किस विधि कियो सिंगारि ।।

آج دوج پیا گھر نہیں تو کیوں چڑھی اٹار　　میں توسے پوچھوں رے سکھی کس بدھ کیو سنگار

آج پیا گھر نہیں اور چاندرات ہے۔ اے سکھی بتا تو نے سنگار کیوں کیا ہے اور کوٹھے پر کیوں چڑھ رہی ہے؟

حسینہ اس کا جواب دیتی ہے:-

आज चंद्रमा दीज है, ससि नकसत चहुँ ओर।
दो हमरे दो पिय के, चार नैन इक ठौर॥

بہاری
آج چندرما دوج ہے سسی نکست چہوں اور دو ہمرے دو پیئو کے چار نین اک ٹھور

آج چاند رات ہے اور ہر طرف چاند نظر آتا ہے (میرا محبوب بھی چاند دیکھے گا اور میں بھی) لہذا دو میری اور دو اُس محبوب کی چاروں آنکھیں ایک جگہ ہو جائیں گی۔ (یہ وجہ ہے سنگار کرنے اور کوٹھے پر چڑھنے کی)

مظہر جانجاناں
محفلے خواہم کہ آنجا وصلِ جاناں رُو دہد گوشۂ ابرو جوابِ گوشۂ ابرو دہد

میں ایسی محفل چاہتا ہوں کہ جہاں وصلِ یار اس طرح ہو کہ ابرو کے اشارہ کا جواب ابرو کا اشارہ دے۔

لا اعلم
خرمنِ دل را ہماں شمعِ وفا باید نہ برق خاطرِ پروانہ از ہر آتشے خرسند نیست

دل کے خرمن کو وہی شمعِ وفا درکار ہے نہ کہ بجلی۔ پروانہ ہر آگ سے خوش نہیں ہوتا (شمع پر ہی آتا ہے)۔

عرفی
عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

عرفی اگر رونے ہی سے وصالِ یار میسر ہو سکتا تو سو سو برس تک اس تمنا میں رو سکتے تھے۔!

داغ
سیکڑوں ملتے ہیں الزام کے دینے والے
ایک دو بھی نہیں آرام کے دینے والے

ذوق
ہائے رے حسرتِ دیدار مری ہائے کو بھی لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

جلیل مانکپوری
ناقہ چلا ہے نجد کو لیلیٰ کی ہے دعا پردہ اُٹھے تو قیس ہو محمل کے سامنے

داغ
خارِ حسرت بیان سے نکلا دل کا کانٹا زبان سے نکلا

دیوالیہ آنکھیں

साह कहावत फिरत हैं, चुप सरसाई चाव।
तेरे नयन दिवालिया, मन लै देत न पाव॥

لاالعلم ساہ کہاوت پھرت ہیں چُپ سرسائی چاؤ تیرے نین دیوالیہ من لے دیت نہ پاؤ

تیری آنکھیں ساہوکار کہلاتی ہیں یا کہلاتی تھیں اس لئے ہم نے اپنا دل امانتاً ان کے سپرد کیا تھا مگر وہ تو دیوالیہ نکلیں جو دل لے تو لیتی ہیں مگر واپس نہیں دیتیں۔

نظیری از کفِ نی دہد دلِ آساں ربودہ را دیدیم زورِ بازوے نا آزمودہ را

ہمارا دل جو آسانی سے اُڑا لیا گیا ہے۔ وہ واپس نہیں کیا جاتا۔ ہم نے اس ناتجربہ کار کے زورِ بازو کا بخوبی اندازہ کرلیا۔ نا آزمودہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اُسے آزمایا نہ تھا۔

لاالعلم نہ دیوے لے کے دل وہ جعدِ مُشکیں اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

مانگ کے دو معنی ظاہر ہیں۔

زلفِ یار

अलक मुबारक तिय बदन, लटकि परी यों साफ।
खुश नवीस मुनसी मदन, लिख्यो कांच पर काफ॥

مبارک الک مُبارک نے بدن لٹکی پری یوں صاف خوشنویس منسی مدن لکھیو کانچ پر قاف

اے مبارک معشوق کے چہرے پر زلف اس طرح لٹکی ہوئی ہے جیسے کسی خوشنویس منشی نے کاغج پر قاف لکھ دیا ہو۔ زلف کو خم کے باعث ق سے تشبیہ دی ہے۔ جب کہ شعراء لام سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ جدت قابلِ داد ہے۔

بابر

تا بزلفِ سیہ اشں دل بستم　　　از پریشانیِ عالم رستم

جب سے میں نے اُس کی زلف میں دل کو پھنسایا ہے۔ دنیا کی پریشانی سے نجات مل گئی ہے۔

بابر کا یہ شعر ابوالفضل علامی کو بے حد پسند تھا۔

دارا شکوہ تخلص قادری

ہر خم و پیچے کہ شد از تابِ زلفِ یار شد　　　دام شد، زنجیر شد تسبیح شد زنار شد

جو کچھ پیچ وخم ہوا وہ یار کی زلف کی پیچیدگی کے باعث ہوا۔ جال بنا یا زنجیر بنی یا تسبیح یا جنیو

انصاف

در خرابیہائے دل زلفش رسا افتادہ است　　　در شکستِ کعبہ ایں کافر چرا افتادہ است

دلوں کو ویران کرنے کا اُس کی زلف کو خاص ملکہ ہے۔ یہ کافر کعبہ کو توڑنے کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔

قاآنی

دو زلفِ تابدار او بچشم اشکبار من　　　چو چشمہ کہ اندرو شنا کنند مارہا

اُس کی دونوں تابدار زلفیں میری اشکبار آنکھوں میں اس طرح ہیں جیسے کسی چشمے میں سانپ تیر رہے ہوں۔

عوام بالعموم لفظ "زلف" "کاکل" اور "گیسو" کے معنیٰ و مفہوم میں امتیاز نہیں کرتے۔

ہر سہ کے لغوی معنی ملاحظہ فرمائیے۔

زُلْفُ ۔ ع ۔ ایک حصہ رات کا۔ مگر فارسی لوگ اپنے تصرّف سے اس لفظ کو لام کے جزم سے پڑھتے ہیں۔ اور چونکہ رات کالی ہوتی ہے اس مناسبت سے مجازاً اس لفظ کے یہ معنیٰ لیتے ہیں

یعنی بالوں کی لٹ جو کان کے قریب ہوتی ہے۔

کَاکُل ۔ ت ۔ زُلف ۔ بال سر کے آگے لٹکے ہوئے ۔ گھوڑے کی گردن کے بال ۔

گیسُو ۔ ت ۔ زُلف ۔ پلٹے ہوئے لمبے بال ۔ (لغات کشوری)

مگر خواص موقع و محل کے لحاظ سے صحیح لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ فردوسی جو رزم کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے اُس کے دو اشعارِ بزم ملاحظہ فرمائیے ۔

فردوسی: بہم بستہ موہا بصد پیچ و تاب ۔۔۔ گرہ دادہ شب را پسِ آفتاب

بالوں کو اس طرح بل دے کر باندھے ہیں ۔ گویا رات کو آفتاب کے پیچھے گرہ دیدی ہے ۔ آفتاب سے مراد چہرہ ہے

ولہ: چو بکشاد آں طرّۂ مشکناب ۔۔۔ شب آمد بہ پا بوسیِ آفتاب

جب اُس خالص مُشک کے طُرّہ کو کھولا تو رات آفتاب کی قدم بوسی کو حاضر ہوئی

طُرّہ ۔ ع ۔ زلفِ پیشانی کے بال ۔ مکان کا چھجا ۔ ہر چیز کا کنارہ منقش کا پھندنا ۔

جَعْد ۔ ع ۔ گھونگھر والے بال ۔ مڑے ہوئے بال ۱۲ ۔ (لغات کشوری)

غنیمت: نہاں در گیسوئے او لیلۃُ القدر ۔۔۔ عیاں از جبہہِ او مطلعُ الفجر

اُس کے گیسو میں لیلۃ القدر پوشیدہ اور اُس کی پیشانی سے مطلع الفجر ہویدا ۔

حافظ: تُرکِ من چوں جعدِ مُشکیں گردِ کاکل بشکند ۔۔۔ لالہ را دل خوں شود بازارِ سُنبل بشکند

میرا معشوق جب جعدِ مشکیں کاکل کے گرد بکھیرتا ہے تو لالے کا دل خون ہو جاتا ہے ۔ اور سُنبل کا بازار سرد پڑ جاتا ہے ۔

مصحفی: یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں لگایا ۔۔۔ دے پیچ اُدھر زلف اڑا لے گئی دل کو

ایک مشاعرے میں مصحفی نے یہ شعر پڑھا ۔ میر بھی موجود تھے ۔ انھوں نے کہا " بھئی

ذرا اس شعر کو پھر پڑھنا۔" میر کا اتنا کہہ دینا ہزاروں تعریفوں کی برابر تھا۔ چنانچہ مصحفی نے اُٹھ کر کئی سلام کیے اور کہا کہ "میں اس شعر پر اپنے دیوان میں ضرور لکھوں گا کہ حضرت نے دوبارہ پڑھوایا تھا۔"

ذوق
ہے تیرے کان زلفِ معنبر لگی ہوئی رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی

دُرِ حلقہ بگوش

(دکھنا)
मुक्ता वाके कान में, केहि कारन मुकयाय।
तिरछी चितवन से डरे, फिर नहीं विंधाजाय ।।

رسلین
مکتا واکے کان میں کہے کارن مکتائے ؟ ترچھی چتون سے ڈرے پھر نہیں بندھا جائے

پہلا مصرع سوالیہ ہے۔ یہ کہ موتی اُس کے کان میں کس وجہ سے ہلتا ہے۔ دوسرے میں جواب ہے یہ کہ وہ ڈرتا ہے کہ اُس کی ترچھی چتون سے کہیں دوبارہ نہ بیندھ دیا جائے۔

میرزا سرعلی نقصیر
نیست دُر در حلقۂ گوشش چنیں با آب و تاب گوہر خود می نماید ماہیِ دریائے حُسن

اُس کے کان کے بالے میں جو موتی ہے اس کی چمک دمک نہیں ہے۔ بلکہ حُسن کے دریا کی مچھلی اپنا جوہر ذاتی دکھا رہی ہے۔

صائب
سُفتہ ریزد گہرِ اشک بداماں صائب چشم ہر کس کہ فتد بر مژۂ خونخوارش

اے صائب جو ایک بار اُس کی خونخوار پلک پر نظر ڈالتا ہے۔ وہ آنسو کے موتی اپنے دامن میں اس طرح گراتا ہے کہ وہ موتی بھی بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ (صائب نے مبالغہ کی حد کر دی)

میانِ زُلف لعل گوشوارہ   بہارِ عشق پیچاں کن نظارہ (واسطی)

زلف کے درمیان لعل کا گوشوارہ ہے۔ عشق پیچاں (مشہور پھولدار درخت جس کا پھول سرخ اور چھوٹا سا ہوتا ہے) کی بہار دیکھ۔

ایک بار جہانگیر سفید حریر کا انگرکھا یا قبا پہنے ہوئے تھا جس کا تکمہ لعل کا تھا۔ وہ نور جہاں کے پاس گیا تو اُس نے یہ دلکش لباس دیکھ کر برجستہ کہا:۔

ترا کہ تکمہ لعل است در قبائے حریر   شدہ است قطرۂ خونِ منت گریباں گیر (نور جہاں)

تیری حریر کی قبا میں جو لعل کا تکمہ لگا ہوا ہے۔ دراصل میرے خون کا قطرہ تیرا گریبان گیر ہوا ہے۔

اسی طرح نور جہاں ایک روز ایسا پیرہن پہنے ہوئے تھی کہ جس کا گریبان زعفرانی تھا۔ جہانگیر نے یہ دلفریب منظر دیکھا تو فی البدیہہ یہ شعر کہا:۔

نیست جاناں در گریبانِ تو رنگِ زعفراں   زردیٔ رنگِ رُخِ ما شد گریباں گیرِ تو (جہانگیر)

اے جاناں تیرے گریبان میں زعفران کا رنگ نہیں ہے بلکہ ہمارے چہرے کی زردی تیری گریبان گیر ہوئی ہے

وہ کنکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں   وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا (آزاد)

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج   یہ برقِ بلا دیکھئے گرتی ہے کدھر آج (داغ)

मुक्त भये घर खोय के, कानन बैठे जाय ।
घर खोवत हैं और को कीजे कौन उपाय ।।

مُکت بھئے گھر کھوے کے کانن بیٹھے جائے   گھر کھووت ہیں اور کو کیجو کون اُپائے (رتی بیرا)

موتی اپنا گھر (صدف) توڑ پھوڑ کر چکے۔ اور معشوق کے کانوں میں آ بیٹھے۔ مگر اب دوسروں کا گھر کھونے کی

فکر ہے۔ یعنی ہمارا گھر۔ لہٰذا اس کی کیا تدبیر کی جائے۔

مولانا یاری

آویزۂ گوشِ او دُرِ ناب ، در زلفِ سیہ چو کرمِ شب تاب

اُس کے کان کے آویزے میں اصلی موتی سیاہ زلف کے پاس اس طرح ہیں جیسے اندھیری رات میں جگنو

حکیم

قربانِ آں بناگوش واں برق گوشوارہ　　باہم چہ خوش نمایند آں صبح واں ستارہ

اُس کان کی لو اور اُس چمکدار گوشوارے کے قربان۔ دونوں اس طرح ہیں جیسے صبح اور ستارہ

ضیا دہلوی

سبزے ہیں اُس کے کان میں اس آب تاب کے　　جیسے کہ برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے

رند لکھنوی کا شعر ہے:۔

رند

چمپئی او مہروش، تجھ کو نہ دھانی چاہئے　　چاند مکھڑا ہے دوپٹہ آسمانی چاہئے

یہ لکھنؤ کا خاص رنگ ہے۔ رند کا ایک اور شعر سنیئے۔ لکھنؤ میں کہیں طرحی مشاعرہ تھا۔ اُس زمانے میں مشاعرے ہوتے ہی طرحی تھے۔ رند نے غزل لکھی اور اپنے خیال میں میلا کا قافیہ لاجواب باندھ کر اپنے اُستاد آتش کے پاس غزل اصلاح کو لے گئے۔ اور اس شعر کو اس انداز سے سُنایا کہ اُستاد بھی داد دیں:۔

رند

اگری کا ہے گماں شک ہے ملاگیری کا　　رنگ لایا ہے دوپٹہ ترا میلا ہو کر

آتش نے سُن کر کہا کہ "ذرا صبا کو آنے دو دیکھیں اُس نے اس قافیہ میں کیا شعر نکالا ہے"
اتنے میں صبا بھی آگئے۔ آتش کے پوچھنے اور فرمائش پر شعر سُنایا۔

صبا لکھنوی

باغباں بلبلِ کُشتہ کو کفن کیا دیتا
پیرہن گُل کا نہ اُترا کبھی میلا ہو کر

बसरि मोती दुति झलक, परी ओठ पर आय।
चूनो होय न चतुर तिय, क्यों पट पोंछो जाय॥

بہاری
بیسر موتی دوت جھلک پڑی اوٹھ پر آئے چونے ہوئے نہ چتر تیے کیوں پٹ پونچھو جائے

ایک حسینہ آئینہ دیکھ رہی تھی اُس کو اپنے ہونٹ پر ایک سفید سا دھبہ نظر پڑا تو اُس نے سمجھا کہ پان کھایا ہے۔ چونے کا دھبہ لگ گیا۔ آنچل سے پونچھا تو اُس کی سہیلی نے کہا۔ باؤلی! تیرے کان کے موتی کی جھلک ہے۔ تو چونہ سمجھ کر کیا پونچھ رہی ہے۔

مظہر جانجاناں
تا مرا بر حلقۂ گوشت نظر افتادہ است رشتۂ در گردنم ہمچوں گہر افتادہ است

جب سے تیرے کان کے بالے پر میری نظر پڑی ہے۔ میری گردن میں موتی کی طرح رشتہ (ڈورا) پڑ گیا ہے۔

ذوق
پڑا جو کاکل مشکیں کا عکس شیشے میں! جھجک کے رکھ دیا ساغر کہ ہیں! شراب میں سانپ

خالِ رُخ

सब जग पेरत तिलन को, थक्यौ चित्त यह हेरि।
तू कपोल को एक तिल, सब जग डारयो पेरि॥

مبارک
سب جگ پیرت تلن کو تھکیو چت یہ ہیری تو کپول کو ایک تل سب جگ ڈاریو پیری

ساری دنیا تو تلوں کا تیل نکالنے کو کولھو میں پیلتی ہے۔ مگر تیرے رخسار کے ایک تل نے دنیا بھر کو پیل ڈالا (مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہے)

لچھمی نرائن سرور

آں خالِ سیہ بر رُخِ رخشانِ نوجاناں ہندو بچہ ہست کہ خورشید پرست است

اے دوست تیرے روشن چہرے پر سیاہ تل۔ ایک ہندو بچہ ہے جو سورج کو پوجتا ہے۔

جلالی

آں نہ خالیست کہ بر روی دلآرام فتاد کافرے بود کہ از کفر در اسلام فتاد

یارِ دلآرام کے چہرے پر وہ تل نہیں ہے۔ بلکہ کوئی کافر۔ کفر سے اسلام میں داخل ہوا ہے۔

حافظ

خالِ مشکیں کہ براں عارضِ گندم گوں است سرِ آں دانہ کہ شد رہزنِ آدم با اوست

اُس گندم گوں عارض پر جو خالِ مشکیں ہے وہ ایسا دانہ ہے کہ جو آدم کا رہزن ہوا۔ مگر وہ اُس کے پاس ہے۔

لاعلم

خال بر رخسارِ جاناں ہیچ می دانی کہ چیست زنگئے در باغِ جنت باغبانی می کند

رخسارِ یار پر جو تل ہے تجھے کچھ معلوم ہے کیا ہے۔ ایک حبشی جنت کے باغ میں باغبانی کرتا ہے۔

تسلیم نارنولی

کے خالِ بیتِ ابروت از راز خالی است نقطہ نشاں بود سخنِ انتخاب را

تیری بیتِ ابرو کا تل راز سے کب خالی ہے۔ منتخب کلام (شعر) پر نقطہ ہی لگایا جاتا ہے۔

ذوق

اے خالِ رُخِ یار تجھے خوب بناتا! جا چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھ کر

لبِ شیریں

भई नघुरता अधर मिल, कर से दीनी डार।
लाई दातुन ऊख की, मूरख खिदमतगार॥

لاعلم

بھئی مدھرتا اُدھر مل کر سے دینی ڈار لائی داتنُ اُکھ کی مُورکھ کھدمت گار

کیسا نازک اور اچھوتا خیال اس دوہے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ایک حسینہ نوکرانی سے

(فارسی کا لفظ "خدمتگار" استعمال کیا ہے) داتن (مسواک) منگاتی ہے۔ جو نیم کی شاخ کی بالعموم ہندو استعمال کرتے ہیں۔ وہ لاکر پیش کرتی ہے۔ حسینہ کے لب اس قدر شیریں ہیں کہ ان سے مس ہوتے ہی وہ شیریں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حسینہ یہ کہہ کر اُسے پھینک دیتی ہے کہ کیسی بیوقوف نوکرانی ہے کہ ایکھ (نیشکر) کی داتن اٹھا لائی۔

غنی

دیدہ چوں آں دو لبِ شیریں دید معنیِ قندِ مکرر فہمید

آنکھ نے جب اُن دونوں شیریں لبوں کو دیکھا تو قند مکرر کے معنی سمجھ لیے ہیں

ابوطالب کلیم

بشکر خندہ زدل کوہِ غمے بردارند کارِ شیریں دہناں سخت تر از فرہاد ست

اپنے شکر خندہ سے غم کا پہاڑ دل سے ہٹا دیتے ہیں۔ شیریں دہنوں کا کام فرہاد سے بھی مشکل ہے۔

حافظ

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

تو نے مجھے بُرا کہا اور میں خوش ہوں خدا تجھے معاف کردے اچھا کہا۔ شکریں لعلِ لب کو تلخ جواب ہی زیب دیتا ہے

سعدی

دعائے گرنمی گوئی بدشنامے عزیزم کن کہ گر تلخ است شیریں است ازاں لب ہر چہ فرمائی

اگر تو مجھے دعا نہیں دیتا ہے تو گالی ہی دیکر عزیز کر کیونکہ (گالی) کڑوی ہے مگر اُس لب سے جو کچھ تو فرمائے شیریں ہے۔

غالب

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھاکے بدمزہ نہ ہوا

صبا جودپوری

یہ بھی اس واسطے مل جاتی ہیں کھانے کے لئے لطفِ دشنام سے واقف ابھی اغیار نہیں

ایک بار صفیر بلگرامی نے اپنی غزل اصلاح کے لئے غالب کو بھیجی۔ اس میں یہ شعر بھی تھا:-

صفیر بلگرامی

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

غالبؔ نے دوسرا مصرع یوں بدلا۔ کچھ ابھی بات کر نہیں آتی

اور اس کی وجہ بھی تحریر کی۔ یہ کہ "کیوں حضرت! ابھی کی یائے تحتانی کا دبنا غیر فصیح نہیں؟ کچھ ابھی بات کر نہیں آتی۔ کیا نعم البدل نہیں"!

بلاشک اصلاح کی شان ہی یہ ہے کہ برائے نام بھی کوئی نقص نہ رہ جائے۔

داغ — گلشن میں ترے لبوں نے گویا رس چوس لیا کلی کلی کا

नैन सलोने अधर मधु, कहि रहीम घटि कौन।
मीठो भावै लौन पर, अरु मीठे उपर लौन॥

رحیم — نَین سَلُونے اَدھر مدھو کہہ رحیم گھٹی کون بیٹھو بھاوے لون پر اور میٹھو اوپر لون

آنکھیں سلونی ہیں اور ہونٹ میٹھے ہیں۔ رحیم بتاؤ ان میں کم کون ہے؟ میٹھا نمکین پر اور میٹھے پر نمکین کیسا مزہ دار معلوم ہوتا ہے۔

علی حزیں — چوں سرکنم حدیثِ لبِ لعل یار را گرد از نہادِ چشمۂ حیواں برآورم

میں جب یار کے لبِ لعلیں کی بات شروع کرتا ہوں تو چشمۂ حیوان خشک ہو جاتا ہے میں اس کی تہ سے (مٹی بھی نہیں بلکہ) گرد اٹھاتا ہوں۔

حافظ — غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدارانند خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیارانند

تیری آنکھوں کے غلام تو بادشاہ ہیں اور تیرے ہونٹ کی شراب سے مست ہوشیار لوگ ہیں۔

میر — میر اُن نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

〃 — نازکی اُس کے لب کی کیا کہئے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

آثر عثمانی

اللہ اللہ وہ جوانی ہے کہ فردوسِ بہار   اور پھر حُسن تبسم آفتاب اندر شراب

کفِ پائے یار

पाय महावर देन को, नाइन बैठी आय।
फिरि फिरि जाति महावरी, एँड़ी मोडत जाय॥

بہاری

پائے مہاور دین کوں ناین بیٹھی آئے   پھیری پھیری جاتی مہاوری اینڑی موڑت جائے

حسینہ کے پائے رنگین کا اظہار بہاری نے بڑی ندرت سے کیا ہے۔ کہتا ہے کہ مشاطہ اُس کے کفِ پا میں مہاور لگانے کو آکر بیٹھی (لیکن اُس حسینہ کی ایڑی کا رنگ ایسا لال ہے کہ نائن کو اُس میں اور مہاور کی گولی میں کوئی فرق ہی نہیں معلوم ہوتا چنانچہ وہ اس دھوکے میں) ایڑی ہی کو مہاور کی گولی۔ (مہاور کے گاڑھے رنگ میں روئی کو اچھی طرح بھگو کر نائن گولی سی بنا لیتی ہے۔ اور پاؤں میں مہاور لگاتے وقت اُس سے رنگ نچوڑتی ہے۔ اور لگاتی جاتی ہے۔ اُسی کو مہاور کی گولی یا مہاوری کہتے ہیں) سمجھ کر ملتی جاتی ہے۔ (تاکہ لال رنگ نکل آئے)۔ مہاوری ایک قسم کا سُرخ رنگ ہوتا تھا جو عورتیں پیروں میں لگاتی تھیں۔

فضولی بغدادی

سپایش بوسہ زد رنگِ حنا سرخی دوبالا شد   دلم خوں شد ز حیرت ایں عجب ہنگامہ برپا شد

اُس کے پاؤں پر مہندی نے بوسہ دیا تو اُس کا رنگ دوبالا ہو گیا مگر میرا دل حیرت سے خون ہو گیا کہ یہ عجب فتنہ بپا ہوا۔

صائب

بعرضِ جوہرِ خوش رنگِ ذاتی سنگ پائے او   زند بس خندہ دنداں نما بر غنچۂ مرجاں

اُس کے پاؤں کا جھاواں اپنا خوش رنگ جوہرِ ذاتی ظاہر کرتے ہوئے غنچۂ مرجاں (مونگا) پر ہنستا ہے یعنی اُس کی سُرخی کا مذاق اُڑاتا ہے۔

لا اعلم — رنگِ بہار نکسِ کفِ پائے یار ہے ہر گل کو اس پہ فخر ہے گلچیں نثار ہے

جوشِ شباب

अंगिया कलम कटाव की, गोरी तोरी बाँह ।
मारेगी कोई छेल ने, नजर ठिकाने नाँह ॥

لا اعلم — انگیا کلم کٹاؤ کی اور گوری توری بانھ مارے گی کوئی چھیل نے نجر ٹھکانے ناھ

گورے بازوؤں پر قلم تراش محرم ہے اور نظریں بےچین ہیں، تو کسی شوقین کو ہلاک کر کے رہے گی!

علی حزیں — چشمِ اجل از دور بحسرت نگراں است تا غمزۂ خونریزِ تو غارتگرِ جاں است

موت کی آنکھ حسرت کے ساتھ دور سے دیکھ رہی ہے کیونکہ تیرا خونریز غمزہ جان کا غارت گر ہے۔

نعمت خانِ عالی — نگہ در صیدِ مرغِ دل چو شہباز برآوردہ ز مژگان بالِ پرواز

دل کے پرند کا شکار کرنے کو نگاہ مانند شہباز کے ہے کہ جس نے پلکوں سے اُڑان کے پر نکالے ہیں۔

عبدالرسول استغنا — نہ جوہرست کہ شمشیر را در آغوش است ز ہیبتِ نگہش تیغ ہم زرہ پوش است

تلوار میں جوہر نہیں ہیں بلکہ اس کی نگاہ کی ہیبت سے خود تلوار نے زرہ پہن رکھی ہے۔

جگر مراد آبادی — محبت کی پُر پیچ راہوں نے مارا مجھے آڑی ٹیڑھی نگاہوں نے مارا

فانی — بانکی بانکی ادائیں ہوش رُبا ترچھی ترچھی نگاہیں قہرِ خدا

غالب — لاکھوں لگاؤ ایک چُرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

شیخ علی حزیں دہلی میں مرزا سودا سے ملے اور شعر سنانے کی فرمائش کی۔ مرزا نے یہ

یہ شعر سُنایا۔

سودا: ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں　　تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شیخ "تڑپے ہے" کے معنی معلوم کرکے تڑپ گئے۔ اور کہنے لگے "مرزا غضب کر دی۔ یک مرغ ماندہ بود اورا ہم نہ گذاشتی" "مرزا غضب کر دیا ایک مرغ بچا تھا اُس کو بھی آپ نے نہ چھوڑا۔

हरी कँचली कस मसि, मसकी रस के हीर।
विकसत कली गुलाब की, निकसत ललत लकीर॥

لال کلیر: ہری کنچلی کس مسی، مسکی رس کے ہیر　　بکسَت کلی گلاب کی نکست للت لکیر

اُس کی ہری انگیا جوشِ شباب کے باعث کس گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلاب کی کلی جو سبز ہوتی ہے چٹکی ہے اور برگِ گل کی گلابی لکیر نمودار ہوئی ہے۔

غنیمت: بروئے سینہ اش سیب دو پارہ　　علاجِ قوتِ ضعفِ نظارہ

اُس کے سینے پر دو آدھے سیب ہیں جو ضعفِ نظارہ کی بیماری کا علاج ہیں جس سے نظر کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

اثر رد لوی: بدمستیوں کا رنگ ہے جوشِ شباب میں　　گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں

اختر شیرانی: اُس کے عہدِ شباب میں جینا　　جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے

داغ: ہے جوانی خود جوانی کا سنگار　　سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے

[illegible]: ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی　　اُف تری ظالم جوانی جوش پر آئی ہوئی

[illegible]: جب گلابی نقاب ہوتی ہے　　شرحِ حُسنِ شباب ہوتی ہے

جلیل — کیفِ جامِ ارغوانی اور ہے | نشۂ جوشِ جوانی اور ہے

ریاض — چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی | تصویر کھینچیں آج تمھارے شباب کی

حُسنِ محبّت

प्रीतम ऐसी प्रीति करि, ज्यों निसि चन्दा हेत।
चन्दा बिन निसि साँवरी, निसि बिन चन्दा स्वेत ।।

لا اعلم — پرِیتم ایسی پریتی کر جیُوں نسی چندا ہیت | چندا بن نسی سانوری نسی بن چندا سویت

اے محبوب ایسی محبت کر جیسی چاند اور رات میں ہے۔ رات چاند کے بغیر سیاہ ہے اور چاند۔ رات کے بغیر بے نور

لا اعلم — سرتا بپا چو شمع ہمہ اشک و آہ باش | برراہِ عشق سر چو نہی سر براہ باش

سر سے پا تک شمع کی طرح اشک اور آہ ہو جا۔ عشق کی راہ پر جب سر رکھا ہے تو سر براہ ہو جا۔ سر براہ بمعنی منتظم و مہتمم۔ یعنی عشق کا پورا پورا لحاظ رکھ۔ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور سر براہ یعنی سرفروش یا از سر فراموش ہو جا۔

زلالی — زہے فیضے کہ عشقِ پاک دارد | کہ ہم زہرست و ہم تریاک دارد

پاک عشق! کیسا عمدہ فیض رکھتا ہے کہ زہر بھی ہے اور زہر مار بھی۔

رمانی کاشی — از شبنمِ عشق خاکِ آدم گل شد | صد فتنہ و شور در جہاں حاصل شد
صد نشترِ عشق بر رگِ روح زدند | یک قطرہ فرو چکید نامش دل شد

عشق کی شبنم سے آدم کی خاک کا گارا بنا۔ اور سینکڑوں فتنہ و فساد جہان میں پیدا ہوئے۔ سینکڑوں

نشتر روحِ عشق کی رگ پر لگے۔ (تب) ایک قطرہ ٹپکا جس کا نام دل ہوا۔

نعمت خاں عالی

تپیدن گریہ کردن رفتن از خود مردن از حسرت　　کم است افسوس عمر و کارہا بسیار عاشق را

تپیدن سوختن بر خاک و خون غلطیدن و مردن　　بحمد اللہ کہ دردِ عاشقی تدبیرہا دارد

دونوں شعر ایک ہی شاعر کے ہیں۔ اور ایک سے ہی مضمون کے پہلے مصرعوں میں تپیدن = تڑپنا۔ گریہ کردن = رونا۔ از خود رفتن = بے قابو ہو جانا۔ مُردن = مر جانا۔ سوختن = جلنا۔ غلطیدن = لوٹنا۔ مصادر خوب جمع کئے ہیں۔ اور دوسرے مصرعوں میں دو مختلف باتیں کہی ہیں۔ پہلے شعر کا مصرعِ ثانی ثابت کرتا ہے کہ افسوس عمر کم ہے اور عاشق کو کام زیادہ کرنے ہیں۔ اس کے برخلاف دوسرے شعر کے مصرعِ ثانی میں شکر ادا کیا گیا ہے کہ دردِ عاشقی کی کئی تدبیریں یعنی علاج ہیں۔

بیان یزدانی

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے　　لیکن اس کا نباہ مشکل ہے

〃

ترک مشکل نباہ مشکل تر　　سخت کا فریہ چاہ مشکل ہے

فہیم گورکھپوری

اشک آنکھوں میں جگر میں درد شورش دل میں ہے　　اک محبت کی بدولت گھر کا گھر مشکل میں ہے

ذوق

اُلفت کا مزہ جب کوئی مر جائے تو جائے　　یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

اظہار رام پوری

تمھاری دوستی کو دیکھ کر سب رشک کرتے ہیں　　جو بس چلتا تو دنیا چھین لیتی زندگی میری

नेह सगा सो ही सगा, हाड़ सगा नहिं होय ।
मां बैठो तिरिया जरे, अचरज सबको होय ॥

لا اعلم

نیہہ سگا سو ہی سگا ہاڑ سگا نہیں ہوے　　ماں بیٹھی تریا جرے اچرج سب کو ہوے

صرف محبت ہی یگانہ ہوتی ہے۔ ہڈی یعنی نسلی رشتہ یگانہ نہیں ہوتا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ماں بیٹھی

دیکھتی رہتی ہے۔ اور بیوی ستی ہو جاتی ہے۔ دنیا کو اس پر تعجب ہے۔

صائب | ہمچو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست سوختن بر شمعِ مُردہ کارِ ہر پروانہ نیست

(دنیائے) عشق میں ہندو عورت جیسا مرد (سورما) کوئی نہیں۔ کیونکہ بجھی ہوئی شمع پر جل مرنا پروانے کا کام نہیں ہے۔

خسرو | خسرو! در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش کز برائے مُردہ سوزد زندہ جانِ خویش را

اے خسرو! عشقبازی میں ہندو عورت سے کم نہ رہ کہ جو مردہ کے لئے خود کو زندہ جلا دیتی ہے۔

لطیفہ۔ لفظ "عشقبازی" پر ایک نہایت نفیس و بلیغ لطیفہ ملاحظہ فرمائیے یہ کہ:۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ نے حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر کو لکھا کہ:۔

"میانِ ما و شما عشق بازی ست (ہم میں اور آپ میں عشق بازی ہے) بابا صاحب نے جواب دیا

"میانِ ما و شما عشق است بازی نہ" (ہم میں اور آپ میں عشق ہے۔ بازی نہیں، بازی بمعنی کھیل)

لا اعلم | عشق ازیں بسیار کردست و کند سبحہ را زنار کردست و کند

(ایک ستی ہی کیا) عشق نے اس سے بھی زیادہ کیا ہے اور کرے گا۔ وہ تسبیح کو زنار بنا چکا ہے اور آئندہ بھی بنائے گا۔

ایک شام کو جہانگیر اور نور جہاں محل کی چھت پر بیٹھے ہوئے وقت کے سہانے پن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جہانگیر نے نور جہاں کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا:۔

جہانگیر | بلبل نیم کہ نالہ کنم دردِ سر دہم پروانہ ام بسوزم و دم بر نیاورم

میں بلبل نہیں ہوں کہ نالہ کروں اور دردِ سر بنوں۔ بلکہ پروانہ ہوں کہ جل جاؤں اور دم نہ ماروں۔

نور جہاں نے جواب میں برجستہ یہ شعر پڑھا:۔

نور جہاں | پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جاں دہم شمعم کہ شب بسوزم و دم بر نیاورم

میں پروانہ نہیں ہوں کہ ایک شعلہ ہی پر جان دے دوں بلکہ میں تو شمع ہوں کہ رات بھر جلوں اور دم نہ ماروں۔

سبحان اللہ! دونوں شعر کس قدر نفیس و پُرتاثیر ہیں۔ اور حفظِ مراتب کا خیال کس قدر بلیغ ہے۔ جہانگیر خود کو پروانہ ثابت کرتا ہے اور نورجہاں شمع۔ دونوں کی نازک خیالی قابلِ داد ہے۔

عشقِ صادق و محبتِ پاک کے سلسلہ میں امیر خسرو اور حسن دہلوی کا واقعہ بھی خوب ہے۔ یوں کہ حسن نہایت خوشرو جوان تھا۔ اور خسرو کو اس سے محبت تھی۔ دونوں خانِ شہید کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ خانِ موصوف نے اُن کی محبت کے واقعات سُنے اور لوگوں نے سُوءِ ظنی کی بنا پر شکایت کی تو شاہزادے موصوف نے حکم دے دیا کہ حسن، خسرو سے نہ ملے۔ مگر دونوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لہٰذا ایک روز اسی عدول حکمی کی بنا پر حسن کے ہاتھ پر کوڑے لگوائے گئے۔ حسن سزا پاکر سیدھا خسرو کے پاس پہنچا۔ شاہزادہ کو پرچہ لگا تو خسرو کو فوری روبرو بلاکر حال پوچھا۔ خسرو نے آستین سے ہاتھ نکالا اور کہا کہ :۔

گواہِ عاشقِ صادق در آستین باشد

عاشقِ صادق کا گواہ آستین میں ساتھ ہے!

خانِ شہید نے دیکھا کہ جہاں حسن کے کوڑے لگے تھے وہیں خسرو کے ہاتھ پر بھی کوڑے کے نشان موجود تھے لہٰذا حکمِ ممانعت منسوخ کر دیا گیا۔

اُردو کے کسی شاعر نے نورجہاں کے شعر کا ترجمہ خوب کیا ہے :۔

پروانہ میں نہیں ہوں جو دم بھر میں جل بجھوں ‌ ‌ ‌ ‌ گھلتا ہوں مثلِ شمع برابر تمام رات

لاانام

میر
آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم — اب ہوئے خاک انتہا یہ ہے

گلاب سنگھ مشتاق
بچتا نہیں ہے جو کہ ہو بیمار عشق کا — یارب کسی کو ہو نہ یہ آزار عشق کا

صغر گونڈوی
میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں — رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے

آختر تلہری
پائے صنم ہے اور جبینِ حرم نواز — رسم و رواجِ شہرِ محبت نہ پوچھئے

دو پنہیاریاں ایک کنویں پر پانی بھرنے آئیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ کنویں کے پارے کے پاس دو ہرن مرے پڑے ہیں مگر زخم کوئی نہیں ہے۔ البتہ اُن پتھروں میں سے جو کنویں کے پارے پر بیچ میں سے کھود کر برتن رکھنے کے لئے جما دیتے ہیں جن کو راجستھان کی زبان میں "تھانولا" کہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک میں تھوڑا سا پانی ہے۔ ایک نے دوسری سے سوال کیا۔

سوال

खड़ो न देखे पारधी, लगो न देखे बाण ।
मैं तोहि पूछो ए सखी, कैसे तजे प्राण ।।

لااعلم
کھڑو نہ دیکھے پارِدھی لگو نہ دیکھے بان — مَیں توہے پوچھوں اے سکھی کیسے تجے پران

نہ تو کوئی شکاری نظر آتا ہے نہ کوئی تیر لگتا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اے سکھی یہ کیسے مر گئے۔

اُس نے جواب دیا:—

جواب

जल थोड़ो नेहा घणो, लगे प्रीत के बाण ।
तू पी तू पी करत ही, दोनों तज गये प्राण ।

لالاعلم

جل تھوڑو نیہا گھنوں لگے پریت کے بان　　تو پی، تو پی کرت ہی دونوں تج گئے پران

تھالے میں پانی کم تھا اور دونوں میں محبت زیادہ تھی۔ اس لئے ایک دوسرے سے کہتا رہا "تو پی لے" یہاں تک کہ پیاس کی تاب نہ لاکر دونوں مرگئے۔

حسن دہلوی

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز و دم درکش　　حسن این قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

قلم توڑ ڈال۔ سیاہی پھینک دے۔ کاغذ کو جلادے اور دم بخود ہوجا۔ اے حسن! یہ عشق کا معاملہ ہے دفتر میں نہیں سما سکتا۔

ظہوری

شد طبیبِ ما محبت منتش بر جانِ ما　　محنتِ ما راحتِ ما دردِ ما درمانِ ما

ہمارا طبیب محبت ہے جس کے احسان ہماری جان پر ہیں۔ ہماری محنت ہمارا آرام ہے اور ہمارا درد ہمارا علاج ہے۔

اقبال

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشہ دارد　　خراشد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

اگرچہ عشق کوئی ساز و سامان نہیں رکھتا لیکن ایسا تیشہ رکھتا ہے جو پہاڑ کا سینہ چیر ڈالتا ہے اور پرویز (خسرو پرویز) کے خون سے پاک رہتا ہے۔

طالب آملی نے بھی عشق کی تعریف خوب کی ہے۔ اُس کا مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ ہو۔ یہ جہانگیر کے اُن چار منتخبہ اشعار میں سے ہے جو اس نے طالب کو ملک الشعرا کا خطاب دیتے وقت انتخاب کئے تھے۔

طالب آملی

عشق در اول و آخر ہمہ وجد است و سماع　　ایں شرابیست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

عشق شروع سے آخر تک وجد و سماع ہے۔ یہ ایسی شراب ہے کہ جو پختہ بھی اچھی ہے اور خام بھی۔

شعر کی مکمل شرح کی گنجائش نہیں۔ البتہ اتنا ہی کہنا کم نہ ہوگا کہ عشق کو وجد و سماع کہہ کر

بڑی معنی آفرینی کی ہے۔ اور شرابِ پختہ و خام سے عشق حقیقی و مجازی بڑی خوبی سے مراد لیا ہے۔

اس سلسلہ میں اُردو کے بھی دو چار شعر ملاحظہ فرمائیے۔

میر — عشق ہے تازہ کار تازہ خیال — ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

ناسخ — عشق سے کس کے دل کو لاگ نہیں — کونسا گھر ہے جس میں آگ نہیں

میر — ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن — سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

شیفتہ — شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ — اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

ولہٗ — کرتی ہے زیرِ برقعِ فانوس تاک جھانک — پروانے سے ہے شمع مقرر لگی ہوئی

फूलति कली गुलाब की, सखी यह रूप लखैन ।
मनो बुलावति मधुप को, दे चुटकी की सैन ॥

متی رام — پھولتِ کلی گلاب کی سکھی یہ رُوپ لکھیں — منو بلاوتِ مدھوپ کو دے چٹکی کی سین

اے سہیلی ذرا دیکھ تو! گلاب کی کلی کھل رہی ہے۔ جو چٹکی کے اشارے سے بھونرے کو بلاتی ہے۔

کوی نے کیسے لطیف انداز میں۔ کلی کے چٹخنے کی آواز کو عاشق کے بلانے کا اشارہ قرار دیا ہے۔

لاأعلم — عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود — تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جب تک شمع نہیں جلتی پروانہ شیدا نہیں ہوتا

حیرت — عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد — اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کون عاشق ہوا کہ دوست نے اُس پر التفات نہ کیا۔ اے خواجہ درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے۔

ناز اپنے عشق پر کبو نکر نہ ہو مجھ کو تمیں ؎ جانتا ہوں میں کہ ہے عاشق نوازی خوے دوست — تمکین

وہ کہتے ہیں مسیحائی کو ہم تیار بیٹھے ہیں — یہ پوچھو کیا ابھی تک آپ کے بیمار بیٹھے ہیں — جلیل

کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا مرا مزاج — کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا — لاعلم

اول ہے ناز سلسلہ جنبان نیاز کا — یوسف گئے ہیں پہلے زلیخا کے خواب میں — انور

نعمت ملی ہے عشق کی اب اور کیا ملے — وہ چیز مل گئی ہے کہ جس سے خدا ملے — مائل

चार मिले चौसठ खिले, बीस रहे कर जोड़ ।
हरिजन से हरिजन मिले, हरषै सप्त करोड़ ॥

چار ملے چونسٹھ کھلے بیس رہے کر جوڑ — ہرجن سے ہرجن ملے ہرشے سپت کروڑ — لاعلم

چار ملے (دوستوں کی چار آنکھیں) چونسٹھ کھلے (دونوں کے دانت) بیس نے ہاتھ جوڑے (دونوں کی انگلیاں) انسان سے انسان ملتا ہے تو سات کروڑ (دونوں کے جسم کے بال) کو خوشی ہوتی ہے۔

کوی نے کس قدر خوبصورت انداز میں جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ یعنی دو دوست سے چار نظر ہوتے ہی دونوں کی باچھیں کھل گئیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور اُن کا رواں رواں خوش ہو گیا۔

خوشا وقتے و خرم روزگارے — کہ یارے بر خورد از وصل یارے — جامی

وہ کیسا عمدہ زمانہ اور وقت ہوتا ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی ملاقات سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں
خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں — امیر

मीन काट जल धोइये, खाये अधिक प्यास ।
तुलसी प्रीत सराहिये, मुये मित्र की आस ।।

تلسی داس | مِین کاٹ جل دھوئیے کھائے اَدھک پیاس تُلسی پریت سَرائیے مُوئیے مِتر کی آس

مچھلی کو کاٹ کر دھو ڈالئے مگر کھانے پر زیادہ پیاس لگے گی۔ یعنی مچھلی کو چونکہ پانی سے محبت ہے اسی لئے اُس میں رہتی ہے۔ مگر مرنے۔ کٹنے۔ دُھلنے۔ پکنے اور کھائے جا چکنے کے بعد بھی وہ اپنی محبت کے سبب سے پانی چاہتی ہے۔ اس لئے پیاس زیادہ لگتی ہے۔ لہٰذا اے تُلسی! اُس مُردہ دوست کی محبت کی تعریف اور آرزو کی توصیف کرنی چاہیئے۔

لا اعلم | ہلاکِ طرزِ آں بیگانہ خوئے آشنا رویم کہ با ایں بے وفائیہا وفادارست پنداری

میں اُس بیگانگی کی عادت رکھنے والے دوست کی طرز پر نثار ہوں کہ اس قدر بے وفائیوں کے باوجود وفادار ہے۔ سمجھے!

حافظ | بعدِ صد سال اگر بادِ تو بر خاک وزد سر بر آرد ز گِلم رقص کُناں عظمِ رمیم

سو سال بعد بھی اگر تیری (یاد کی) ہوا میری خاک پر چلے تو پاش پاش شدہ ہڈیاں (بھی) میری خاک سے رقص کرتی ہوئی نکل آئیں۔

غالب | وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

لا اعلم | خاک ہونے پہ بھی چھوٹا نہ تعلق اُن سے وہ جدھر جاتے ہیں دامن سے لگا جاتا ہوں

سودا | عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے!

میر | جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

ثاقب لکھنوی

نہ مطلب سننے والوں سے نہ پروائے رنگِ محفل کی
جہاں بیٹھے وہیں ہم نے کہانی چھیڑ دی اپنی

مرزا ثاقب نے اس شعر کی وجہِ تصنیف یہ بتائی ہے کہ ایک مجنوں عورت جہاں کھڑی ہوجاتی تھی دردناک اشعار پڑھنا شروع کردیتی کوئی سنے یا نہ سنے!

लाअलम

विद्या वनिता बेल नृप. यह नहीं जात गिनन्त ।
जो इनको संग्रह करे, ताही के लिपटन्त ॥

وِدّیا وَنتا بیل نرپ یہ نہیں جات گِنَنت
جو ان کو سنگرہ کرے تاہی کے لپٹنت

علم، عورت، بیل اور راجہ یہ لوگ ذات نہیں جانتے بلکہ جو ان کی گوں کا ہوتا ہے یہ اسی کے لپٹتے ہیں۔

ناصر علی

عشقِ عالم سوز را با کفر و ایماں کار نیست
گردنِ من در کمندِ سبحہ و زنّار نیست

عالم سوز عشق کو کفر و ایماں سے کوئی سروکار نہیں۔ میری گردن تسبیح و زنّار کے پھندے میں نہیں ہے

برہمن

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بہ کعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

میرا دل کفر سے ایسا آشنا ہے کہ اس کو کئی بار میں کعبہ لے گیا مگر برہمن ہی واپس لایا۔

لطیفہ

رائے چندربھان برہمن کو شاہزادہ داراشکوہ کی سفارش پر شہنشاہ شاہجہاں کے دربار میں شرفِ باریابی اور اپنا کلام سنانے کی عزت ملی۔ برہمن نے مندرجۂ صدر شعر پڑھا تو شہنشاہ کو ناگوار گذرا اس بنا پر کہ زیارتِ کعبہ بے تاثیر قرار پاتی ہے۔ نواب سعد اللہ خاں نے یہ رنگ دیکھا تو بادشاہ کی بدمزگی دور کرنے کی غرض سے عرض کیا "حضور! برہمن اگر زیارت کعبہ کے بعد بھی اپنے دل کو برہمن ہی لاتا ہے تو کیا تعجب ہے۔ سعدی کہہ گیا ہے نا:

سعدی

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود
چوں بیاید ہنوز خر باشد

عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا اگر مکہ شریف چلا جائے تو کیا ہو۔ واپسی پر بھی گدھا ہی رہے گا۔

اس طرح نواب نے بادشاہ کا تکدر رفع کیا۔ اور برہمن کو رسوائی سے بچالیا۔

میر | میر کے دین و مذہب کو تم پوچھتے کیا ہو اُن نے تو ——— قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

لا اعلم | کرتے نہیں ہم کافر و دیندار میں تفریق ——— اخلاص سے جو کوئی ملے ملتے ہیں اُس سے

آتش | دوئی دل سے نکلے تو ہو جائے ظاہر ——— کہ کعبہ ہے کس کا صنم خانہ کس کا

ایک کوی حسب ذیل ہستیوں کو کسی کا دوست نہ ہونا قرار دیتا ہے:۔

राजा किसका गोठिया, जोगी किसका मिन्त ।
वैसा किसकी इस्त्री, तीनों मिन्त के मिन्त ॥

لا اعلم | راجہ کس کا گوٹھیا، جوگی کس کا مِنت ——— بیسواں کس کی استری تینوں مِنت کو مِنت

راجہ کس کا یار اور جوگی کس کا دوست۔ طوائف کس کی بیوی۔ یہ تینوں نگرے ہیں کسی کے دوست نہیں ہوتے۔

فارسی کا شاعر دنیا میں محبت کے وجود ہی سے انکار کرتا ہے بلکہ آسمان تک پر اُس کی زد ہے۔

نعتی | در روزگار مہر نماندست با کسے ——— ترسم کہ آفتاب ہم از آسمان رود

دنیا میں تو کسی شخص میں مہر (محبت) ہے ہی نہیں (بلکہ) مجھے تو اندیشہ ہے کہ آسمان سے بھی آفتاب غائب نہ ہو جائے (اس لئے کہ آفتاب کو بھی مہر کہتے ہیں)۔

اس خیال کی تائید اردو کے شعراء بھی پُر زور طریق پر کرتے ہیں مثلاً:۔

ذوق | اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی اُلفت کا نام ——— اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہو

لا اعلم
نگاہِ غور سے ہم نے تماشائے جہاں دیکھا
کسی کو بھی نہ اپنا یار وقتِ امتحاں دیکھا

آتش
دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

مائل
کچھ ان کی خاک ہے اگلے زمانے کے مزاروں میں
محبت اب نہ اپنوں میں مروت اب نہ یاروں میں

مگر دوسرا کوی انہیں تینوں کی محبت مندرجۂ ذیل دوہے میں شاعرانہ انداز سے ثابت کرتا ہے لیکن واضح رہے کہ دونوں ہی دوہوں میں دعوے کے ساتھ دلیل نہیں!

राजा मर्जी गोटिया, जोगी सब का मित्त ।
तैसा धन की इस्त्री, तीनों मित्त सो मित्त ॥

لا اعلم
راجہ مرجی گوٹیا جوگی ست کا مِتّ
بیساں دھن کی استری تینوں مِتّ سو مِتّ

راجہ اپنے مزاج شناس کا دوست ہے۔ اور جوگی سچ کا۔ طوائف دولت کی۔ وجہ ہے اس طرح یہ تینوں ان تینوں کے دوست ہیں۔

فارسی شاعر ایسے دوستوں کی تصویر یوں کھینچتا ہے:۔

نعمت خان عالی
یارانِ زمانہ ہمچو دنداں باشند
یکچند بہم رفیق و یکجا باشند

زمانہ ساز دوست دانتوں کی مانند ہوتے ہیں۔ کچھ مدت آپس میں ساتھی اور ملے رہتے ہیں۔

بُردند چو فیضِ عمرے از پہلو ہم
خنداں خنداں ز ہم گریزاں باشند

ایک مدتِ عمر تک جب ہم نشینی کا فائدہ اٹھا چکتے ہیں تو ہنستے ہنستے الگ ہو جاتے ہیں۔

لا اعلم
فریبِ تربیتِ باغباں مخور اے گل
کہ آب می دہد اما گلاب می خواہد

اے پھول! باغبان کے پرورش کرنے کا دھوکہ نہ کھا (کیونکہ) وہ پانی دیتا ہے اور گلاب (تجھ سے) چاہتا ہے

ابدی | بہت تحقیق کی لیکن اگر پایا تو یہ پایا وجودِ دوستی کچھ ہے تو یاروں کی زباں تک ہے

जैसे फूल गुलाब का सूखे अधिक बसाय ।
तैसे प्रीति सुशील को दिन दिन पै अधिकाय ।।

لاعلم | جیسے پھول گلاب کا سوکھے ادھک بسائے تیسے پریت سوشیل کی دِن دِن پے ادھیکائے

جس طرح گلاب کے پھول کی خوشبو سوکھنے پر زیادہ (پائیدار) ہوتی ہے اسی طرح نیک شخص کی محبت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

لاعلم | اُلفتِ نیکاں شود مثلِ شراب کہنگیش نشہ را افزوں کند

نیکوں کی اُلفت شراب کی مانند ہے۔ جتنی پُرانی ہوگی اُس کا نشہ بڑھے گا۔

مؤلف | محبت نیک لوگوں کی عجب تاثیر رکھتی ہے وہی تاثیر کہتے ہیں جسے اکسیر رکھتی ہے

یک جان دو قالب

प्रीयतम हम तुम एक हैं, कहन सुनन के दोय ।
मन को मन से तोल लो, दो मन कबहु न होय ।।

لاعلم | پریتم ہم تم ایک ہیں کہن سُنن کے دوئے مَن کو مَن سے تول لو دو مَن کبھو نہ ہوئے

اے محبوب ہم اور تم ایک ہیں صرف کہنے سُننے کے لئے دو ہیں۔ جس طرح مَن کو مَن سے تو لو تو (ایک ہی من ہوگا۔) دو من نہیں ہوگا۔

کوی نے من کے لفظ سے خوب کام لیا ہے۔ بمعنی وزن' اور دل'۔ خسرو کہتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری
خسرو

میں تو ہو گیا ہوں اور تو میں۔ میں بدن بن گیا ہوں اور تو جان۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اور تو دو ہیں۔

خسرو کے اس شعر نے تاریخی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس طرح کہ اکبرِ اعظم کی حرم سرا میں نادرہ نامی ایک کنیز تھی۔ جس کو اکبر نے ایک بار انارکلی کہہ کر پکارا تھا۔ اس لئے اس کا یہی عرف مشہور ہو گیا۔ شاہزادہ سلیم کے اور اُس کے باہم محبت تھی۔ ایک روز محفلِ رقص و سرود میں شاہ و شہزادہ دونوں موجود تھے۔ انارکلی نے خسرو کی یہ غزل گانا شروع کی۔ اور جب مندرجہ صدر شعر پہ پہنچی تو دامنِ ضبط و احتیاط ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اکبر نے یہ منظر دیکھا اور معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ انارکلی معتوب ہوئی۔ سلیم کی کوشش بھی اس کو نجات نہ دلا سکی حتیٰ کہ انارکلی نے جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ اس واقعہ کو عرصہ گذر گیا۔ سلیم جہانگیر ہو گیا۔ واقعہ فراموش ہو چکا تھا۔ اتفاق سے جہانگیر نے ایک روز ہنگامِ گلگشت کلیوں سے لدے ہوئے ایک انار کے درخت کے نیچے ایک قبر دیکھ کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ انارکلی کی ہے۔ جہانگیر کی آنکھوں کے سامنے اُس کے معتوب ہونے کا منظر آ گیا۔ داروغہ عمارت کو حکم ملا اور ایک خوبصورت مقبرہ انارکلی کی قبر پہ تیار ہو گیا جو لاہور میں موجود ہے اور لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے:۔

"تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را آہ! گر یکبار بینم روئے یارِ خویش را
لااعلم

میں قیامت تک اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہوں۔ اگر ایک بار بھی اپنے دوست کی شکل دیکھ لوں۔ آہ!

لاہور کا مشہور بازار "انار کلی" اُسی کشتہ، حرماں نصیب سے نسبت رکھتا ہے۔

عالمگیر باوجودیکہ زمانۂ شاہزادگی میں بھی زاہدِ خشک تھا تاہم سینے میں دلِ درد آشنا رکھتا تھا اُس کی ایک حرم کا انتقال ہوگیا جس سے اُس کو محبت تھی۔ حرم کی وفات کے چند یوم بعد عالمگیر برائے شکار نکلا۔ نواب عاقل خاں ساتھ تھا۔ وہی عاقل خاں جس کی نسبت زیب النساء کا یہ شعر مشہور ہے:۔

مخفی

شنیدم ترکِ خدمت کرد عاقل خان بنادانی　　چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

میں نے سُنا کہ عاقل خاں نے نادانی کی بنا پر ملازمتِ شاہی چھوڑ دی۔ عقلمند ایسا کام کیوں کرے کہ پھر شرمندگی اُٹھانی پڑے۔

عاقل خاں نے عالمگیر سے پوچھا کہ اس صدمے کی حالت میں شکار میں کیا مصلحت ہے تو اُس نے یہ شعر پڑھا۔

عالمگیر

نالہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست　　در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

گھر کے نالے، دل کو تسکین نہیں دیتے اس لئے جنگل میں ہی خاطر خواہ فریاد کی جا سکتی ہے۔

عاقل خاں نے جواب میں یہ شعر پڑھا تو عالمگیر پر رقت طاری ہوگئی۔

عاقل خاں رازی

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود　　ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

عشق کس قدر آسان معلوم ہوتا تھا مگر کس درجہ دشوار نکلا۔ ہجر کس قدر دشوار تھا مگر دوست نے کس آسانی سے اختیار کر لیا۔ عالمگیر کی جب طبیعت ٹھکانے ہوئی تو دریافت کیا کہ کس کا شعر ہے۔

عاقل خاں نے اپنا ظاہر کیا تو اُس نے کئی بار پڑھوایا اور چہار ہزاری منصب پر اُس کو سرفراز فرمایا۔

الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بیقرار　　دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی　　آمیر مینائی

میں پریشاں ہوں تو وہ ہیں بے قرار　　میری اُن کی ایک حالت ہو گئی　　لائق

اتنا تو کاش رنگ ہے اتحاد کا　　دیکھوں جو آپ کو تو نظر آئے تو مجھے　　جلیل

जब रहीम तन मन दियो, कियो हृदय में भौन ।
तासे दुख सुख कहन की रही कथा अब कौन ॥

جب رحیم تن من دیو، کیو ہردے بیچ بھون　　تاسے دکھ سکھ کہن کی رہی کتھا اب کون　　رحیم

اے رحیم جس کو تن من سب دے دیا اور اپنے خانۂ دل میں آباد کر لیا۔ پھر اُس سے دکھ سکھ کہنے کی کون سی بات رہ گئی وہ سب کچھ خود جانتا ہے۔

اے زاہدِ ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی　　او در من و من در وے چوں گل بگلاب اندر　　نصیر چراغ دہلی

اے ظاہر کو دیکھنے والے زاہد تو قرب کی بات کیا پوچھتا ہے۔ وہ مجھ میں اور میں اُس میں اسی طرح ہیں جیسے گلاب میں خوشبو

رازِ دلِ عشاق عیاں است و عیاں نیست　　چوں بوئے کہ در غنچہ نہاں است و نہاں نیست　　ضائع بگرامی

عاشقوں کے دل کا بھید ظاہر بھی ہے اور نہیں بھی۔ جس طرح کلی میں خوشبو پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔

وہ خود ہی جانتے ہیں کہ یہ بادہ خوار ہے　　ناسخ کہیں تو ساقیِ کوثر سے کیا کہیں　　ناسخ

مری تسکین کو ڈالا ہے پردہ بے نیازی کا　　طریقہ سیکھ لے تم سے کوئی دشمن نوازی کا　　مبین

میرے کہے سنے کو تو کب مانتے ہیں آپ　　لیکن تمام حال مرا جانتے ہیں آپ　　مولف

निरमल मूरति पीउ की, मो घट रही समाय ।
ज्यों मेंहदी के पात में, लाली लखी न जाय ।।

لااعلم — نرمل صورت پیو کی مو گھٹ رہی سمائے — جیوں مہندی کے پات میں لالی لکھی نہ جائے

دوست کی پاکیزہ صورت میرے دل میں سمائی ہوئی ہے جو اسی طرح کسی کو نظر نہیں آتی جس طرح مہندی کی پتیوں میں سرخی نظر نہیں آتی۔

برہمن — در سینۂ خود رازِ غمِ عشق برہمن — چوں غنچہ بصد پردہ نہفتیم و نگفتیم

اے برہمن! ہم نے اپنے سینے میں عشق کے غم کا بھید کلی کی طرح سَو پردوں میں چھپا رکھا ہے اور نہیں کہتے۔

لااعلم — راز توئی صنم توئی جسم توئی و جاں توئی — کالبدم چو آئینہ جلوہ نما دراں توئی

تو ہی راز ہے تو ہی صنم ہے تو ہی جسم ہے اور تو ہی جان۔ میرا بدن مثل آئینہ کے ہے جس میں تو ہی جلوہ نما ہے

شاد — دل میں سما رہے ہو کہتے نہیں نظر ہو — جاں سے قریب تر ہو آنکھوں سے دور تر ہو

حسرت — دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا — شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

ایک بار شیخ راسخ میر سے ملنے گئے اطلاع کرائی تو جواب آیا "میاں! کیوں ستانے آئے ہو۔" شیخ نے کوئلے سے ٹھیکری پر یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔

راسخ — خاک ہوں پر توتیا ہوں چشمِ مہر و ماہ کا — آنکھ والا رُتبہ سمجھے مجھ غبارِ راہ کا

شعر کی تاثیر کا اندازہ فرمایئے کہ میر جیسا مغرور و بددماغ اور خوددار شخص یہ شعر دیکھتے ہی فوراً باہر نکل آیا۔ معانقہ کیا، مزاج پوچھا اور وجہ آمد معلوم کی۔ دراصل مضمون نو فی الحقیقت مرتبۂ انسانی کی ترجمانی بڑی خوبی سے کی ہے۔

द्रग उलझत टूटत कुटम्ब जुरत चतुर संग प्रीत ।
पड़त गाँठ दुर्जन हिए, दई नई यह रीत ॥

درگ اُلجھت ٹُوٹت کُٹمب جُرت چتُر سنگ پریت

آنکھ لڑتی ہے خاندان چھوٹتا ہے (تب) سلیقہ مند (مراد معشوق) سے رشتہ جُڑتا ہے۔

پڑت گانٹھ دُرجن ہیئے، دئی! نئی یہ ریت! بہاری

دشمن کے دل میں گرہ پڑتی ہے۔ اے خدا یہ عجب رسم ہے

اس دوہے میں صنعتِ تضاد بھی خوب ہے۔ اُلجھنا، گانٹھ پڑنا، ٹوٹنا اور جُڑنا۔

چشم دید و دل تپید و اقربا بیگانہ اند   دشمناں آزار کوشاں یار را چوں یافتم   لا اعلم

آنکھ نے دیکھا۔ دل تڑپا۔ رشتہ دار بیگانہ ہیں۔ دشمن آزار کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ مجھے دوست مل گیا۔

ما نقدِ عمر صرفِ رہِ یار کردہ ایم   کارے کہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم   لا اعلم

ہم نے اپنی عمر کا سرمایہ دوست کی راہ میں صرف کر دیا۔ بس یہی ایک کام کا کام کیا ہے۔

دل ملا، آنکھ لڑی، ہم پہ قیامت ٹوٹی   آپ سے جب سے ملے ساری خدائی چھوٹی   لا اعلم

لاکھ نازک ہو رشتۂ اُلفت   ٹوٹتا ہے یہ تار مشکل سے   جلیل

रहिमन धागा प्रेम का, मत तोड़ो झटकाय ।
तोड़े से फिर न जुड़े, बीच गाँठ पड़ जाय ॥

رحیمن دھاگا پریم کا مت توڑو جھٹکائے   توڑے سے پھر نا جڑے بیچ گانٹھ پڑ جائے   خانخاناں

اے رحیمن! محبت کا دھاگا جھٹکا دے کر نہ توڑ۔ کیونکہ یہ پھر جڑتا نہیں (اور اگر جڑتا ہے تو بیچ میں گرہ پڑ جاتی ہے۔

لاادری | نباید رشتۂ اُلفت شکستن نشاید گرہ اندر دل نہادن

محبت کا رشتہ نہ توڑنا چاہیئے۔ اور دل میں گرہ نہ رکھنی چاہیئے۔

لاادری | توڑا نہ وفا کے سلسلے کو توبہ ہی پہ زور آزمایا

لاادری | دفعتاً ترکِ تعلق میں بھی رسوائی ہے اُلجھے دامن کو چھڑاتے نہیں جھٹکا دے کر

ناقابلِ اخفاء

खैर खून खाँसी खुशी, बैर प्रीति मधु पान ।
रहिमन दाबे न दबैं, जानत सकल जहान ।।

رحیم | کھیر، کھون، کھانسی، کھسی، بیر، پریت، مدھو پان
رحیمن دابے نا دبے جانت سکل جہان

خیر، خیرات، قتل، کھانسی، خوشی، عداوت، محبت اور شراب نوشی۔ رحیمن دبانے سے دب نہیں سکتی۔ سارا زمانہ واقف ہو جاتا ہے۔

کوی نے کھیر، کھون اور کھانسی وغیرہ متحد الصوت الفاظ استعمال کر کے دوہے میں ایک دلکش ترنّم بھی پیدا کر دیا۔ اور دنیا کی تقریباً ایسی سب ہی چیزیں ایک مصرع میں جمع کر دی ہیں جو چھپانے سے چھپ نہیں سکتیں۔

ترا صبا و مرا آبِ دیدہ شد غمّاز　وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند　حافظ

تیری چغلخور صبا ہوئی اور میرے آنسو۔ ورنہ عاشق و معشوق رازدار ہیں۔ یعنی ان دو کے سوا اور کوئی اُن کا بھید نہیں جان سکتا۔

درد اک لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز　چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا　حالی

ہائے رازِ زندگی اک دم میں افشا ہو گیا　میرا مرنا اُن کا آنا اک تماشا ہو گیا　محوی

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط　اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا　حالی

بڑی احتیاط طلب ہے یہ جو شرابِ ساغرِ دل میں ہے　جو چھلک گئی تو چھلک گئی جو بھری رہی تو بھری رہی　بینظیر

الٰہی بخش خاں معروف نے افشائے راز کا سبب اپنی مجبوری کو بڑی خوبی سے ظاہر کیا ہے اور پورا محاورہ بے ساختہ نظم کر دیا ہے۔

کہاں تک رازِ دل افشا نہ کرتا　مثل سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا　معروف

طنزِ لطیف

निस जागे आये बहुरि, कहाँ रहे नन्दलाल ।
क्यों न फबी गोपाल उर, बनि गुन मुक्ता माल ॥

نِس جاگے آئے بہُور کہاں رہے نندلال　کیوں نہ پھبی گوپال اُرِ بن گُن مُکتا مال　رائم

راجہ کنس کی کُبجا نامی ایک کبڑی لونڈی تھی جو موتیوں کی مالا پہنے رہتی تھی۔ سری کرشن مہاراج کو اُس سے محبت تھی اور وہ برہنہ بدن رہتے تھے۔ ایک دفعہ رات کو مہاراج موصوف غائب رہے

حسب تخیلِ شاعر اور صبح آئے تو اُن کے سینے پر موتیوں کے نشان واقعی تھے یا کوی کے تخیل نے پیدا کر دیئے تھے لہٰذا مجبور گوپی کہتی ہے کہ۔ رات کو جاگے اور صبح آئے ہو نند کے لال۔ یہ تو بتاؤ کہ یہ بغیر بِرے موتیوں کی مالا کہاں پہنی!۔

طنز کا کیسا باریک و تیز نشتر ہے کہ رگِ حمیت و غیرت میں نامعلوم طریق پر پیوست ہو جاتا ہے

خسرو　تو شبینہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب　　کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد

تو رات کا جاگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آج رات کس سے ہم آغوش تھا کہ ابھی تک تیری آنکھوں میں خمار کا اثر باقی ہے۔

شب بیداری کے باعث حضرتِ محبوب الٰہیؒ کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ انھیں پُر خمار و کیف بخش چشمانِ مبارک کو دیکھ کر خسرو نے یہ شعر کہا تھا۔

لطیفہ۔ ایک مجلس میں کسی قوال نے جہانگیر کے سامنے یہ شعر گایا تو وہ چیں بر جبیں ہوا۔ اس لئے کہ غیرتِ معشوق اس قسم کے الزام کی تاب نہیں لا سکتی اور آدابِ عشق ایسی اجازت نہیں دیتے۔ پھر جہانگیر جیسے حساس و رمز شناس اور ماہرِ نکاتِ شعر و سخن کی طبع نقاد کیسے برداشت کرتی۔ ملا نقشی نے جو حاضرِ بزم تھا توجیہ کی کہ "جہاں پناہ! ہندوستان میں عاشق عورت ہوتی ہے۔ خسرو نے اس شعر میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے" تب کہیں جہانگیر کے ماتھے کے بل گئے، اس واقعہ سے جہانگیر کی نازک طبعی کا اندازہ اور سخن سنجی کے ملکہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں آرا بیگم کے متعلق بھی ایک لطیفہ ملاحظہ فرمایئے:۔

لطیفہ۔ جہاں آرا بیگم ایک روز سیرِ باغ کو گئی۔ صیدی طہرانی اس تاک میں تھا کہ کسی طرح

جمالِ جہاں آرا کو دیکھے۔ وہ باغ میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ بیگم سیر کو آئی تو برقع ڈالے ہوئے تھی۔ جب اُس کے سامنے سے گذری تو صیدی نے یہ مطلع پڑھا:۔

صیدی
برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش تا نکہتِ گل بیختہ آید بد ماغش

چہرہ پر برقع ڈال کر بربنائے ناز وہ سیر باغ کو اس لئے جاتی ہے کہ نکہتِ گل بھی اُس کے دماغ میں چھن کر آئے۔

بیگم نے شعر سن کر حکم دیا کہ اِس شخص کو حاضر کیا جائے۔ صیدی جب محلسرا پر حاضر کیا گیا تو بیگم نے اُس سے یہ شعر کئی بار سنا اور پانچ ہزار روپیہ انعام دیکر حکم دیا کہ اس کو شہر بدر کردیا جائے۔

اُردو میں اِس شعر کا ترجمہ ہوا مگر یہ بات کہاں شعر کی جان "ناز" ہی غائب ہو گیا۔

میر افضل حسین ثاقب لکھنوی
نقاب ڈال کے رُخ پر وہ باغ میں آئے کہ چھن کے نکہتِ گل بھی دماغ میں آئے

انشا
نزاکت اُس گلِ رعنا کی کیا کہوں انشا نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

اب مضمون مندرجہ دوہا کی بابت اُردو شعر سنئے:۔

شیفتہ
آشفتہ زلف، چاک قبا، نیم باز چشم ہیں صحبتِ شبانہ کے ظاہر نشاں ہنوز

لا اعلم
کہیں تو جاگے ہیں، پورا پتہ ہے آنکھوں سے حضور آئینہ دیکھیں خمار باقی ہے

داغ
چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے گرے ہوتے اُلجھ کر آستاں سے

انور دہلوی
نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

احسان دانش
یہ اُڑی اُڑی سی رنگت یہ کھلے کھلے سے گیسو
تری صبح کہہ رہی ہے تری رات کا فسانہ

درسِ محبّت

पोथी पढ़ पढ़ जग मुआ, पंडित भया न कोय।
ढाई अक्षर प्रेम का, पढ़े सो पंडित होय।।

کبیر　پوتھی پڑھ پڑھ جگ مُوا پنڈت بھیا نہ کو　ڈھائی اکشر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

کتابیں پڑھتے پڑھتے زمانہ مرا جاتا ہے۔ مگر عالم باعمل کوئی نہیں ہوتا۔ محبت کے ڈھائی حرف پڑھے تو عالم وفاضل ہے۔ ڈھائی حرف کی بلاغت کا اندازہ کیجئے۔ پریم میں پورا ر نہیں لکھا جاتا۔

حافظ　ما قصّۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

ہم نے سکندر و دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے۔ ہم سے مہر و وفا کے سوا کچھ بات نہ کر۔

ولہٗ　حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو　کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

مُطرب و مے کی بات کر اور حقیقتِ زمانہ کے درپے نہ ہو کہ اس مشکل مسئلہ کو عقل و حکمت کے بل بوتے پر نہ کوئی حل کر سکا۔ نہ کر سکے گا۔

لاعلم　عشق کا عین کبھی پورا سا نہ پڑھنے پائے　شرحِ قدرت علما پوچھنے ہم سے آئے

منزلِ عشق

जहाँ बाज बासा करे, पंक्षी रहे न कोय।
तहां प्रेम गुन जब भया, फिर विकल्प नहीं होय।।

کبیر

جہاں باج باسا کرے پنچھی رہے نہ کوئے نہاں پریم گن جب بسیا پھر کلپ نہیں ہوئے

جہاں باز بستا ہے وہاں کوئی پرندہ نہیں رہتا۔ اسی طرح جس دل میں عشق پیدا ہو جاتا ہے پھر اور کوئی خیال نہیں آسکتا

جامی

مشغولیِ عشق داد جامی از شغلِ جہاں فراغ ما را

عشق کی مشغولیت نے اے جامی دنیا کے تمام اشغال سے ہمیں نجات دے دی۔ یعنی اس شہباز کے آگے

کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا۔

میر اثر دہلوی

کیا سے کیا کر دیا محبت نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

जब लग मरने से डरे, तब लग प्रेमी नाहिं ।
बड़ी दूर है प्रेम घर, समझ लियो मन माहिं ।।

کبیر

جب لگ مرنے سے ڈرے تب لگ پریمی ناہیہ بڑی دور ہے پریم گھر سمجھ لیو من ماہیہ

جب تک موت کا خوف ہے تب تک عشق نہیں ہے۔ منزلِ عشق بہت دور ہے دل میں اچھی طرح سمجھ لیا

حافظ

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ہاں اے ساقی ساغرِ شراب کو گردش میں لا اور عنایت کر کیونکہ عشق اول آسان معلوم ہوتا تھا مگر

بڑی مشکلات درپیش ہیں۔

قتیل

دو عالم باختن نیرنگِ عشق است شہادت ابتدائے جنگِ عشق است

دونوں جہان ہار جانا عشق میں ادنیٰ کرشمہ ہے۔ عشق میں جنگ کی ابتدا شہادت سے ہوتی ہے۔

میر

دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا موت کا نام پیار کا ہے عشق

آزردہ دہلوی

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ریاض — نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا / مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

احمد علی شوق — کچھ کھیل نہیں ہے عشق کی لاگ / پانی نہ سمجھ یہ آگ ہے آگ

ریاض — ہر قدم پر موت کا مجھ کو پسینہ آ گیا / عشق میں مرنا تو کیا مر مر کے جینا آ گیا

مائل — میں ہی بھولا جو دل لگانا تھا / جان پر پہلے کھیل جانا تھا

بازارِ محبّت

भौं डाड़ी कांटा तिलक, पल पट पुतली बाट।
मूरत तोलत नेह की, नेह नगर के हाट।।

لااعلم — بھوں ڈانڈی، کانٹا تلک، پل پٹ پتلی باٹ / مورت تولت نیہ کی نیہ نگر کے ہاٹ

بھنویں ڈنڈی ہیں تلک کانٹا ہے۔ پلکیں پلڑے ہیں۔ پتلیاں باٹ ہیں۔ محبت کی مورت شہرِ الفت کے بازار میں جنسِ محبت تول رہی ہو۔

کلیم — بتکلم بخموشی بہ تبسم بہ نگاہ / می تواں برد بہر شیوہ دل آساں از من

گفتگو سے۔ خاموشی سے۔ مسکراہٹ سے اور نگاہ سے بغرض ہر ادا سے بآسانی میرا دل لیا جا سکتا ہے

لااعلم — آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے / ہم تمھارے تم ہمارے ہو گئے

ذوق — نہیں سیتہ ورکا ٹیکا عیاں محرابِ ابرو میں / چراغ اُس شمع رُو نے عین کعبہ میں جلایا ہے

امیر — ارے بانکے یہ تیری ابروئے خمدار کیسی ہے / پڑے ہیں سینکڑوں لاشیں یہ تلوار کیسی ہے

ولہٗ — یہ مجھ کو دیکھ کے پلکوں کو حکم ہوتا ہے / بچے جو تیغ سے تو برچھیوں پہ دھر لینا

دعویِٰ باطل

मन के भीतर हित नहीं, मुख से किया सनेह।
जल में ज्यों छाँही पड़े, सीतल होय न देह ॥

کبیر
مَن کے بھیتر ہِت نہیں مکھ سے کیا سنیہ　　جَل میں جوں چھایَیں پڑے سیتَل ہُوئے نہ دیہہ
دل میں محبت نہیں تو مُنھ سے کہنا فضول ہے۔ جس طرح پانی میں سایہ پڑنے سے بدن ٹھنڈا نہیں ہوتا

سلیم
لافِ نسب مزن کہ چو آئینہ در جہاں　　آدم نمی تواں شدن از روئے دیگراں
نسب پر فخر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ دوسروں کی صورت سے آئینہ آدمی نہیں بن سکتا۔

شاعر نے اپنا نازک خیال روشن دلیل سے خوب ثابت کیا ہے۔

صبا لکھنوی
اے زاہدِ ریائی دیکھی نماز تیری　　نیت اگر یہی ہے تو کیا ثواب ہوگا

लागी लागी सब कहें, लागी बुरी बलाय।
लागी उसकी जानिय, आर पार हो जाय ॥

لا اعلم
لاگی لاگی سب کہیں لاگی بُری بلائے　　لاگی اُس کو جانئے آر پار ہو جائے
عشق کی چوٹ لگ جانے کا تو سب ہی دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر وہ تو ایک بلا ہے۔ اُس کے چوٹ لگی ہوئی سمجھئے جس کے (تیرِ عشق) آر پار ہو جائے۔

سعدی
اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
اے صبح کے مرغ پروانہ سے عشق سیکھ۔ کہ وہ دل جلا جل گیا اور دم نہ مارا (تو فضول چیخے جاتا ہے)

سعدی | این مدعیان در طلبش بیخبرانند کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

یہ مدعی (ریاکار یا بلند گفتار) اُس کی طلب کے طریق سے بیخبر ہیں۔ جس کو اُس کی خبر ہوئی پھر اُس باخبر کی کسی کو خبر نہ ملی۔

لاعلم | کوئی اُس کو سمجھ بھی لے تو پھر ~~سکتا~~ نہیں سمجھا سکتا جو اس حد تک پہنچ جاتا ہے وہ خاموش رہتا ہے

گرنتھ پیار

बाँह छुड़ाए जात हो, निबल जान के मोहिं।
हिरदै सों जब जाइहो, मर्द बदौंगी तोहिं॥

سورداس | ہاتھ چھڑائے جات ہو نِبل جان کے موہہ ہردے سوں جب جائی ہو مرد بدونگی توہہ

اے شخص تو مجھے کمزور سمجھ کر اپنا بازو چھڑا کر جاتا ہے۔ میں تو تجھے اُس وقت مرد سمجھوں کہ جب تو میرے دل سے نکل سکے۔ یعنی نہیں نکل سکتا۔

یہ دوہا کہنے کی دو وجہ کہی جاتی ہیں:۔

(۱) یہ کہ سورداس نابینا تھے اس لئے اپنا کلام کسی اور شخص سے لکھوایا کرتے تھے۔ ایک بار ایک لڑکا اُن کے پاس آبیٹھا اور اُن کے دوہے اس طرح لکھنے لگا کہ وہ زبان سے کچھ نہ کہتے بات خیال ہی میں ہوتی کہ وہ لکھ لیتا۔ سورداس سمجھ گئے کہ یہ "چت چور" خود سری کرشن بھگوان ہیں۔ جن کے وہ مداح اور پجاری تھے۔ فوراً اُن کا ہاتھ پکڑ کے پکارنے لگے "پکڑ لیا ہے پکڑ لیا ہے" لڑکا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا تو یہ دوہا کہا۔

(۲) یہ کہ وہ کنویں میں گر گئے اور چھ دن اُس میں پڑے رہے۔ ساتویں دن خود سری کرشن بھگوان نے انھیں نکالا۔ اور انھوں نے نکالنے والے کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ چھڑا کر بھاگ گیا۔ اُس وقت یہ دوہا سورداس نے کہا۔ بہرحال نازک خیالی اور نُدرتِ اظہار میں کوئی شک نہیں۔ فارسی شاعر اس خیال کو یوں ادا کرتا ہے:-

لا اعلم
رفتی ز چشم و نقشِ تو از دل نمی رود　　از شیشہ گر گلاب رود بو نمی رود

تو آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ مگر دل سے تیری یاد نہیں جاتی۔ شیشے سے گلاب چلا جاتا ہے مگر بو نہیں جاتی

سراج لکھنوی
ہاں تم کو بھول جانے کی کوشش کریں گے ہم　　تم سے بھی ہو سکے تو نہ آنا خیال میں

ظفر
میں نے چاہا تھا اُس کو میں روک رکھوں مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کئے لاکھ فریب ہزار فسوں نہ رہا نہ رہا نہ رہا نہ رہا

لا اعلم
مانا کہ چلے آپ مرے گھر سے نکل کر　　جائیں گے کہاں اِس دلِ مضطر سے نکل کر

प्रियतम यह मत जानियो, तोहिं बिछुड़े मोहिं चैन ।
गीले बन की लाकड़ी, सुलगत हूं दिन रैन ।।

بیتم یہ مت جانیو توہے بچھڑت موہے چین　　گیلے بن کی لاکڑی سلگت ہوں دن رین

اے محبوب! یہ نہ جاننا کہ تیری جدائی میں مجھے قرار مل سکے گا؟ میں تو گیلی لکڑی کی طرح دن رات سلگتی ہوں

شادپور تہرانی
نمی گویم کہ از زندانِ ہجر آزاد کن مارا　　اگر جائے گرفتارے بہ بینی یاد کن مارا

میں یہ نہیں کہتا کہ ہجر کے قید خانے سے مجھے آزاد کر۔ البتہ اگر کہیں کوئی قیدی تو دیکھے تو مجھ بھی یعنی مجھ بدنصیب کو بھی یاد کر لینا۔

لاعلم — جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے — اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

آتش — نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں — لگا کے آگ مجھے قافلہ روانہ ہوا

ہجر و فراق

जो मैं ऐसा जानती, प्रीत किये दुख होय ।
नगर ढिढोरा फेरती प्रीत करो मत कोय ॥

میرابائی — جو میں ایسا جانتی پریتی کئے دکھ ہوے — نگر ڈھنڈورا پھیرتی پریتی کرو مت کوے

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ محبت کرنے سے تکلیف ہوتی ہے تو شہر میں منادی کر دیتی کہ کوئی محبت نہ کرے۔

لاعلم — اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را — بدل روشن نمی کردم چراغِ آشنائی را

اگر روزِ ازل ہی میں داغِ جدائی کا حال مجھے معلوم ہوتا تو میں دوستی کا چراغ ہی دل میں روشن نہ کرتا۔

داغِ جدائی کو چراغِ آشنائی کا بدل قرار دیا ہے اور روشن کرنے کا ذکر کرکے لطیف انداز سے ثابت کیا ہے کہ داغِ جدائی روشن ہے۔ علاوہ معنوی خوبی کے مطلع ذوالقافیتین بھی ہے۔

میر — مانگ پناہ خدا سے بندے دل لگنا اک آفت ہے — عشق نہ کر زنہار نہ کر واللہ نہ کر باللہ نہ کر

ولہ — سخت کافر تھا جن نے پہلے میر — مذہبِ عشق اختیار کیا

حفیظ جونپوری — ہوک اٹھتی ہے اگر ضبطِ فغاں کرتا ہوں — سانس رکتی ہے تو برچھی کی انی ہوتی ہے

اس غزل کا مطلع بہت خوب کہا ہے ملاحظہ فرمائیے:-

حفیظ جونپوری — بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے — ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

धान न भावै नींद न आवे, बिरह सतावे मोय।
घायल सी घूमत फिरूं, मेरा दर्द न जाने कोय॥

میرا بائی
دھان نہ بھاوے نیند نہ آوے برہ ستاوے موئے　　گھائل سی گھومت پھروں میرا درد نہ جانے کوئے

نہ کھانا اچھا لگتا ہے نہ نیند آتی ہے۔ مجھے فراق نے ستا رکھا ہے۔ میں بسمل کی طرح تڑپتی ہوں میرا درد کوئی نہیں جانتا۔

غنی
کباب آتشِ عشقم ندارم ہیچ دلسوزے　　کہ گرداند مرا ہر لحظہ پہلوئے بہ پہلوئے

میں آتشِ عشق پر کباب ہوں اور میرا کوئی دل سوز نہیں کہ لحظہ بہ لحظہ مجھے ایک طرف سے دوسری طرف بدلتا رہے

مخلص کاشی
در فراقِ تو چناں اے بتِ محبوب کنم　　صبرِ ایوبؑ کنم گریۂ یعقوبؑ کنم

اے محبوب تیرے فراق میں۔ صبر ایوبؑ کرتا ہوں اور گریۂ یعقوبؑ۔

مضمون
ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا　　صبرِ ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

ظاہر ہے مضمون کا شعر مخلص کے شعر کا ترجمہ ہے۔ اس شعر کے متعلق ایک لطیفہ ملاحظہ فرمایئے۔

لطیفہ ۔ مضمون کے ہاں کوئی صاحب مہمان آئے۔ چارپائی پر لیٹے آرام کر رہے تھے اور یہ شعر زبان پر تھا۔ ماما جو نئی نوکر ہوئی تھی حقہ بھر کر لائی اور مہمان کے سامنے رکھا۔ مگر یہ شعر اُن کی زبان سے سُنا تو بولی "الٰہی تیری امان! اس گھر پر تو آپ ہی پیغمبری وقت پڑ رہا ہے۔ بیچارے نوکروں پر کیا گزرے گی" "چلو بابا یہاں سے" اور چلتی بنی۔ "پیغمبری وقت" کا محاورہ خوب استعمال کیا ہے۔

حالی
آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے بجا رے　　اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں

امیر مینائی
کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں　　جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

امیر مینائی نے دوسرا مصرع یوں کہا تھا۔
جو جل جاتا ہے الخ۔ اسیر نے "جل اٹھتا" بنا کر حقِ اُستادی ادا کیا۔ جس سے شانِ بلاغت پیدا ہو گئی کیونکہ کباب کو جلنے سے بچانے ہی کو تو بدلا جاتا ہے۔ ورنہ جل جانے کے بعد بیکار ہے اصلاح ہو تو ایسی ہو۔

आह करू तो जग जले, औरजंगल भी जल जाय ।
पापी जियरा न जले, जा में आह समाय ।।

لاعلم
آہ کروں تو جگ جلے اور جنگل بھی جل جائے پاپی جیورا نا جلے جا میں آہ سمائے
آہ کروں تو بستی اور جنگل سب جل جائیں مگر یہ گنہگار دل نہیں جلتا جس میں آہ سماتی ہے۔

لاعلم
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد
میرے دل میں ایسا دردِ پُرسوز ہے کہ اگر میں کہوں تو زبان جل جائے اور اگر سانس کھینچوں تو اندیشہ ہے کہ ہڈیوں کا گودا جل جائے گا۔

لطیفہ۔ محمد شاہ بادشاہِ دہلی کی درباری مُطربہ نوربائی کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اس کی جادو نوائی کا دوسرا واقعہ سُنیئے۔ نادر شاہ۔ دہلی کے قتلِ عام سے دست کش ہوا جو نظام الملک کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس طرح کہ یہ سفید ریش نواب دست بستہ نادر کی خدمت میں سنہری مسجد پر حاضر ہوا جہاں وہ تیغ برہنہ در دست کھڑا تھا اور قتلِ عام ہو رہا تھا نواب نے حاضر ہو کر آدابِ شاہی ادا کیا اور نادر کے دریافت کرنے پر یہ شعر پڑھا۔

کسے نماند کہ اورا بہ تیغِ ناز کُشی مگر کہ زندہ کنی خلق برا و باز کُشی

کوئی بھی نہ رہا کہ جس کو تو تیغ ناز سے قتل کرے۔ مگر یہ کہ خلق کو زندہ کر کے دوبارہ مار ڈالے!
نادر شاہ متاثر ہوا اور فرمایا۔ "بریش سفید تو بخشیدم"۔ اُس کا تلوار کو نیام کرنا تھا کہ قتلِ عام بند ہو گیا۔ الغرض بعدِ مصالحت جب نادر شاہ کے اعزاز میں جشن شاہانہ منعقد ہوا اور نور بائی نے گانا گایا تو نادر پر حالتِ وجد طاری ہو گئی اور پکار اُٹھا "نور بائی روئے ہندوستاں سیاہ کن' بیا کہ ترا ایران ببریم"۔ نور بائی کی روح کانپ گئی کہ ایران پہنچ کر کیا ہوگا مگر اس نادر شاہی حکم سے رہائی کیونکر ہو۔ اُس نے اپنے حواس درست کئے اور بلحن و اندازِ خاص یہ غزل گانا شروع کی۔

من شمعِ جاں گدازم تو صبحِ دل کشائی — سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

میں شمعِ جاں گداز ہوں اور تو دل کشا صبح ہے۔ تجھے نہ دیکھوں تو میں جلتی ہوں یعنی تیری عدم موجودگی ہی میں میرا نور کارآمد ہوتا ہے۔ جس طرح صبح سے پہلے تک شمع کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب تیرا چہرہ نظر آتا ہے تو میں مر جاتی ہوں جس طرح صبح ہونے پر شمع بجھا دی جاتی ہے۔

نزدیک ایں چنینم دور آں چناں کہ گفتم — نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

اس قدر نزدیک ہوں اور اس درجہ دور جیسا کہ میں نے کہا۔ لہٰذا نہ وصل کی تاب ہے۔ نہ جدائی کی طاقت شاعر نے اجتماعِ ضدین کس خوبی سے ادا کیا ہے! نادر بہت خوش ہوا اور اپنا حکم منسوخ کیا اور انعام و اکرام سے مطربہ کو نوازا۔ تاثیرِ شعر اور سحرِ نغمہ اپنا کام کر گیا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ گلو خلاصی کے ساتھ انعام اور حاصل کیا۔ اسی طرح ایرانی مطربہ نے بھی اپنی مردم شناسی اور سخن سنجی کا اچھا مظاہرہ کیا تھا۔ یعنی ہمایوں نے شیر شاہ سے شکست کھائی تو ایران جا کر

دم لیا۔ شاہِ ایران نے تواضع میں کمی نہ کی۔ ایک بار محفلِ رقص و سرود منعقد ہوئی۔ دونوں شاہ شریک تھے مُغنّیہ نے غزل شروع کی اور شاہِ ایران کے سامنے کھڑے ہو کر یہ مطلع گایا۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد　　مبارک مملکت کاں ملک را شاہے چنیں باشد

وہ گھر کیسا مبارک ہے جس میں ایسا چاند ہو۔ اور وہ ملک کیسا مبارک ہے جس کا بادشاہ ایسا ہو۔

مجلس پھڑک اُٹھی۔ پھر آہستہ آہستہ ہمایوں کے سامنے پہنچی تو یہ شعر گایا:۔

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم　　کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

یعنی زمانے کے رنج و راحت سے نہ رنجیدہ ہو نہ خوش۔ اس لیے کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ کبھی ایسا اور کبھی ویسا ہوتا ہے۔

اہلِ ذوق و سخن فہم اصحاب مُغنّیہ کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے (گلہائے پریشاں) مگر مصنفِ "بزمِ تیموریہ" کا کہنا ہے کہ یہ اشعار ہرات میں خراسان کے مشہور قوال صابر قاق نے۔ سلطان محمود مرزا اور ہمایوں کے روبرو گائے تھے اور دوسرا شعر سُن کر ہمایوں کے بے اختیار آنسو نکل پڑے تھے۔ (بزمِ تیموریہ صف ۲۶)

اس سلسلہ میں تاثیرِ شعر کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے بعد دوہے سے متعلق اُردو کے شعر عرض ہوں گے۔

تاثیرِ شعر۔ ناصر بخاری حج کو جاتے ہوئے بغداد پہنچا تو خواجہ سلمان سے بھی ملنے گیا۔ وہ اُس وقت قلعۂ بغداد پر بیٹھا دجلہ کی طغیانی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ خواجہ نے ناصر سے پوچھا کون ہو تو ناصر نے کہا ایک مسافر ہوں۔ خواجہ نے امتحاناً یہ مصرع پڑھا تاکہ ناصر کے متعلق کچھ اندازہ کر سکے۔

دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست

ناصر نے فوری کہا:۔　　پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ ایست

خواجہ دنگ رہ گیا اور ناصر کو شرفِ مصاحبت عطا کیا۔

چاند خاں عطا

الٰہی سوزِ پنہاں کا بُرا ہو　　جلے جاتے ہیں میرے استخواں تک

بھڑک اُٹھے گی یہ آگ اک دن لگائی ہے جو دل وجگر میں

شہیدی

کہ اندر اندر سُلگ رہی ہے دبی ہوئی ہے بُجھی نہیں ہے

لاعلم

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے　　ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

हाड़ जले जस लाकड़ी, केस जले जस घास ।
वैसे प्यारे मैं जलू, लगी तुम्हारी आस ॥

کبیر

ہاڈ جلے جس لاکڑی کیس جلے جس گھاس　　ویسے پیارے میں جلوں لگی تمھاری آس

جیسے لکڑی جلتی ہے اس طرح میری ہڈیاں جلتی ہیں اور گھاس کی طرح بال. اے پیارے یہ حالت تمھارے فراق میں ہے

حمیدی

از ہجر گرچہ نیست بلاے بتر دلے　　بد تر ز ہجر از غم ہجراں نہ مردن است

اگرچہ ہجر سے بدتر کوئی بلا نہیں ہے۔ مگر ہجر میں نہ مرجانا اس سے بھی بدتر ہے

اکبر

دن رات کی یہ بےچینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے　　آثار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

देह सूख पिंजर भई, रक्त रहा न क्यों मास ।
खाली जियरा रह गया, वाकी नांहीं आस ॥

کبیر

دیھ سُوکھ پنجر بھئی رکت رہا نہ کیوں ماس　　خالی جیرا رہ گیا واکی ناہیں آس

بدن سوکھ کر ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ گوشت اور خون مفقود ہے۔ البتہ صرف جان رہ گئی ہے اسکی کبھی امید نہیں ہے۔

زیب النسا مخفی

بیا کہ بے تو ز سرمایۂ حیات مرا　　ز دیدہ ماند نگاہے و بر زباں سخنے

اے محبوب آجا کہ تیرے بغیر سرمایۂ حیات میں سے صرف آنکھ میں ایک نگاہ اور زبان پر ایک بات رہ گئی ہے

ناسخ | جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو — یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

विरह अगन तन में लगी, जरन लगी सब गात ।
नाड़ी छुवत वैद के, पड़े फफोले हाथ ।।

کبیر | برہ اگن تن میں لگی جرن لگی سب گات — ناڑی چھوُوت ویدکے پڑے پھپھولے ہات

جدائی کی آگ بدن میں ایسی لگی کہ سارا بدن ایسا تپنے لگا کہ نبض پر ہاتھ رکھنے سے طبیب کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے

نظیری | اگرچہ آتشِ دوری کہ می سوزد دل و جاں را — ہم اُو پرآبلہ کرد ست انگشتِ طبیباں را

دوریِ محبوب کی آگ سے میرا ہی دل و جان نہیں جلتا ہے۔ بلکہ اس نے طبیبوں کی انگلیوں پر بھی آبلے ڈال دیے ہیں

غالب | عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب — کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

داغ | عشق پر کچھ نہ چلا دیدۂ تر کا قابو — آگ جو اس نے لگا دی وہ بجھائی نہ گئی

अरे पपीहो बावरे. आधी रात मत कूक ।
धीरे धीरे सलगती काही देनी फूंक ।।

راہم | ارے پپیہا باورے آدھی رات مت کوک — دھیرے دھیرے سلگتی کا ہے دینی پھونک

اے پاگل پپیہے آدھی رات کو نہ کوک۔ تو آہستہ آہستہ سلگتی ہوئی کو پھونک دے کر کیوں بھڑکاتا ہے۔

یعنی مہجور کی آتشِ فراق کیوں تیز کرتا ہے۔ ایک کوی یوں کہتا ہے:۔

جو کوئی سن پائے برہ کی ماتی ڈارے گی پنکھ مروڑ

پپیہا پاپی۔ پیا کی بوری نہ بور ؎ ؎

شعرائے فارس نے بھی مضامینِ ہجر عجب عجب انداز سے باندھے ہیں' ان کے ہاں پپیہے کا

وجود نہیں۔ ہزار د بلبل ہیں۔ چنانچہ علی حزیں کہتے ہیں۔

گفتم بہ بلبلے کہ علاجِ فراق چیست ازشاخِ گل بخاک فتاد وطپید و مُرد — علی حزیں

میں نے بلبل سے فراق کا علاج پوچھا تو وہ شاخِ گل سے خاک پر گری۔ تڑپی اور مر گئی۔

کسی نے اس کا ترجمہ شعر ہی میں خوب کیا ہے۔

میں نے بلبل سے جو پوچھا دردِ ہجراں کا علاج شاخ سے گُل کی گری۔ تڑپی تڑپ کر مر گئی — لااعلم

در ہجرِ تو اے نگار، اندر نارم در نارہمی سوزم و دم بر نارم — شاہ نور الدین واقف

اے محبوب تیرے ہجر میں آگ میں جل رہا ہوں اور دم نہیں مارتا۔

جُز خارِ غم نرُست ز گلزارِ بخت ما آں ہم خلید در جگرِ لخت لخت ما — جمیلہ

ہمارے نصیبے کے گلزار میں خارِ غم کے سوا کچھ نہ اُگا۔ اور وہ بھی ہمارے جگر چاک چاک میں چُبھا۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں — آتش

جل رہا ہے دل مگر لب ہیں خموش عشق اس بیچارگی کا نام ہے — لااعلم

اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنا دے! — بہزاد لکھنوی

اک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے ہم راتوں اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے — میر

ہائے اس زخمیِ شمشیرِ محبت کا جگر درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو — درد

دل میں اک ہوک اُٹھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا — لااعلم

یہ بات ہم نے محبت کی آگ میں دیکھی
بھڑکتی جاتی ہے جتنی بجھائی جاتی ہے — صبا جے پوری

अरे पपीहा कल सरे, देत कटे पर नोन ।
पिउ मेरा मैं पीउ की, पीउ कहे सो कोन ।।

لاعلم | ارے پپیہا کَل سرے دیت کٹے پر نون | پیؤ میرا میں پیؤ کی پیہو کہے سو کون

اِس دوہے کا پہلا مصرع یوں بھی ملتا ہے :۔

چونچ تہاری کاٹ کرنا پر چھڑکوں نون ۔ اور نون کی جگہ لون بھی

اے کالے سر کے پپیہے تو زخم پر نمک پاشی کیوں کرتا ہے ۔ پیا میرا اور میں پیا کی (تو) پیہو کہنے والا کون !

سرمد | سرمد غمِ عشق بوالہوس را ندہند | سوزِ غمِ پروانہ مگس را ندہند

اے سرمد عشق کا غم ہوس کار کو نہیں دیتے ۔ پروانہ کا سوزِ غم مکھی کو نہیں دیا جاتا ۔

عمرے باید کہ یار آید بکنار | ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

ایک عمر چاہیے کہ دوست کا وصل نصیب ہو ۔ یہ دولتِ دائمی ہر شخص کو نہیں ملتی ۔

مخلص | در فضائے عشقِ جاناں بوالہوس را کار نیست | ہر سرے شائستۂ سنگ و سزائے دار نیست

عشق کی فضا میں بوالہوس کا کام نہیں ہے ۔ ہر سر پتھر اور سولی کے لائق نہیں ہوتا

لاعلم | ہمارے دل کے لئے ہے ہماری جاں کے لئے | تمہارا نام نہیں غیر کی زباں کے لئے

ریاض | دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں | رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

داغ | شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری | غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

कौन सुने कासों कहौं, सुरति बिसारी नाह ।
बदाबदी जिय लेत है, ये बदरा बदराह ।।

کون سُنے کا سوں کہوں سُرتی بِساری ناہ　　بدا بدی جیئے لیت ہے یہ بدرا! بدراہ!　　(بہاری)

حسینہ کا شوہر پردیس ہے۔ برسات کا موسم ہے گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے مجبور و بیقرار اور دردِ فراق سے ناچار ہو کر کہتی ہے کہ کون سُنتا ہے۔ میں کس سے کہوں اُنھوں نے تو مجھے بالکل ہی بھلا دیا۔ اور یہ بدراہ بادل مجھ سے شرط لگا لگا کر برستے ہیں۔ جس سے میری جان نکلی جاتی ہے (بدراہ لفظِ فارسی)

منکہ زخمِ خود نہاں از چشمِ سوزن داشتم　　کے بہر نامحرمے چاکِ جگر خواہم نمود　　(صائب)

ہر نامحرم کو میں چاکِ جگر کب دکھا سکتا ہوں جب سوئی کی آنکھ سے بھی اُس کو پوشیدہ رکھتا ہوں۔

تا چند بگویم کہ چساں ہست و چساں نیست　　پہلو بشگافید و ببینید جگر را　　(غالب)

پہلو چیر کر جگر دیکھ لو۔ میں کیا بتاؤں کہ کیسا ہے اور کیسا نہیں۔

یا قدرے فزوں ازیں تا نکند دوا طلب　　ایں دلِ چاک چاک را یا ز کرم دوا بکن　　(لا اعلم)

اس چاک چاک دل کا یا تو اپنے کرم سے کوئی چارہ کر ورنہ کچھ اور بڑھا دے تاکہ دوا ہی طلب کرے۔

کون سُنتا ہے فغانِ درویش　　قہرِ درویش بجانِ درویش　　(رر)

بیکسوں کی زندگی کا ذکر کیا　　بیکسی کی موت بھی اچھی نہیں　　(ریاض خیرآبادی)

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا　　دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا　　(میر)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی　　یارب اُسے لکھ دیجیو قسمت میں عدو کی　　(غالب)

चकवा चकवी दो जने, इन मत मारे कोय।
ये मारे करतार के, रैन बिछोहा होय॥

خسرو

چکوا چکوی دو جنے ان مت مارو کوئے　　یہ مارے کرتار کے رین بچھوہا ہوئے

چکوا چکوی کو کوئی نہ مارے کیونکہ یہ تو خود ہی قدرت کے مارے بڈارے ہیں۔ اس طرح کہ ہمیشہ رات کو علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔

سُرخاب کو چکوا چکوی کہتے ہیں اس کا جوڑا دن میں ہمیشہ ساتھ رہتا ہے۔ اور بہت چوکس اور ہوشیار پرندہ ہے۔ شکاری کی خبر آبی پرندوں کو سب سے پہلے یہی دیتا ہے۔ مگر رات کو قدرتی طور پر دوسرے پرندوں کے برخلاف جُدا جُدا رہتا ہے۔ نر پانی کے ایک کنارے پر ہوتا ہے تو مادہ دوسرے پر اور رات بھر ایک دوسرے کو پکارتا رہتا ہے۔ چکوا چکوی کا جوڑا بھی اسی طرح مشہور ہے جس طرح سارس کا۔ ان کے اسی فراقِ شبانہ سے متاثر ہو کر خسرو نے یہ دوہا کہا ہے۔

عشرتی

گہ گریہ وگہ خندہ وگہ آہِ جگر سوز　　اے عشرتی از وضعِ تو جاناں گلہ دارد

تو کبھی گریہ کبھی خندہ اور کبھی آہِ جگر سوز کرتا ہے۔ تیری اس وضع کا اے عشرتی یار کو شکوہ ہے

میر

ہنستا ہی میں رہوں جو مرا اختیار ہو　　پر کیا کروں میں دیدۂ بے اختیار کو

लकड़ी जल कोयला भई, और कोयला जल भयो राख ।
मैं पापन ऐसी जली, कोयला भई न राख ।।

لاعلم

لکڑی جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل بھیو راکھ　　میں پاپن ایسی جلی کوئلہ بھئی نہ راکھ

لکڑی جل کر کوئلہ ہو گئی اور کوئلہ جل کر راکھ ہو گیا۔ مگر میں گنہگار ایسی جلی کہ نہ کوئلہ ہوئی نہ راکھ۔

مظہر جانجاناں

سوزِ دل را از بنِ ہر مو نمایاں کردہ اند　　ایں جفا جویاں مرا سرو چراغاں کردہ اند

میرے سوزِ دل کو ہر رویں سے ظاہر کیا ہے۔ جفا پیشہ لوگوں نے مجھے سروِ چراغاں بنا دیا ہے۔

کیسا حال تمہارا ہے ہمیں بھی تو بتاؤ بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

جل رہا داغوں سے ہوں سر و چراغاں کی طرح سر سے لیکر پاؤں تک پاؤں سے سر تک ایک ساتھ

تصویر یاس

गोरी सोवे सेज पर, मुख पर डारे केस ।
चल खुसरो घर आपने, रैन भई चहु देस ॥

گوری سوئے سیج پر مُکھ پر ڈارے کیس چل کھُسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس

حضرت محبوب الٰہیؒ سے خسرو کو اس درجہ محبت تھی کہ محبوب الٰہیؒ کے محبوب بن گئے تھے۔ کسی مرید کو حضرت کی خدمت میں وہ قرب حاصل نہ تھا جو خسرو کو تھا۔ ۱۳۲۴ء میں جب حضرتؒ کا وصال ہوا تو خسرو نے یہ دوہا کہا۔ یعنی محبوب چہرے پر گیسو ڈالے خواب راحت میں ہے۔ دنیا میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا ہے خسرو اب تو بھی اپنے گھر چل۔ اس دوہے میں شاعرانہ شان کے ساتھ جو ایک خاص سوز و گداز ہے اس کو وجدان ہی محسوس کر سکتا ہے۔ اپنے گھر سے مراد عالم آخرت ہے۔ چنانچہ حضرت کے وصال کے چھ ماہ بعد ہی خسرو نے بھی عالم ارواح میں جاکر دم لیا۔

امیر خسرو کی حضرت محبوب الٰہی سے عقیدت و محبت کا حال اُن کے حسب ذیل اشعار سے واضح ہوگا۔ نہیں معلوم کافر گر جاہل ان اشعار پر کیا رائے قائم کریں گے جن کی نسبت سید نظیر حسن سخا دہلوی نے خوب کہا ہے:-

باطن نہ بنا سکے تو ظاہر ہی بنا مسجد نہ بنا سکے تو مندر ہی بنا

بیکار مباش کچھ کیا کر اے شیخ　　　مومن نہ بنا سکے تو کافر ہی بنا

بہرحال اشعار ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرتِ محبوب الٰہیؒ کی شان میں کہا ہے:۔

خسرو　چوں نظرِ رحمتش گشت یار　　　نیست مرا حاجتے آمرزگار

اُس کی مہربانی کی نظر جب مددگار ہو گئی تو مجھے آمرزگار کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) ایک بار حضرتِ محبوب الٰہی جمنا کے کنارے ایک کوٹھے پر تشریف فرما تھے اور ہندوؤں کے اشنان اور عبادت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ خسرو بھی حاضرِ خدمت تھے۔ حضرت نے یہ مصرع پڑھا:۔　　　ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

ہر قوم (مذہب) کے لئے ایک راہ ایک دین اور ایک قبلہ گاہ ہے

اُس وقت اُن کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی۔ خسرو نے اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے برجستہ دوسرا مصرع کہا:۔　　　من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

میں نے ایک کج کلاہ کی طرف قبلہ صحیح کر لیا ہے۔

جہانگیر "تزک" میں رقمطراز ہے کہ "میری مجلس میں قوالوں نے یہ شعر گایا۔ تو میں نے اس کا شانِ نزول پوچھا۔ ملا علی احمد نے واقعہ بیان کیا۔ مصرعِ دوم ختم ہوتے ہوتے ملا کی حالت متغیر شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ غش کھا کر گرا۔ دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی۔ اِنّا لِلّٰہِ الخ"

دوہے کے مضمون کو صائب نے اِس شعر میں ادا کیا ہے:۔

صائب　میانِ نور و ظلمت عالمے دارم نمی دانم　　　کہ شامم صبح یا صبحِ اُمیدم شام می گردد

نور و ظلمت کے درمیان میرے لئے ایک عالم ہے، نہیں معلوم کہ میری شام صبح ہے یا صبح اُمید شام ہو رہی ہے۔

قاآنی
چز ایں کہ محو کنم از دل آرزو ہا را　　نماندہ است مرا در دل آرزوے دگر

اس کے سوا میرے دل میں کوئی آرزو نہیں رہی کہ تمام امیدیں دل سے مٹا دوں۔

میر حسن
یاس ہی یاس گرد ہے دل کے　　اب کوئی اور آس پاس نہیں

شوقِ دید و ذوقِ وصال

कागा सब तन खाइयो, चुनि चुनि खाइयो मांस ।
दो नैना मत खाईयो, पिया दरस की आस ।।

میرا بائی
کاگا سب تن کھائیو، چن چن کھائیو ماس　　دو نیناں مت کھائیو پیا درس کی آس

اے کوّے سارا بدن کھا لیجیو اور چن چن کر گوشت کھائیو۔ صرف دو آنکھیں نہ کھانا جن سے پیا کے دید کی امید ہے

فروغ
چشمم منوّر است ز نورِ جمالِ او　　دارم مکانِ خویش بطورِ جمالِ او

میری آنکھیں اُس کے نورِ جمال سے منور ہیں۔ میں اپنا مکان اُس کے جمال کے طور پر رکھتا ہوں۔

جلال لکھنوی
مری آنکھیں تری صورت کو ترسیں　　گلہ ہے مجھ کو صورت آفریں سے

कागा नैन निकास दू, जो पिया पास ले जाय ।
पहले दरस दिखाय के, पाछे लीजो खाय ।।

لا اعلم
کاگا نین نکاس دوں جو پیا پاس لے جائے　　پہلے درس دکھائے کے پاچھے لیجو کھائے

اے کوّے تجھے آنکھیں نکال دوں اِن کو پیا کے پاس لے جا۔ پہلے دیدار دکھا دینا پھر کھا لینا۔

لائعلم | ز شوقِ دید بس مجبور گشتہ — فرستم چشمِ خود را نزدِ جاناں

شوقِ دید سے بے حد مجبور ہو کر میں نے اپنی آنکھیں ہی دوست کو بھیج دیں۔

ذوق | یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مُہر — آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی

لائعلم | حسرتِ دید لے گئی دونوں جگر کشاں کشاں — دن کو درِ رقیب پر رات کو کوئے یار میں

मिलन बुरो विछुड़न भलो, मिल विछुड़ो सब कोय।
विछड़े आशा मिलन की; मिले से विछड़न होय ॥

" | مِلن بُرو بچھڑن بھلو مِل بچھڑو سب کوئے — بچھڑے آشا مِلن کی مِلے سے بچھڑن ہوئے

ملنا بُرا اور بچھڑنا اچھا۔ خدا کرے سب مل کر بچھڑیں کیونکہ بچھڑنے سے ملنے کی اُمید ہے اور ملنے پر بچھڑنا ہوتا ہے

غالب | وداع و وصل زلذّت جدا جدا دارد — ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

رخصت ہونا اور ملنا جُدا جُدا لذّت رکھتا ہے۔ ہزار دفعہ رخصت ہو اور لاکھ بار آ۔

صافی | یہ گھڑیاں وصل کی کتنی بھی ہوں کچھ بھی نہیں صافی
وہ گھڑیاں خوب تھیں جو کٹ گئی ہیں انتظاروں میں

ولہٗ | کھلی ہوئی ہیں پسِ مرگ بھی تری آنکھیں — اے مرنے والے تجھے کس کا انتظار رہا

لائعلم | نزع کا وقت زباں بند نظر سوئے فلک — ہائے کس وقت وہ آئے ہیں کہ جی جاتا ہے

تنویر رامپوری | وصل میں ہجر کا غم ہجر میں ملنے کی اُمید — کون کہتا ہے جُدائی سے وصال اچھا ہے

مومن | تھی وصل میں بھی فکرِ جُدائی تمام رات — وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام رات

चातक चाहत स्वाति-जल, चकई चाहत भोर ।
वैसे हम तुम मिलन को, जैसे चन्द चकोर ॥

چاتک چاہت سواتی جل چکئی چاہت بھور ویسے ہم تم ملن کو جیسے چند چکور — لا اعلم

جس طرح پپیہا بارش کی پہلی بوند کے لئے بیقرار رہتا ہے اور چکوی صبح ہونے کے لئے۔ ویسے ہی اے محبوب میں تجھ سے ملنے کے لئے بیتاب ہوں۔ (بلکہ ایسا) جس طرح چکور چاند سے ملتا ہے۔

چکور چاند نکلنے کے انتظار میں مضطربانہ پھرتا رہتا ہے اور جب چاند نکل آتا ہے خاص کر چودھویں رات کا چاند تو اُس کی طرف اُڑتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ طاقت پرواز جواب دے دیتی ہے اور بیدم ہو کر گر پڑتا ہے۔

عزمِ دیدارِ تو دارد جان برلب آمده باز گردد یا برآید چیست فرمانِ شما — حافظ

جان لبوں پر آئی ہوئی ہے اور تیرے دیدار کا ارادہ رکھتی ہے۔ مرے یا بدن سے نکل جائے آپ کا کیا حکم ہے؟

شبم بہ گریہ و روزم بانتظار گذشت خوشم کہ روز و شبِ من بفکرِ یار گذشت — لا اعلم

میری رات رونے میں اور دن انتظار میں گذر گیا۔ میں خوش ہوں کہ دن رات یار کے خیال میں گذرے

دیدۂ انتظار را دامِ امید کرده ام اے قدمت بچشمِ من خانہ سفید کرده ام — بیدل

چشمِ انتظار کو اُمید کا جال بنائے ہوئے ہوں۔ آپ کے قدموں کے لئے آنکھوں کا فرش ہے اور گھر پر سفیدی کرائی ہے۔ (تشریف لائیے) "خانہ سفید کرده ام" سے ظاہر ہے کہ انتظار میں آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند اے دوست بیا رحم بہ تنہائیِ ما کن — حافظ

پروانہ، شمع، پھول اور بلبل سب جمع ہیں۔ اے دوست ہماری تنہائی پر رحم کر اور آجا۔

لااعلم
اے ابر بہار آج ذرا تھم کے برسنا — آجائے مرا یار تو پھر جم کے برسنا

عارف لکھنوی
وہ جلد آئیں گے یا دیر میں خدا جانے — میں گل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پر

لااعلم
تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار — اک قیامت اُن کا آنا ہو گیا

काल रात पिय यो कहयो, दिन को होए मिलाप ।
इस निस के दिन नहीं, येह कैसो है सनताप ।।

لااعلم
کال رات پی یو کہیو دن کو ہوئے ملاپ — اس نس کے دن نہیں یہ کیسو ہے سنتاپ

کل رات محبوب نے کہا کہ دن کو ملاقات ہوگی مگر اس رات کے بعد تو دن ہی نہیں، یہ کیسا عذاب ہے۔

〃
دوشم بوعدہ گفت کہ فرداست روزِ وصل — امشب عجب شبیست کہ فردا نمی شود

کل رات کو اُس نے وعدہ کیا کہ دن میں ملاقات ہوگی مگر یہ عجیب رات ہے کہ اس کے بعد دن ہی نہیں ہے

وحشی یزدی
دعاہائے سحر گویند می دارد اثر وحشی — اثر می دارد اما کے شبِ ہجراں سحر دارد

لوگ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت کی دعا اثر رکھتی ہے۔ اے وحشی۔ بیشک اثر تو رکھتی ہے مگر شبِ ہجر کے (بعد) سحر ہوتی ہی کب ہے۔

لااعلم
آج کس کو زیست کی اُمید ہے — آپ نے جو وعدۂ فردا کیا

〃
دل کیسے اُن کے وعدۂ فردا پہ شاد ہو
فردا کہیں تو اُس سے قیامت مُراد ہو

آمدِ محبوب

काग उड़ाने मैं चली, कि पी आगये अचक्क ।
आधी चुड़याँ काग गल, आधी गई करक्क ।।

لا اعلم
کاگ اُڑانے میں چلی کہ پی آگئے اچکک　　آدھی چوریاں کاگ گل آدھی گیئیں کرکک

ایک حسینہ کا شوہر عرصہ سے پردیس میں ہے۔ وہ ہجراں نصیب غمِ فراق میں گھُلتے گھُلتے لاغر ترین اور تپِ انتظار میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔ یکایک کوّا دیوار پر آکر بولتا ہے۔ مہجورہ شگون کے لئے اُس کو جاکر اُڑاتی ہے کہ "وہ آتے ہیں تو اُڑ جا" ہاتھ کا اشارہ کرتی ہے کہ ہاتھ کی آدھی چوڑیاں لاغری کے سبب سے کوّے کی گردن میں جا پڑتی ہیں۔ عین اُسی وقت خلافِ توقع شوہر آجاتا ہے تو خوشی سے اس قدر موٹی ہو جاتی ہے کہ آدھی چوڑیاں جو ہاتھ میں رہ گئی تھیں وہ موٹاپے کے سبب سے ہاتھ میں پھنس کر تڑق جاتی ہیں۔ کوی نے اتنا بڑا مضمون اِس دوہے میں ادا کیا ہے۔

لا اعلم
نمودِ روے تو گلہاے باغ راچہ کنم　　چو آفتاب برآمد چراغ راچہ کنم

تیرا چہرہ نظر آگیا۔ باغ کے پھولوں کا کیا کروں۔ جب آفتاب نکل آیا تو چراغ کی کیا ضرورت ہے۔

فغانی
مسیحا یار و خضرش رہنما و ہم عناں یوسف　　فغانی آفتابِ من بدیں اعجاز می آید

مسیحا دوست، خضر رہنما اور یوسف ہم عناں ہے۔ اے فغانی میرا آفتاب اس اعجاز سے آتا ہے۔

ایک بار یہ شعر شہنشاہ اکبر کے روبرو پڑھا گیا تو اُس نے "آفتاب" کو "شہسوار" سے بدل دیا، اصلاح حقیقتاً قابلِ داد ہے۔ "آفتاب" کے مقابلے میں "شہسوار" بہت جاندار لفظ ہے۔

امراؤ جان ادا — تم آ گئے تو از سرِ نو زندگی ہوئی ؛ باقی نہیں تھی جان مرے جسم زار میں

ذوق — میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا ؛ تم وقت پہ آ پہونچے، نہیں ہو ہی چکا تھا

सजन आवें ए सखी, तोड़ूँ नौसर हार ।
सब जाने मोती चुगें, झुक झुक करूँ जुहार ।।

لاعلم — ساجن آویں اے سکھی توڑوں نو سر ہار ؛ سب جانیں موتی چگے جُھک جُھک کروں جُہار

محبوب آئے تو اے سکھی نو لڑا ہار توڑ دوں تاکہ لوگ تو سمجھیں کہ موتی چگ رہی ہے اور میں اُس کے پاؤں پڑتا ہوں

فرد — لغزشِ مستانہ در رفتار و جامِ مے بدست ؛ رخصت اے تقویٰ کہ یار آمد بسامانِ دگر

رفتار میں لغزشِ مستانہ اور ہاتھ میں جامِ شراب۔ اے تقویٰ (اب) رخصت کہ یار دوسرے انداز سے آیا ہے

لاعلم — بڑی راہ دکھلائی حضرت سلامت ؛ بھلے سے حضور اب بھی تشریف لائے

〃 — مدِ نظر ہے خاطرِ مہماں نگاہ میں ؛ آنکھوں کا فرش میں نے بچھایا ہے راہ میں

عزمِ سفرِ یار

आज सखी हों सुनत हूँ, पो फाटत पी गौन ।
मो में हिय में होड़ है, पहले फाटे कौन ।।

بہاری — آج سکھی ہوں سُنت ہوں پو پھاٹت پی گون ؛ پو میں ہیئے میں ہوڑ ہے پہلے پھاٹے کون

اے سہیلی میں سنتی ہوں کہ آج پو پھٹتے پیا سدھاریں گے۔ پو میں اور دل میں مقابلہ ہے کہ دیکھیں پہلے کون پھٹے

لاعلم — می شنیدم یارِ من فردا رود راہِ شتاب ؛ یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

میں نے سنا ہے کہ یار کل سفر کو جا رہا ہے۔ اے پروردگار قیامت تک آفتاب نہ نکلے یعنی رات ہی رہے

اہلی شیرازی

چو یار رخت سفر بست من چہ کار کنم وداعِ عمر کنم یا وداعِ یار کنم

دوست تو سفر کو جا رہا ہے۔ میں کیا کروں۔ زندگی کو رخصت کروں یا دوست کو وداع کروں۔

غلام علی آزاد

خاطرِ آباد ویراں کرد و رفت : شہر را بر من بیاباں کرد و رفت

آباد دل کو ویران کیا اور چلا گیا۔ میرے لئے شہر کو ویران کر کے چلا گیا

شیفتہ

سحر اُن کا ارادہ ہے سفر کا قیامت آنے میں شب درمیاں ہے

غالب

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

सजन - सकारे जायँगे, नयन मरेंगे रोय ।
विधिना ऐसी रैन कर, कि भोर कभी ना होय ॥

لا اعلم

سجن سکارے جائیں گے نین مریں گے روئے بدھنا ایسی رین کر کہ بھور کبھو نہ ہوئے

صبح کو سجن جائیں گے اس لئے آنکھیں روتے روتے ختم ہو جائیں گی۔ پروردگار ایسا کر کہ دن ہی نہ نکلے

خسرو

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

ابر ہے باراں ہے۔ میں اور دوست وداع کے لئے کھڑے ہیں میں جدا روتا ہوں، ابر جدا اور یار جدا

لا اعلم

تم سے چھڑا رہا ہے زمانہ بہار میں کیا دخل ہے مشیّتِ پروردگار میں

مومن

بہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

आया आमा कामिनी, कहि बोलो प्रानेस ।
प्यारी कहत लजात नहिं, पावस चलत बिदेस ॥

بہاری

باما، بھاما، کامنی کہی بولو پرانیس   پیاری کہت لجات نہیں پاوس چلت پردیس

شوہر پردیس جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اور بیوی کو پیاری کہہ کر تسکین دے رہا ہے۔ اس پر بیوی جل کر کہتی ہے کہ "اے پران پیارے" تمھیں پیاری کہتے شرم نہیں آتی کیونکہ میں اگر تمھیں پیاری ہوتی تو تم اس برکھا رت میں پردیس کیوں سدھارتے۔ تم مجھے "باما" یعنی کم بخت کہو۔ "بھاما" یعنی لڑاکا کہو اور "کامنی" یعنی بدصورت کہو۔

لااعلم

تو عزم سفر کردی و رفتی ز بر من   بستی کمر خویش۔ شکستی کمر من

تو نے سفر کا ارادہ کیا اور میرے پاس سے چل دیا۔ تو نے اپنی کمر باندھی اور میری کمر توڑ دی۔

سعدی

می روی و گریہ می آید مرا   ساعتے بنشیں کہ باراں بگذرد

تو جاتا ہے اور مجھے رونا آتا ہے۔ ذرا بیٹھ کہ بارش تھم جائے

وقت رخصت تسلیاں دے کر   اور بھی تم نے بیقرار کیا

ناسخ

دل پر رہیں گی نقش یہ سب مہربانیاں تری   جانا اور اس طرح سے کہ مڑکر نہ دیکھنا

میر حسن

یہ کس کو خبر ہے اب کے بچھڑے   کیا جانئے اُس سے کب ملیں گے

خواجہ وزیر

تھام یوں دل کو ذرا ہاتھوں سے   ابھی پہلو سے نہ اُٹھ جائے گا

نامہ و پیام

कागज थोड़ा हित घना, सो अब लिखा न जाय ।
सिंधु मध्य जल बहुत है, गागर नहीं समाय ।।

کاگج تھوڑا ہِت گھنا سو اب لکھا نجائے   سندھ سمودھ ہے جل بہت ہو گاگر نہیں سمائے   لا اعلم

کاغذ کم ہے اور جوشِ محبت زیادہ ہے۔ پورا حالِ دل تحریر کر سکنا ممکن نہیں۔ جس طرح سمندر کا پانی ایک گھڑے میں سمانا محال ہے۔

یک دل و خیلِ آرزو دل بچہ مدعا نہم   تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم   راسخ

ایک دل ہے اور ہجومِ آرزو۔ کون سا مقصد بتاؤں تمام بدن داغدار ہے۔ پھایا کہاں کہاں لگاؤں۔

من مہجور در یک نامہ حالِ خود چساں گویم   کہ در صد نامہ نتواں داد شرحِ دردِ ہجرانش   لا اعلم

میں کشتۂ جدائی ایک خط میں اپنا حال کس طرح تحریر کروں۔ جب کہ سو خطوط میں بھی اس کے دردِ ہجر کی شرح نہیں ہو سکتی ہے۔

لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی   ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا   فانی

اعتبار آپ کو نہ آئے گا   کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال   شبلی

نامہ بر کچھ تو زبانی بھی تو کہنا اُن سے   میرا مطلب ہے بہت اور ہے تھوڑا کاغذ   لا اعلم

कागद भीजत नैन जल, कर कापति मसि लेत ।
पापी बिरहा मन बसे, मोय लिखन नहीं देत ।।

کاگد بھیجت نین جل کر کانپت مس لیت   پاپی برہا من بسے موئے لکھن نہیں دیت   لا اعلم

خط لکھتی ہوں تو آنسوؤں سے کاغذ بھیگ جاتا ہے۔ قلم اُٹھاتے وقت ہاتھ کانپتا ہے۔ بدنصیب جدائی ایسی دل نشیں ہوئی ہے کہ کسی طرح لکھنے نہیں دیتی۔

خامہ بشکستیم و لب بستیم از تعدادِ شوق   کیں نہ در تقریر می گنجد نہ در تحریرِ ما   لا اعلم

ہم نے قلم کو توڑ ڈالا اور لب بند کر لئے کیونکہ شوق کی زیادتی نہ تحریر میں سما سکتی ہے نہ تقریر سے ادا ہو سکتی ہے

لاادری | دست می لرزد دلِ من بے قرار　　سینہ سوزاں چوں نویسم نامۂ

میرا ہاتھ لرزتا ہے اور دل بے قرار ہے سینہ (مراد دل و جگر) جل رہا ہے پھر خط کس طرح لکھوں۔

ذوق | خط جو لکھنے لگے ہم یار کو لے کر کاغذ　　اس قدر روئے کہ اشکوں سے ہوا تر کاغذ

میر | حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر　　ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

اسی مضمون کو کبیر نے یوں ادا کیا ہے:۔

प्रियतम पाती प्रेम की, हमसे लिखी न जात ।
टपकि टपकि आँसुवा चुवत, अक्षर तक बिनसात ।।

کبیر | پریتم پاتی پریم کی ہم سے لکھی نہ جات　　ٹپک ٹپک انسوا چُووت اکشر تک بنسات

محبوب کو ہم سے اپنی محبت کا حال لکھا نہیں جاتا کیونکہ آنسو ٹپک ٹپک کر حرف تک بگاڑ دیتے ہیں۔

سعدی | نمی دانم حدیثِ نامہ چون است　　ہمیں بینم کہ عنوانش زخون است

یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں کہ خط میں کیا لکھا ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اس کا عنوان خون سے لکھا ہوا ہے

لاادری | دیکھوں تو کس طرح انہیں ہوتا اثر نہیں　　لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم

पीतम को पाती लिखूं, जो प्रिय भए विदेस ।
तन में मन में नैन में, ताको कौन संदेश ।।

پیتم کو پاتی لکھوں جو پریا بھئے بدیس　　تن میں من میں نین میں تاکو کون سندیس

دوست پردیس ہو تو اس کو خط لکھوں۔ وہ جب جسم و جان اور آنکھوں میں سما رہا ہے تو پھر پیغام کیسا

حدیث اشتیاقِ خویش وشرحِ روزگارِ خود — نمی گویم چرا گویم چو می دانم کہ می دانی (لاادری)

اپنے اشتیاق کی داستان اور اپنے حال کی شرح میں نہیں کہتا کیوں کہوں جبکہ میں جانتا ہوں کہ تو جانتا ہے

دلِ من لفظ یادِ تو معنی است — معنی از لفظ کے جدا باشد (//)

میرا دل لفظ ہے اور تیری یاد معنی ہے۔ معنی لفظ سے کب جدا ہوتے ہیں

نہ کہتے ہوئے اُن سے سب حال کہدے — میں ایسا کوئی نامہ بر چاہتا ہوں (//)

دل ہی میں نہیں رہتے آنکھوں میں بھی رہتے ہو — تم دور بھی رہتے ہو تو کچھ دور نہیں ہو (فانی)

اسی مضمون کو ایک اور کوی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

पाती उसको लिखत हैं, जो होवे कुछ दूर।
नैनन में तू नाचती, पाती कौन जरूर॥

پاتی اُس کو لکھت ہیں جو ہووے کچھ دور — نینن میں تو ناچتی پاتی کون جرور (لاادری)

خط تو اُس کو لکھتے ہیں جو کچھ دور ہو۔ جو آنکھوں میں بس رہا ہو اُس کو خط لکھنے کی کیا ضرورت ہے

حالے کہ مراست با تو گفتن نتواں — دل خود بر تست با تو تقریر کند (//)

میرا جو کچھ حال ہے تجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دل تیرے پاس موجود ہے خود ہی سب کچھ کہدیگا

احوال خود بدوست چہ محتاج گفتن است — بر شمع سوزشِ پرِ پروانہ روشن است (قتالی)

دوست سے اپنا حال کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ شمع پر پروانے کی سوزش بخوبی ظاہر ہے۔

نگاہوں میں تم ہو خیالوں میں تم ہو — لکھیں بھی تمھیں خط تو لکھیں پتہ کیا (لاادری)

خط کا لکھنا فضول ہے اُس کو، — خط پہنچتا نہیں کسی دل میں (//)

कर कांपत पतिया लिखत, जल भर आवत नैन ।
कोरो कागज हाथ है, मुख ही कहियो बैन ॥

لااعلم — کر کانپت پتیاں لکھت جل بھر آوت نین　کورو کاگج ہاتھ ہے مکھ ہی کہیو بین

خط لکھتے وقت ہاتھ کانپتا ہے۔ اور آنسو بھر آتے ہیں۔ لہذا اے قاصد سادہ کاغذ دے کر زبانی ہی حال کہہ دینا

حافظ — بادِ صبا چو بگذری بر سرِ کوئے آں پری　قصۂ حافظش بگو تازہ بتازہ نو بنو

اے بادِ صبا تو اگر اُس پری کے کوچے سے گذرے تو حافظ کا تازہ بتازہ حال اُس سے عرض کر دینا۔

لااعلم — اے صبا از حُسنِ آدابِ رسالت واقفی　عرض کُن وقتِ مناسب آنچہ دیدی حالِ ما

اے صبا تو تو آدابِ پیام رسانی سے واقف ہے تو نے جو کچھ ہمارا حال دیکھا ہے وقتِ مناسب پر عرض کر

امیر مینائی — قاصد اگر وہ پوچھیں تو کہہ دیجیو یہ حال　لب پر تو دم ہے آنکھ ہے در پر لگی ہوئی

کیفی قنارسی — تو دیکھ رہا ہے جو مرا حال ہے قاصد　مجھ کو یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

कागद पर लिखत बने नहीं, कहत संदेश लजात ।
कहहि सब तेरो हियो, मेरे हृदय की बात ॥

لااعلم — کاگد پر لکھت بنے نہیں کہت سندیس لجات　کہہ ہی سب تیرو ہیو میرے ہئے کی بات

کاغذ پر لکھا نہیں جاتا۔ اور پیغام کہتے شرم آتی ہے۔ میرے دل کی سب بات تیرا دل جانتا ہے۔

ملا جیجی — بہ تحریر آورد گر حالتِ بیتابیٔ دلہا　نویسد خامہ جائے مدِ بسم اللہ بسملہا

اگر دلوں کی بیتابی کا حال قلم لکھے تو مدِ بسم اللہ کی جگہ بسملہا لکھ جائے۔

طغرا — نالہ برآید از ورق گریہ کناں رود قلم　کاتب اگر رقم کند حالِ دلِ خراب را

ورق نالہ کرنے لگے اور قلم روتا ہوا بھاگ جائے۔ اگر کاتب میرے دل کا حالِ خراب تحریر کرے۔

لا اعلم | از برائے نامۂ ما قاصدے درکار نیست کاروانِ اشکِ ما منزل بمنزل می رود

ہمارے خط کے لئے قاصد کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے آنسوؤں کا قافلہ منزل بہ منزل چلا جاتا ہے

ملک | پتہ اُس بھولنے والے کا قاصد یہ مفصل ہے چھریرہ سا بدن ہے سانولی صورت ہے چنچل ہے

میر درد | یہی پیغام درد کا دینا گر صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا دن بہت انتظار میں گذرے

तर झुरसी ऊपर गिरी, कज्जल जल छिड़काय।
पिय पाती बिनही लिखी, बाँची विरह बलाय॥

لا اعلم | تر جھُرسی، اوپر گری، کجل جل چھڑکائے بیاپاتی بن ہی لکھی، بانچی برہ بلائے

نیچے سے جھلسی ہوئی اوپر سے گلی ہوئی۔ کاجل کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی۔ پیا نے بغیر لکھی ہی چٹھی پڑھ لی جدائی کا بڑی بلا ہے۔

" | شرحِ حالِ ما اسیران نیست غیر از پیچ و تاب می توان پیش از گشودن خواند مکتوب مرا

ہم اسیروں کے حال کی شرح پیچ و تاب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا خط کھولنے سے پہلے ہی پڑھا جا سکتا ہے۔

ظہوری | ظہوری نامہ را دادی بقاصد بحسرتہا درو پیچیدہ باشی

ظہوری تو نے خط قاصد کو دے دیا۔ تجھے مع اپنی حسرتوں کے اُس میں لپٹ جانا چاہئے تھا

صبحی | سوادِ دیدہ حل کردم نوشتم نامہ سوئے تو کہ در ہنگامِ خواندن چشمِ من افتد بروئے تو

آنکھ کی سیاہی حل کر کے اُس سے میں نے تجھے خط لکھا ہے تاکہ پڑھتے وقت میری آنکھ تجھ پر پڑے

جلیل — قاصد پیامِ شوق کو دینا بہت نہ طول — کہنا فقط یہ اُن سے کہ آنکھیں ترس گئیں

مومن — دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش — وہی خط اُس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

امین — قاصد سے نامہ لیکے پڑھا پڑھ کے رکھ لیا — پھر کہدیا کہ جا یہی کہہ دے جواب میں

पिय सों कहेउ संदेसवा, हे भौंरा हे काग ।
सो धनि बिरहे जरि मुई, जेहिक धुवाँ हम लाग ॥

ملک محمد جائسی — پی سوں کہیو سندیسوا ہے بھونرا ہے کاگ — سو دھن برہ جری موئی جیہک دھوؤں ہم لاگ

کوی بھونرے کو عاشق اور کوّے کو قاصد مانتے ہیں۔ ایک مہجورہ اپنے پی کو اُن کی معرفت پیغام بھیجتی ہے اور باوجودیکہ بھونرا خود عاشقانہ رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ مگر بدحواس مہجورہ اُس کو بھی قاصد ہی بنا لیتی ہے۔ اور دونوں کو سمجھاتی ہے کہ جاکر یہ کہنا کہ تمھارے ہجر کی ماری آخر جل کر خاک ہو گئی اور اُسی دھواں لگنے سے ہمارا یہ رنگ ہو گیا۔

صائب — ز رفتنِ تو من از عمر بے نصیب شدم — سفر تو کردی و من در وطن غریب شدم

اے محبوب تیرے چلے جانے سے میں عمر سے بے نصیب ہو گیا۔ یعنی مر گیا۔ تو نے سفر کیا اور میں وطن ہی میں بے وطن ہو گیا۔

فیضی — از من جدا شدی و گمانم چنیں نہ بود — اے نورِ دیدہ از تو مرا چشم ایں نہ بود

تو مجھ سے جدا ہو گیا حالانکہ یہ گمان نہ تھا۔ اے آنکھوں کے نور تجھ سے یہ توقع نہ تھی۔

والہ — اے نورِ دیدہ رفتی و بے نورِ دیدہ ماند — مژگان چو آشیانۂ مرغِ پریدہ ماند

اے آنکھوں کے نور تو چلا گیا اور آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ پلکیں اُڑ گئے ہوئے پرندے کے گھونسلہ کی طرح ہو گئیں

مصحفی
جو ملا اُس نے بے وفائی کی — کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا

ولہ
مت میرے رنگِ زرد کا چرچا کرو کہ یاں — رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا

غالب
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی! — مُطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

लाज छुटी गेहो छुटयो, सब सों छुटयो सनेह ।
भखि कहियो वा निठुर सों रही छूटवे देह ॥

لالا علم
لاج چھُٹی گیہو چھُوٹیو سب سے چھُٹیو سنیہہ — سکھی کہیو وا نٹھور سوں رہی چھُوٹبے دیہہ

شرم گئی۔ گھر چھوٹا۔ اور سب سے تعلقات ختم ہو گئے۔ اے سہیلی اُس بے درد سے کہنا کہ تیری محبت کے باعث اب صرف جان نکلنا باقی ہے۔

ظہوری
کردۂ انچہ تو با عاشقِ صادق جاناں — مرگ با جاں نکند کفر با یماں نکند

اے جاناں تو نے عاشق کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ ایسا سلوک تو موت جان کے ساتھ کرتی ہے نہ کفر ایمان کے ساتھ

غالب | بیخود بوقتِ ذبح طپیدن گناہِ من | دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہِ کیست

ذبح کے وقت بے خود ہو کر تڑپنا تو میرا قصور ہے۔ مگر خنجر کو دانستہ تیز نہ کرنا کس کا گناہ ہے

مرآت یزدی | غمِ عشقِ تو اے یارِ ستمگار | نمی دانی کہ با دلہا چہا کرد

اے یارِ ستمگر تیرے عشق کے غم نے کیا کچھ کیا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں ؟

سودا | جو مذکور اُس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا | تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہے اُسے آزار رونے کا

میر | جفا اُس کی نہ پہنچی انتہا کو | دریغا عمر نے کی بے وفائی

غالب | اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ | اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ذوق | یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں | واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

बरसत मेह गया अति, ऐन रही जल भोर ।
पथिक तउते गिरह ते, उठत मध्योरत, घोर ।।

بہاری | برست بیہہ اچھہ اتی اَین رہی جل بھور | پتھک تبوتے گرہ تے اُٹھت بھورن دھور

شوہر پردیس ہے۔ ہجر زدہ مصیبتِ فراق کے اظہار اور اپنی خانہ خرابی کی ترجمانی کے لئے کسی راہگیر کو تجویز کرتی ہے اور اُس سے کہتی ہے کہ " وہ" کہیں مل جائیں تو۔ تو اپنی جانب سے یہاں کی حالت اس طرح بیان کر دینا کہ ۔

وہاں ایسی بارش ہوئی ہے کہ تمام جگہ جل تھل ہے۔ مگر تمھارے دروازے پر خاک اُڑتی تھی جو میں نے بچشمِ خود دیکھی ہے ۔

بہاری نے اس دوہے میں ندرتِ بیان اور تاثیرِ کلام کی بجلیاں بھر دی ہیں ۔ مایوسی و مجبوری کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ ہزار رنگینیاں اُس کی سادگی پر نثار ہیں ۔

دیدہ دریا خانہ صحرا سینہ سوزاں دل طپاں ایں ہمیں حالِ فراق و یار را آگاہ کن آنفتی

آنکھیں دریا ہوگئی ہیں ۔ گھر جنگل بن گیا ہے سینہ جلتا ہے اور دل تڑپتا ہے ۔ یہ حال دیکھ اور میرے فراق سے دوست کو آگاہ کر ۔

گر تو می آری جوابے مزد تو جانم بود ورنہ اے قاصد نیابی برزبانِ من سخن 〃

اگر تو کوئی جواب لایا تو تیرا معاوضہ میری جان ہوگی ۔ ورنہ اے قاصد تو میری زبان بند پائے گا یعنی مجھے مُردہ

گل ہوں تو جگر چاک ہوں بُو ہوں تو پریشاں ہر رنگ میں اِک آفتِ غم دل سے لگی ہے تسلیم لکھنو

تجھ سے ملیں جو راہ رو میرا بھی اُن سے حال کہہ آتشِ غم سے ہوں تپاں بحرِ الم میں غرق ہوں لاعلم

دلچسپ خط و کتابت

تاریخی حیثیت سے بحث نہیں ، البتہ ادبی نوعیت سے مندرجۂ ذیل خط و کتابت کافی دلچسپ ہے اس لئے ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے ۔

شاہنشاہ عالمگیر کی فوج میں ہر قوم و ملت کے لوگ شامل تھے ۔ دکن کی مہم کو بارہ برس گذر گئے ۔ سپاہیوں کو گھر جانے کی رخصت نہ ملی تو کہتے ہیں کہ دلی کی کھترانیوں نے بطور درخواستِ رحم یہ دوہا شہنشاہ کی خدمت میں بھیجا ۔ تاکہ اُن کے شوہروں کو رخصت مل جائے بعض کا خیال ہے کہ درخواستی دوہے کسی خوشگو کوی کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے ۔ مثلاً کوی راج

گردھر البتہ بھیجے گئے کھترانیوں کی طرف سے تھے بہر حال ہیں خوب :-

दिल्ली शहर सुहावनो, बरसे कंचन नीर ।
सबके कत्थ बटोर के, ले गयो आलमगीर ।।

لااعلم — دلی شہر سہاؤنو۔ برسے کنچن نیر سب کے کتھ بٹور کے لے گیو عالم گیر

دلی بہت خوبصورت شہر ہے جہاں سونے کا مینھ برستا ہے۔ مگر عالمگیر سب کے شوہروں کو بٹور کر لے گیا۔

گو اس واقعہ یا افسانہ سے کوئی تعلق نہیں مگر فارسی و اردو کے یہ اشعار بھی تقریباً ہم مضمون ہیں ممکن ہے کسی نے ترجمہ کیا ہو۔ مگر ہمیں اس کا علم نہیں یہ ایک پرانی بیاض میں دستیاب ہوئے ہیں۔

لااعلم — شہر دہلی گشت از خوباں تہی نادرے کرد دست گویا نادری

شہر دہلی حسینوں سے خالی ہو گیا۔ شاید کسی نادر شاہ کی نادری چل گئی۔

چڑھ گئی مغرب کی شاید نادری چل گئی ہندوستاں میں نادری

یہ دوہا دربار میں پیش ہونے پر حسب ذیل جواب بھیجا گیا :-

बैठी रहो करार से, मन में राखो धीर ।
साहब से बिनती करो, जो बहुरें आलमगीर ।।

بیٹھی رہو قرار سے من میں راکھو دھیر صاحب سے بنتی کرو جو بہوریں عالمگیر

اطمینان سے بیٹھی رہو اور دل کو تسلی دیتی رہو۔ خدا سے دعا کرو کہ عالمگیر فتحیاب ہو کر لوٹیں۔

لااعلم — قرار گیر و دعائے بجن کہ عالمگیر رسد چو پادشہ فتحمند و عالم گیر

ذرا تسلی رکھو اور دعا کرو کہ فتح مند و عالمگیر بادشاہ کی طرح شہنشاہ عالمگیر لوٹ آئے۔

باطمینانِ خاطر یہ دعا کرتی رہو دل سے کہ بعدِ فتح عالم گیر جلدی لوٹ کر آئے
اس جواب سے مطمئن نہ ہو کر یہ دوہا پھر بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔

सोना लावन पिव गए, सूना करि गए देश।
सोना मिला न पिव मिले, रूपा हो गए केश ॥

سُونا لاون پیو گئے سُونا کر گئے دیس سُونا ملا نہ پیو ملے رُوپا ہو گئے کیس
(ہمارے شوہر) سُونا لانے کو گئے اور وطن کو سُونا کر گئے۔ مگر نہ سونا ملا نہ شوہر لوٹے۔ البتہ بال چاندی جیسے سفید ہو گئے۔

بہرِ زر بگذاشت یارم زرد رو زر ندیدم نقرہ گشتم مو بہ مو
سونے کے لئے دوست نے مجھے زرد رو چھوڑ دیا مگر سونا تو میں نے دیکھا بھی نہیں البتہ میں بالکل چاندی ہو گیا۔

طمع میں سونے کی گھر سونا ہوا بال نقرہ ہو گئے اور جسم پارہ ہو گیا
اس کا حسب ذیل جواب ملا۔

डाढ़ी हुती सो सन भई, आखें भई सरेश।
जैसे कन्था घर रहे वैसे रहे विदेश ॥

ڈاڑھی ہتی سُوسن بھی آنکھیں بھییں سریس جیسے کنتھا گھر رہے ویسے رہے بدیس
ڈاڑھی تو سن ہو گئی اور آنکھیں چیپڑ بھر بھر کر سریس بن گئیں اب وہ (کنتھا) چاہے گھر رہیں یا پردیس یکساں ہے

ریشہا با نور گشت و دیدہا بے نور شد الغرض الآن یکساں رنگِ قرب و دور شد

ڈاڑھیاں بانور یعنی سفید ہوگئیں اور آنکھیں بے نور۔ الغرض اب اُن کا نزدیک و دور رہنا یکساں ہے۔

لاعلم | ڈاڑھیاں سن ہوگئیں آنکھوں میں چیپڑ آگئے تکد ہیں، بیٹے کہاں باقی ہیں ان میں ولولے

اس تمام شاعری کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعد فتح دکن بھریوں کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر کے

اُن کی سابقہ خدمات کے صلے میں بطور انعام شہر دہلی کی دلّالی عطا کی گئی۔

اس ذیل میں دو مستند تاریخی واقعات میں ادبی نشان اور ملاحظہ فرمایئے:۔

(۱) "خان زماں" المتخلص بہ سلطان حاکم جونپور نے اکبر سے بغاوت کی جس کو فرو کرنے کی مہم میں اکبر خود شریک ہوا۔ خان زماں نے اُس کو سخت لہجہ میں یہ اشعار لکھ کر بھیجے:۔

سلطان | اے سدِ سکندرِ زمانہ درِ تو یاجوج بود سپاہیِ لشکرِ تو

اے وہ شخص کہ تیرا دروازہ زمانہ کے لئے سدِ سکندر ہے۔ اور تیرے لشکر کے سپاہی یاجوج ہیں

در دورِ تو آثارِ قیامت پیدا دجال توئی خواجہ امینا خرِ شد

تیرے زمانے میں قیامت کے آثار ظاہر ہیں۔ تو دجال ہے اور خواجہ امین (اکبر کا ایک امیر) تیرا گدھا ہے۔

اکبر نے اپنے حریف کو اسی انداز درشتی سے اسی زمین میں جواب دیا:۔

اے خانِ زماں کہ پُر بود لشکرِ تو شد دولتِ من باعثِ کرّ و فرِ تو

اے خان زماں تیرا لشکر بہت بڑا سہی (مگر) میری دولت تیرے کرّ و فر کا باعث ہے۔

کمتر باشم از خرِ دجال امروز فردا من اگر جدا نسازم سرِ تو

میں آج ہی اپنے کو دجال کے گدھے سے بھی کم درجہ سمجھوں گا اگر کل تیرا سر نہ اڑا دوں۔

خان زماں نے پھر لکھ بھیجا:۔

تا ہست اثرِ خالصہ در کشورِ تو مشکل کہ بمن جنگ کند لشکرِ تو

جب تک تیرے ملک میں خالصہ[1] کا اثر ہے۔ مشکل ہے کہ تیرا لشکر مجھ سے لڑ سکے۔

بگذر ز زر و سیم کہ تا نوکرِ تو از سر گذرد برائے سیم و زرِ تو

چاندی سونے کا خیال چھوڑ دے کیونکہ تیرا نوکر تیرے روپیہ پیسے کے بدلے اپنا سر نہیں دے سکتا۔

اکبر کا جواب تھا:۔

با آنکہ بود خاکِ درم افسرِ تو امروز بمن فرو نیاید سرِ تو

باوجودیکہ میرے دروازے کی خاک تیرا تاج ہے۔ (مگر) آج تیرا سر میرے آگے نہیں جھکتا!

از دولتِ من ہست ترا سیم و زری وز زورِ زر است قدرتِ لشکرِ تو

میری دولت کے باعث تجھے دولتمندی نصیب ہے اور روپیہ کے زور سے تیرے لشکر کو قدرت ہے۔

خان زمان شاہی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ بالآخر اس نے سپر ڈال دی اور معذرت پیش کی۔

اے شاہِ زماں منم کمیں نوکرِ تو وز ترس نمی توانم آمد برِ تو

اے زمانے کے بادشاہ میں تیرا ادنیٰ نوکر ہوں۔ اور خوف کی وجہ سے تیری خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

از دور تو قصدِ کشتنِ من داری نزدیک چساں توانم آمد برِ تو

تو دور ہی سے میرے قتل کا قصد رکھتا ہے۔ پھر تیرے نزدیک کیسے آ سکتا ہوں۔

اکبر نے معافی دے دی اور لکھا:۔

گفتی تو چو راستی، خدا یاورِ تو صد رحمتِ حق بر پدر و مادرِ تو

تو نے سچ بات کہہ دی۔ خدا تیرا مددگار ہو اور تیرے ماں باپ پر خدا کی سَو رحمت!

[1] وہ زمین جو کسی کی جاگیر نہ ہو بلکہ بادشاہ کے قبضہ میں ہو۔

تغیر مدہ تو سکہ و خطبہ من تا من نکنم آرزوئے کشور تو

تو میرا سکہ و خطبہ نہ بدل۔ تاکہ میں تیرے ملک کی خواہش نہ کروں۔

(۲) شاہ عباس صفوی فرمانروائے ایران نے اپنے سفیر کے ساتھ شہنشاہ اکبر کو قیمتی تحائف بھیجے اور خط بھی ارسال کیا۔ جس کے سرِ صفحہ یہ رباعی درج تھی:۔

زنگی بسپاہ و خیل و لشکر نازد رومی بسنان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بخزینۂ پُر از زر نازد عباس بذوالفقارِ حیدر نازد

حبشی مراد بادشاہِ حبش سپاہ۔ نوکر چاکر اور لشکر پر ناز کرتا ہے۔ شاہِ روم نیزے۔ تلوار اور خنجر پر فخر کرتا ہے۔ اکبر کو اپنے زر و نقد سے معمور خزانے پر گھمنڈ ہے۔ (مگر) عباس حیدرِ کرار کی ذوالفقار پر نازاں ہے۔

دربار میں یہ رباعی پڑھی گئی تو ہر شخص چونک پڑا۔ اکبر نے فیضی کی طرف دیکھا تو اُس نے فی البدیہ یہ رباعی کہہ کر سنائی۔ جس سے مسرت و افتخار کی لہر دربار میں دوڑ گئی۔

فردوس بسلسبیل و کوثر نازد دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد

عباسؓ بذوالفقارِ حیدرؑ نازد کونین بذاتِ پاکِ اکبر نازد

فردوس سلسبیل و کوثر پر۔ دریا موتی پر۔ آسمان ستاروں پر نازاں ہے (اور) عباس ذوالفقارِ حیدر پر۔ (مگر) ذاتِ پاکِ اکبر پہ دونوں جہان کو ناز ہے۔

چوتھا مصرع اس قدر بلند ہے کہ اس سے بلند ممکن نہیں۔ ذاتِ پاکِ اکبر میں صنعتِ ایہام سے وہ سحر کاریٔ شاعرانہ کی ہے کہ اس سے زیادہ تعریف کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

باب چہارم

۴۔ پیری و کرشمہائے قدرت

دقتِ نظر اور سعیِ بلیغ کی بدولت یہ ممکن ہے کہ صنفِ سخن کے موضوعات کا احصاء کر لیا جائے مگر ہر موضوع کے تحت عنوانات اور ہر عنوان کے ذیل میں تنوعِ تخیل، طرزِ ادا۔ ندرتِ ترکیب، تعینِ بحر، انتخابِ الفاظ اور ترتیبِ کلمات کی بنا پر اشعار کی تدوین ناممکنات سے ہے۔ لہذا پچھلے ابواب کی طرح۔ اس باب میں بھی مندرجۂ صدر موضوع کے سلسلہ میں چند دوہے اور اشعار درجِ ذیل ہیں:-

تقاضائے عمر

अहमद अब समता करो, बिछड़ गये सब साज।
कींकर भी काटो तजे, विरध भए के काज॥

مدعلی احمد تقی: احمد اب سمتا کرو بچھڑ گئے سب ساج — کیکر بھی کانٹو تجے وِردھ بھئے کے کاج

احمد اب سکون سے بیٹھ جا سب ساز و سامان رخصت ہوا۔ ببول جیسا درخت بھی پرانا ہونے پر کانٹے چھوڑ دیتا ہے یعنی اس میں بھی کانٹے نہیں آتے تو بھی بوڑھا ہوا لہٰذا اب جوانی کے خیالات بدل لے۔

حافظ: چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو — رندی و خراباتی در عہدِ شباب اولیٰ

اے حافظ جب تو بوڑھا ہو گیا تو شراب خانے سے نکل جا کیونکہ رندی و بدمستی جوانی ہی میں بہتر ہے۔

ذوق: وقتِ پیری شباب کی باتیں — ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

راسخ مرزا سودا کی خدمت میں شاگرد ہونے کو گئے۔ سودا نے کہا اپنا کوئی شعر سناؤ تو راسخ نے یہ شعر پڑھا۔

راسخ: ہوئے ہیں پیر اب ہم دیدنی رونا ہمارا ہے — پلک پر اپنی آنسو صبحِ پیری کا ستارا ہے

سودا نے اٹھ کر راسخ کو گلے لگا لیا۔

لاعلم: آ گئی پیری جوانی ختم ہے — صبح ہوتی ہے کہانی ختم ہے

شوکت: خمیدہ پشت زاں کردند پیرانِ جہاندیدہ — کہ اندر خاک می جویند گم گشتہ جوانی را

جہاندیدہ بوڑھوں نے اپنی کمر اس لئے خم کی ہے کہ وہ گم شدہ جوانی کو خاک میں ڈھونڈتے ہیں۔

این سطرہائے چین کہ زپیری بروئے ماست — ہر یک جُدا جُدا خطِ معزولیِ قواست (کلیم)

یہ جھریوں کی سطریں جو ہمارے چہرے پر ہیں۔ ہر قوت کی معزولی کے لئے جُدا جُدا فرمان ہیں۔

بسکہ مانندِ کماں پیکرم از پیری کاست — تا نگیرد کمرم کس نتواند برخاست (غنی)

چونکہ بڑھاپے سے میرا جسم کمان کی مانند ہو گیا ہے۔ لہذا تاوقتیکہ کوئی میری کمر نہ پکڑے میں اُٹھ نہیں سکتا

مگر عشق کی بابت شعراء کا یہ خیال ہے:۔

گر رود عشق از مزاجِ پیر لذت کے رود — بوئے مے باقی بود چوں بشکنی پیمانہ را (اہلی)

اگر کسی بوڑھے کے مزاج سے عشق جاتا بھی رہے تو اُس کی لذت نہیں جاتی۔ پیالہ ٹوٹ بھی جائے تو شراب کی بو باقی رہتی ہے۔

پیری میں طرزِ عشقِ جوانی وہی رہی	صورت کے ساتھ دل کا بدلنا محال تھا (لا اعلم)
شباب مٹ گیا یادِ شباب باقی ہے	ہے بو شراب کی ساغر میں اب شراب نہیں (اختر شیرانی)
ضعفِ پیری جو بڑھا موت کے پیغام چلے	آ گیا وقتِ سفر صبح چلے شام چلے (ریاض خیرآبادی)
منہ پھیر کے یوں گئی جوانی	یاد آ گیا روٹھنا کسی کا (جلیل مانکپوری)
محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے	ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی (اثر دہلوی)
اثر دن ڈھل رہا ہے ہوش میں آ	خبر بھی ہے تری منزل کہاں ہے (اثر عشائی)

ایک کوی نے حالتِ پیری کو عجب انداز سے بیان کیا ہے۔ پہلے سوال ہے اور پھر اُس کا شاعرانہ معقول جواب :۔

سوال

लट से भृगन होत है, जानत है सब कोय ।
चकवे से बागल भये, यहै अचम्भा मोय ॥

لاعلم — لٹ سے بھرنگن ہوت ہے جانت ہے سب کوئے ۔ چکوے سے باگل بھئے یہ ہے اچنبھا موئے

لٹ سے تو بھونرا بن جاتا ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں (اس کی تشریح صفحہ ۱۳۶ پر کی جا چکی ہے) مگر چکوے سے باگل کیسے ہو گئے ۔ مجھے اس کا تعجب ہے۔

" باگل " سے کوی کی مراد پستان ہیں جو بڑھاپے میں لٹک جاتے ہیں۔

جواب

कुच कपोल द्रग नासिका, निरखत क्या सुजान ।
मदन शहर उजड़ भयो, ताके खड़े बिसान ॥

لاعلم — کچ کپول، درگ ناسکا نرکھت کیا سجان ۔ مدن شہر اُجڑ بھیو۔ تا کے کھڑے نشان

پستان، رخسار، آنکھ اور ناک کو اے عقلمند کیا دیکھتا ہے۔ خوبصورت شہر اُجڑ گیا یہ اُس کے نشان ہیں۔

عرفی — از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ ۔ آثار پدید است صنادیدِ عجم را

شکستہ درو دیوار کے نقش و نگار سے۔ رؤسائے عجم کے آثار نمایاں ہیں۔

سعدی — دریغا کہ عہدِ جوانی گذشت ۔ جوانی مگو زندگانی گذشت

افسوس جوانی کا زمانہ گذر گیا۔ جوانی نہیں زندگی ختم ہو گئی۔

لاعلم — گیا حسنِ خوبانِ دل خواہ کا ۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے حسین تھی (پہ حسن تھا)	دنیا حسین تھی مرے عہدِ شباب میں	سیماب
دن جوانی کے گئے عالم پیری آیا	آبرو خاک ہے اب وقتِ حقیری آیا	لا اعلم
کل ہم آئینے میں رُخ کی جھریاں دیکھا کئے	کاروانِ عمرِ رفتہ کے نشاں دیکھا کئے	صفی لکھنوی
یہ جُھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری سے	چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو	انیس

مگر امیر و مشتاق یوں کہتے ہیں :۔

عالم وہی ہے سن سے اُتر کر بھی یار کا	جوبن خزاں نے لوٹ لیا ہے بہار کا	امیر
ڈھلا ہے حسن لیکن رنگ ہے رخسارِ جاناں پر	ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوارِ گلستاں پر	مشتاق
جی اٹھائے چار دن جوانی میں	زندگی عمر بھر نہیں ہوتی	لا اعلم
جوانی سے زیادہ وقتِ پیری جوش ہوتا ہے	بھڑکتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا ہے	شاد

موئے سفید

केसव केसन अस करी, जस अरिहू न कराहिं ।
चंद्र बदन मृग लोचनी, "बाबा" कहि कहि जाहिं ।।

کیشو کیسن اس کری جس اری ہو نہ کرانہہ	چندر بدن مرگ لوچنی بابا کہی کہہ جانہہ	کیشو

کیشو! بالوں نے ایسا سلوک کیا کہ کوئی دشمن بھی نہیں کرتا۔ یعنی حسینانِ ماہ پارہ اور مہ جبینانِ آہو چشم "بابا" کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔

موئے سر کردم سفید اما خیالت در سرم	اخگرے پنہاں تہِ ایں تودۂ خاکستر است	غنی

میرے سر کے بال سفید ہو گئے مگر تیرا انبار سر میں ہے۔ ایک چنگاری اس راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی ہے۔

صائب آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد خواب در وقتِ سحر گاہ گراں می گردد

آدمی جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو حرص جوان ہو جاتی ہے۔ صبح کے وقت نیند گہری آتی ہے۔

طاہر وحید روئے پیراں سورۂ نور ست از موئے سفید مدّ بسم اللہ از کافور ابروئے سفید

بوڑھوں کا چہرہ سفید بالوں سے سورۂ نور بن گیا ہے اور سفید بھوؤں کا فور سے لکھی ہوئی بسم اللہ ہے۔

ولہ کے کسے پنہاں تواند شد ز دست انداز مرگ شمع کافوریست در دستِ اجل موئے سفید

موت کی دست اندازی سے کوئی کب چھپ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں کافوری شمع ہے جو سفید بال ہیں

فائق موسمِ پیریِ من صبحِ امید ست مرا پنبۂ داغِ گنہ موئے سفید ست مرا

میرے بڑھاپے کا زمانہ میری صبحِ امید ہے۔ کیونکہ گناہ کے داغوں کی روئی میرے سفید بال ہیں

لا اعلم یارب درِ خلق تکیہ گاہم نہ کنی محتاجِ گدا و بادشاہم نہ کنی

اے پروردگار خلق کا دروازہ میرا تکیہ گاہ نہ بنانا۔ مجھے فقیر و بادشاہ کا محتاج نہ کرنا۔

چوں موئے سیہ سفید کردی ز کرم با موئے سفید رو سیاہم نہ کنی

جب تو نے اپنے کرم سے میرے سیاہ بال سفید کر دیے تو ان سفید بالوں پر مجھے روسیاہ نہ کرنا۔

روسیاہی کا اشارہ اس حدیث شریف کی جانب ہے۔ جس میں ارشاد ہے اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ ط (بھیک مانگنا دونوں جہان کی روسیاہی ہے۔)

ریاض ریاض اب شکل بھی بدلی مذاقِ طبع بھی بدلا یہ سِن کا ہے تقاضا جو خیالِ حور آتا ہے

محسن چاندنی پچھلے پہر کی کب تک روشنی شمعِ سحر کی کب تک

غضب میں جان ہے واعظ کی بیوقوفی سے | بغیر سمجھے ہوئے اعتراض کرتا ہے — مولف
یہ کب خضاب ہے بالوں پہ عہدِ پیری میں | لباسِ ماتم عہدِ شباب پہنا ہے — ؍؍
مرضی ہو تو سولی پہ چڑھانا یارب | سو بار جہنم میں تپانا یارب — جوش ملیح آبادی
معشوق کہیں آپ، ہمارے ہیں بزرگ | ناچیز کو یہ دن نہ دکھانا یارب

ایک کوی موئے سفید کی عجب توجیہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو بشکل سوال و جواب:۔

سوال

केसन ते अपमान कई, भोले गुनी अचेत ।
स्याम हुते तब डसत थे, स्वेत क्यों न डस लेत ॥

کیسن نے اپ مان دِیَ بھولے گُنی اچیت | شیام ہیت تب ڈست تھے سُویت کیوں نہ ڈس لیت

بالوں نے کچھ ایسا عمل کیا ہے کہ عقلمند بھی بیوقوف ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ (بال) جب تک سیاہ تھے تو (سانپ کی طرح) ڈس لیتے تھے اب سفید کیوں نہیں ڈستے۔

جواب

तन जोबन मिलिया हुतो, जाही लिपटे तें हेत ।
ये सूखे वे उड़ि गए, छोड़ कुंचली स्वेत ॥

تَن جُوبَن ملیا ہتو آہی لپٹے تیں ہیت | یہ سُوکھے وہ اُڑ گئے چھوڑ کینچلی سویت

(جوانی کے زمانہ میں) بدن میں صندل کی خوشبو تھی اس لئے سانپ یعنی سیاہ زلفیں اُس سے آ لپٹے

تھے۔ مگر جب یہ درختِ جوانی خشک ہو گیا تو سانپ اُڑ گئے اور اپنی کینچلی جو سفید ہوتی ہے چھوڑ گئے۔ کینچلی کیا ڈسے گی۔

کہتے ہیں کہ صندل کے درخت سے کالا سانپ لپٹا رہتا ہے اور جب تک درخت سبز رہتا ہے وہ اُس کی خوشبو سے مست رہتا ہے۔ اور خوشبو ہی اُس کی غذا ہوتی ہے۔ یہیں وجہ وہ اس قدر لطیف ہو جاتا ہے کہ درخت کے خشک ہونے پر بجائے زمین پر رینگنے کے ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ کوی نے یہی بات کہی ہے۔ شعرائے فارسی اور اُردو کے کلام میں یہ خیالات جُدا جُدا اشعار میں ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

صائب — زخالِ عنبریں افزوں ززلفِ یار می ترسم ہمہ از مار و من از مہرۂ ایں مار می ترسم

زلف کو مار تو بہت لوگوں نے کہا ہے مگر صائب نے سب سے جُدا خیال ظاہر کیا ہے۔ کہتا ہے کہ زلفِ یار سے زیادہ میں خالِ عنبریں سے ڈرتا ہوں۔ سب لوگ تو سانپ سے ڈرتے ہیں مگر میں اس سانپ کے "من" (مہرۂ مار) سے ڈرتا ہوں۔ خال کو مہرۂ مار خوب کہا ہے۔

اُلفتی — نہ زلف است آنکہ ہر دم بر قدِ دلدار می پیچد ز مستی ہر نفس بر شاخِ صندل مار می پیچد

قدِ دلدار پر لپٹنے والی زلف نہیں ہے بلکہ صندل کی شاخ پر سانپ لپٹا ہوا ہے

لاعلم — سیہ چوڑی بدستِ آں نگارے بشاخِ صندلیں پیچیدہ مارے

اُس معشوق کے ہاتھ میں سیہ چوڑی کب ہے۔ صندلیں شاخ پر کالا سانپ لپٹا ہوا ہے۔

لاعلم — بشہرِ حُسن گشتہ انقلابے کہ ابیض گشتہ مارانِ سیاہے

شہرِ حُسن میں عجب انقلاب آیا کہ سانپ (مارِ سیاہ) سفید ہو گئے (مراد زلفیں)

عزیزا نوبہارِ عمر بگذشت چو برطرفِ چمن بادِ بہاری — سعدی

اے عزیز! یوں عمر کی نوبہار گذر گئی جس طرح چمن سے بادِ بہار گذر جاتی ہے

پیسری بھی تمام ہونے آئی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی

رنگِ زلفِ عنبریں کافور صورت ہوگیا کینچلی باقی رہی اور سانپ رخصت ہوگیا — جگر مرادآبادی / لااعلم

جبل گردد جبلّت نہ گردد

छत्र ढुले भोपाल ।
रतन जड़ा कर वच रहे,
अन्त पूंछ को वाल ॥
माखी मारन ही रह्यो,

رَتَن جڑا کر بچ رہے چھتر ڈھلے بھوپال ماکھی مارن ہی رہیو، انت پونچھ کو بال — لااعلم

جواہر جڑا ہوا ہاتھ میں رہتا ہے اور بڑے لوگوں کے سر پر مورچھل بن کر پھرایا جاتا ہے۔ مگر اس نوبت پر بھی دم کا بال (چنور جو نیپالی گائے کی دم ہوتی ہے) مکھی مارنے والا (مگس راں) ہی رہا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ با آدمی بزرگ شود — سعدی

بھیڑیے کا بچہ بھیڑیا ہی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ آدمیوں میں پلتا بڑھتا ہے۔

صحبتِ عیسیٰؑ بنائے خر کو انساں کس طرح تربیت سے واقعی نااہل دانا کب بنے — ذوق

آدمیت اور شے ہے علم ہے اور چیز لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا — ذوق

कुल की करनी न छूटे, तजे न मन का दास ।
नाग वास भूले नहीं, चन्दन को का दोस ॥

لا اعلم　گُل کی کری نا چُھٹے، تجے نہ من کا رس　　بانس باس جھولے نہیں چندن کو کا دوس

قدرتی بات بدلی نہیں جا سکتی اور طبیعت کی برائی نہیں جا سکتی۔ بانس خوشبو برداشت ہی نہیں کرتا صندل کا کیا قصور

سعدی　شمشیرِ نیک ز آہنِ بد چوں کند کسے　　ناکس بہ تربیت نہ شود اے حکیم کس

عمدہ تلوار بُرے لوہے سے کب بن سکتی ہے۔ اے عقلمند نالائق شخص تربیت سے لائق نہیں ہو سکتا۔

〃　باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

بارش کی لطافتِ طبع میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ مگر باغ میں لالہ اُگتا ہے اور بنجر زمین میں گھاس

〃　پرتوِ نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است　　تربیت نا اہل را چوں گردگاں بر گنبد است

جس کی بنیاد بُری ہے وہ بھلوں کا اثر قبول نہیں کرتا۔ نالائق کو تربیت کرنا ایسا ہی ہے جیسا گنبد پر اخروٹ کو ٹھہرانا

〃　اگر صد سال گبر آتش فروزد　　چو یکدم اندر آں افتد بسوزد

آتش پرست اگر سَو برس بھی آگ کی پرستش کرے تب بھی اگر دم بھر کو اس میں گرے تو جل جائے۔

مہر لنوی　شہد سے سینچیے یا کھاد شکر کا دیجیے　　نہیں ممکن کہ جدا نیم سے تلخی ہو جائے

وحشی صدیقی　انساں کی ہے طینت میں گنہ کی لذت　　رہ سکتا ہے دُنیا میں فرشتہ بن کر؟

توقیر صدیقی　بدل سکتا نہیں رنگِ طبیعت　　زمین و آسماں بدلیں تو بدلیں

नीच निचाई नहिं तजे, सज्जनहू के संग ।
तुलसी चन्दन विटप बसि, बिनु विष भए न भुअंग ।।

تلسی داس　نیچ نچائی نہیں تجے سجّن ہو کے سنگ　　تلسی چندن بٹپ بسی بنو بس بھئے نہ بھوانگ

اے تلسی کمینہ شخص نیک آدمی کے ساتھ رہ کر بھی بھلا نہیں بنتا جس طرح سانپ صندل کے درخت سے

بشارت کے باوجود زہر نہیں چھوڑتا۔

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست — نرود جز بوقتِ مرگ از دست — سعدی

طبیعت کی برائی جا نہیں سکتی کسی صورت — نہیں ممکن کہ افعی زہر چھوڑے دودھ پی پی کر — لاعلم

نیکوں کی صحبت کا اثر

कबिरा संगत साधु की, ज्यों गंधी की बास।
जो कुछ गंधी दे नहीं, तो भी बास सुबास।।

کبیرا سنگت سادھو کی جیوں گندھی کی باس — جو کچھ گندھی دے نہیں تو بھی باس سواس — کبیر

اے کبیر سادھو کی صحبت گندھی (عطر فروش) کی سی ہمنشینی ہے۔ یعنی عطر فروش کچھ بھی نہ دے تو خوشبو سے تو دماغ معطر ہو ہی جاتا ہے۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت مردم شد — سعدی

اصحابِ کہف کے کتے نے (جس کا نام قطمیر تھا) چند روز نیکوں کا ساتھ اختیار کیا تو آدمی ہو گیا۔ یعنی اعتقادا مسلّم ہے کہ قیامت کے دن اصحابِ کہف کا کتا بلعم باعور کی شکل میں اٹھے گا اور بلعم باعور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں ایک عابد مستجاب الدعوات تھا اس لئے کتے کی شکل میں اٹھے گا کہ اس نے حضرتِ موسیٰؑ کے خلاف دعا کی تھی۔

بہ از ہم صحبتِ شائستہ اکسیرے نمی باشد — ز قربِ لالہ از یاقوت رنگیں تر شود شبنم — صائب

اچھی صحبت سے بہتر کوئی اکسیر نہیں ہوتی۔ شبنم لالہ پر پڑ کر یاقوت سے زیادہ رنگین ہو جاتی ہے۔

ولہٗ | صحبتِ نیکاں خسیساں را دعائے جوشن است — ایمن ست از سوختن ناخار در بستاں بود

کم درجہ لوگوں کے لئے بلند مرتبہ اصحاب کی صحبت دعائے جوشن ہوتی ہے۔ کانٹا جب تک باغ میں رہتا ہے جلنے سے محفوظ ہوتا ہے۔

لائق | آہن کہ بپارس آشنا شد — فی الفور بصورتِ طلا شد

لوہا پارس سے ملتے ہی فوراً سونا ہو گیا۔ یعنی حالت بدل گئی

مبین | مجھ کو اثرِ صحبتِ رنداں نے سنبھالا — کعبہ کو چلا ہی تھا صنم خانہ سمجھ کر

صحبتِ بداں

रहिमन नीच प्रसंग सों, लगति कलंक न काहि ।
दूध कलारी कर गहे, मदही कहैं सब काहि ।।

رحیمن | رحیمن نیچ پرسنگ سوں لگت کلنک نہ کاہی — دودھ کلاری کر گہے مدھی کہے سب کاہی

اے رحیمن! کمینے کی صحبت میں رہنے سے کلنک کا ٹیکا ضرور لگتا ہے۔ جس طرح کلال (مے فروش) اگر دودھ کا پیالہ بھی لے جائے تو شراب ہی کا سمجھا جائے گا۔

قاضی شمس الدین | کم نشیں با بداں کہ صحبتِ بد — گرچہ پاکی ترا پلید کند

بدوں کی صحبت میں کم بیٹھ۔ کیونکہ تو اگر پاک بھی ہے تو وہ تجھے پلید کر دے گی۔

آفتاب ارچہ روشن است اورا — پارۂ ابر ناپدید کند

آفتاب اگرچہ روشن ہے مگر اس کو بادل کا ایک ٹکڑا چھپا دیتا ہے۔

مؤلف | مجھے ڈر ہے بروں کے ساتھ رہنا تمھیں بدنام کردے گا جہاں میں

अहमद तज्यो अंगार जूं, ओछा को संग साथ।
सीलौ तो कालो करै, तातो दाजे हाथ॥

احمد | احمد تجیوا انگار جوں اوچھا کو سنگ ساتھ سیلو تو کالو کرے تاتو داجے ہاتھ

احمد اوچھے شخص کا ساتھ چھوڑ دے وہ کوئلہ کی مانند ہے کہ ٹھنڈا تو ہاتھ کالے کرتا ہے اور گرم (انگارہ) جلا دیتا ہے۔

سعدی | ابر گر آبِ زندگی بارد ہرگز از شاخِ بید بر نخوری

بادل اگر زندگی کا پانی (آبِ حیات) بھی برسائے تب بھی بید کی شاخ پھل نہ دے گی۔

ایضاً | با فرومایہ روزگار مبر کز نئے بوریا شکر نخوری

کمینے کے ساتھ زندگی ضائع نہ کر کیونکہ بوریے کی نئے سے شکر حاصل نہیں ہو سکتی۔

ملا سحابی | با بد منشیں و باش بیگانۂ او در دام اُفتی اگر خوری دانۂ او

بُرے کے ساتھ نہ بیٹھ بلکہ اس سے بیگانہ رہ۔ اس کا دانہ کھایا تو دام میں پھنس جائے گا۔

ایضاً | تیر از رہِ راستی کمان را کج دید دیدی کہ چگونہ جست از خانۂ او

تیر نے اپنی راست روی کی بنا پر جب کمان کو ٹیڑھا دیکھا۔ تو دیکھو اس سے کس طرح نکل گیا۔

مرزا محمد افضل | کجا از دوری کج طبع رنجد راست کردارے کہ از ناخن بریدن کے کشد انگشت آزارے

کج طبع لوگوں کی دوری سے راست کردار رنجیدہ نہیں ہوتا۔ ناخن تراشنے سے انگلی کو کب تکلیف ہوتی ہے۔

سعید اشرف | با تنگ نظراں نشستن عمر ضائع کردن است می شود کوتاہ عمر رشتہ تا با سوزن است

تنگ نظر لوگوں کے ساتھ رہنے سے عمر ضائع ہوتی ہے جس طرح سوئی کے ساتھ رہنے سے ڈورا گھٹتا جاتا ہے۔

سعدی

پسرِ نوح با بداں بہ نشست خاندانِ نبوتش گم شد

نوح علیہ السلام کا بیٹا بدوں کی صحبت میں بیٹھا اس لئے اُن کے خاندان سے نبوّت جاتی رہی

آشنا عل

صحبت کا بدوں کی نہیں اچھا انجام بدتر ہے بدوں سے بھی جہاں میں بدنام

مُرقعِ عبرت

माली आवत देखकर, कलियां करें पुकार।
फूली फूली चुन लिए, काल हमारी बार॥

لااعلم

مالی آوت دیکھ کر کلیاں کریں پکار پھولی پھولی چُن لئے کال ہماری بار

مالی کو آتا دیکھ کر کلیاں فریاد کرتی ہیں کہ ہم میں سے پھولی پھولی تو چُن لی گئیں۔ اب کل ہماری باری ہے۔ پھولی پھولی خوب کہا ہے۔

نصرت

عیشِ دنیا را بقائے نیست دیدی غنچہ را یک تبسم کرد عمرے در پریشانی گذشت

دنیا کے عیش کو بقا نہیں ہے تو نے غنچہ کو دیکھا۔ ایک بار تبسم کیا تھا کہ تمام عمر پریشانی میں گذری

طالب آملی

غنچہ تا وا شود از ہم پاشد فرصتِ عیش ہمیں مقدار است

کلی جب کھلتی ہے تو پنکھڑیاں بکھر جاتی ہیں۔ عیش کی فرصت (دنیا میں) اسی قدر ہے۔

غنی

وضعِ زمانہ قابلِ دیدن دوبارہ نیست رو پس نہ کرد ہر کہ ازیں کارواں گذشت

زمانے کی وضع دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔ اس قافلہ سے جو نکل گیا لوٹ کر نہ آیا۔

میر

کہا میں نے گل سے ہے کتنا ثبات کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

حسرت سے یوں کلیاں کہیں جب گل کوئی مرجھائے ہے
جو حشر ان کا ہو گیا وہ وقت ہم پر آئے ہے — اقبال جے پوری

نقشہ ہے یہ باشندۂ دنیائے دنی کا
جیسے کوئی شب باش مسافر ہو سرا میں — تنویر

ہستی کا یہ طلسم بھی کیا دلفریب ہے
با آنکہ ہے فقط یہ نمونہ سراب کا — مبین

اب آ گیا تو باغِ جہاں دیکھتا چلوں
اچھا ہے یا بُرا ہے مگر رہ گذر میں ہے — مائل

پھول اے بلبل نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار
ایک جھونکے میں ہوا سب رنگ و بو ہو جائے گا — امیر مینائی

یہ آب و تاب ہے دو چار دن دولت پناہی سے
ٹپک جائیں گے آنسو بن کے موتی تاجِ شاہی سے — ”

آئے ہوئی اذان، چلے جب ہوئی نماز
یہ عرصۂ حیات ہے! کیا آئے کیا چلے — لا اعلم

معمورۂ جہاں کی کوتاہیاں نہ پوچھو
اک دن ہے موت کا بھی دو دن کی زندگی میں — سیماب

مگر حضرتِ مبین کا یہ خیال سب سے جدا ہے فرماتے ہیں :-

دُنیا تو عجب بزمِ دل آرا نکل آئی
وحشت میں چلے آئے تھے ویرانہ سمجھ کر — مبین

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے — شوق لکھنوی

پائی ہے باغِ جہاں میں ہم نے گل کی زندگی
رنگ بن کر آئے ہیں بو بن کے اُڑ جائیں گے ہم — آرزو لکھنوی

کبیر جی فلسفۂ موت یوں بیان کرتے ہیں :-

मन मरयो न माया मरी, मरमर गए शरीर ।
आशा तृष्णा न मरी, कह गये दास कबीर ॥

مَن مَریُو نہ مایا مری مَر مَر گئے شریر
آشا ترشنا مری کہہ گئے داس کبیر — کبیر

دل مرا نہ ہوسِ دولت یا دولت مری۔ البتہ جسم فنا ہو گئے۔ کاش حرص و ہوائے دنیا مرجاتی (تاکہ موت کا

اندیشہ ہی نہ رہتا)

جیساکہ کبیر داس کا خیال ہے فلسفیوں کے مذہب میں نہ روح فنا ہوتی ہے جس کو "برہم" کہا جاتا ہے اور نہ "مادہ" جس کو مایا کہتے ہیں۔

سعدی نے اس کو ذرا تفصیل سے یوں کہا ہے:۔

سعدی

چار طبعِ مخالف و سرکش چند روزے بوند باہم خوش

چار مخالف اور سرکش طبیعتیں (آب و آتش خاک و باد) چند روز آپس میں خوش رہتی ہیں۔

گر یکے زیں چہار شد غالب جانِ شیریں برآید از قالب

ان چاروں میں سے اگر ایک بھی غالب ہو جاتی ہے تو بدن سے جان نکل جاتی ہے۔

لاجرم مردِ عارفِ کامل نہ نہد بر حیاتِ دنیا دل

لہذا ضروری ہے کہ مرد خداشناس و کامل حیاتِ دنیا سے دلبستگی نہ پیدا کرے۔

نیک و بد چوں ہمی بباید مُرد خنک آنکس کہ گوئی نیکی برد

نیک و بد جب مرجائیں گے تو خوش نصیب وہ ہے جو نیکی ساتھ لے گیا۔

دوسرے شعرا نے اپنا خیال یوں ظاہر کیا ہے:۔

لااعلم

حباب وار زبہرِ نظارہ آمدہ ایم کہ سر زنیم و تماشا کنیم و باز رویم

حباب کی طرح ہم نظارہ کرنے کو آئے ہیں، پیدا ہوتے ہیں دیکھتے ہیں اور لوٹ جاتے ہیں۔

"

بچوں حباب از قیدِ خود وا می شود راست می گویم کہ دریا می شود

جب حباب اپنی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو یقین کیجئے دریا بن جاتا ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا
چکبست

تنکے کی طرح سیلِ حوادث سے بکھرے
طوفان لیکے آئے تھے ہم زندگی کے ساتھ
آغا شاعر

رائیگاں حسرت نہ جائے گا مرا مُشتِ غبار
کچھ زمیں لے جائے گی کچھ آسماں لے جائے گا
حسرت موہانی

اپنے گھر سے وہ خدا کے گھر گیا
لوگ کہتے ہیں کہ مائل مر گیا
مائل

چار زنجیرِ عناصر میں مقیّد ہے حیات
میں ہوں مجبور، تعلّق کہ ہلا بھی نہ سکوں
لا اعلم

کبیر دوسرا نظریہ یوں بیان کرتا ہے۔

मुये को क्या रोइये, जो अपने घर जाए ।
रोइये वन्दीवान को, जो हाटे हाट विकाए ॥

موئے کو کیا روئیے، جو اپنے گھر جائے
روئیے بندیوان کو جو ہاٹے ہاٹ بکائے
کبیر

مُردے کو کیا روتے ہو۔ وہ تو اپنے گھر گیا۔ اس قیدی (زندہ) پر روؤ جو دنیا کے بازار میں دوکان دکان بکتا پھرتا ہے۔ یعنی روح اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی۔ وہ زندانِ جسم میں جب تک ہے قید ہے۔ اور جسم چہار دیواری عناصر کا نام ہے۔

نسبتِ دنیا بزنداں بس ہمیں کز قیدآں
ہر کہ شد آزاد میلِ باز گردیدن نہ کرد
صائب

دنیا کے قید خانہ ہونے کا یہی ثبوت ہے کہ جو کوئی اس سے آزاد ہوا اس نے پھر آنے کی خواہش نہ کی۔

شکوہ ہے رفتگانِ دیارِ بعید کا
ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا
لا اعلم

مری قسمت میں ہے قیدِ عناصر
قفس سے لے کر چلا ہوں آشیاں سے
"

تیسرا نظریہ اس طرح ظاہر کیا ہے:—

माटी कहे कुम्हार से, तू क्या रौंदे मोय।
एक दिन ऐसा आयेगा, मैं रौंदूंगी तोय॥

کبیر
ماٹی کہے کمہار سے تو کیا روندے موئے ایک دن ایسا آئے گا میں روندونگی توئے

مٹی کمہار سے کہتی ہے کہ تو مجھے کیا روندتا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ میں تجھے روندوں گی۔ یعنی مرنے کے بعد مجھی سے واسطہ پڑے گا۔

خیام
ایں کوزہ گراں کہ دست در گل دارند عقل و خرد و ہوش براں بگمارند
مشت و لگد و تپانچہ تا چند زنند خاکے بدہانِ شاں چہ می پندارند

یہ کمہار جو مٹی میں ہاتھ سانے ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ہوش کی بنا پر۔ (مٹی کے) گھونسے۔ لاتیں اور تماچے لگا رہے ہیں۔ ان کے منہ میں خاک۔ آخر یہ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں۔ دیکھنا ایک دن ان کی کیا گت بنتی ہے۔ کیونکہ :-

انشا
دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

اس (دنیا کے) باغ میں بہار و خزاں ہم آغوش ہیں۔ زمانہ جام شراب ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور جنازہ کاندھے پر رکھے ہوئے۔

راقم
رباعی
یہ عیش و نشاط و شادمانی کب تک عشرت بھی ہوئی تو زندگانی کب تک
گر یہ بھی سہی! قیامِ دولت ہے محال دولت بھی ہوئی تو زندگانی کب تک

"
کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

"
حسن اک دن اے حسینوں بے نشاں ہو جائے گا غیرتِ شمشاد قد رشکِ کماں ہو جائے گا

ذوقؔ — دُنیا کے جو مزے ہیں ہرگز یہ کم نہ ہوں گے چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

چوتھا نظریہ کبیرداس کا یہ ہے :-

कविरा रसरी पाव में, क्या सोये सुख चैन ।
सांस नकारा कूंच का, बाजत है दिन रैन ॥

کبیرؔ — کبیرا رسری پاؤں میں کیا سوئے سکھ چین سانس نکارہ کوچ کا باجت ہے دن رین

اے کبیر پاؤں میں (حرص و ہوائے دنیا کی) بیڑی پڑی ہوئی ہے۔ اور سانس کا نقارہ برابر بج رہا ہے کہ کوچ کرو۔ پھر آرام و سکون سے رہنے کی کیا صورت ہے۔ چل چلاؤ کی حالت ہے تاکید پر تاکید ہے۔ یاروں میں سے

ع بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

یقینؔ — حریفانِ قدح کش رفتہ رفتہ اُٹھتے جاتے ہیں بھلا کیا خاک بیٹھوں دل لگا کر بزم رنداں میں

تسلیمؔ لکھنوی — کیا بھروسہ ہے زندگانی کا دن اگر لے لیا تو رات نہیں

" — بزم میں ایک ایک آتا ہے پھر جو دیکھا تو پانچ سات نہیں

" — دارِ دنیا سرائے فانی ہے موت کا نام زندگانی ہے

لہذا دنیا کو چھوڑ اور تمام رشتے توڑ۔ سفرِ آخرت کے لئے تیار رہ اور دنیا سے مُنہ موڑ بقول حافظؔ شیرازیؒ :-

حافظؔ — مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

منزلِ جاناں میں مجھے امن و آرام کب مل سکتا ہے جب روانگی کا گھنٹہ برابر بجتا رہتا ہے کہ سامان اُٹھاؤ اور روانہ ہو جاؤ۔

نظیر اکبر آبادی بھی تو کہتا ہے :-

نظیر اکبر آبادی

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا

قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

میں (کبیر) بھی دوستوں کا ہمنوا، ہم عزم، ہم خیال، ہم سفر اور ہم قدم ہوں۔ جاتا ہوں۔ اور حافظؒ کی نصیحت سنائے دیتا ہوں۔

حافظ

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

اے جانِ جاں نصیحت سن کیونکہ سعادت مند نوجوان بوڑھے عقلمند کی نصیحت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

اور دیکھ تو! وہ جہاندیدہ پیرِ سفید و دراز ریش عقل و حکمت کا دیوتا۔ کویوں کا پیشوا۔ رامائن کا مصنف اور رزم و بزم کا مُبصر کیا کہتا ہے۔ سُن!!

माटी में माटी मिली, मिली पौन में पौन ।
गुरू कहे रे बालका, इनमें मरा है कौन ।।

تلسی داس

ماٹی میں ماٹی ملی۔ ملی پَون میں پَون گرُو کہے رے بالکا ان میں مرا ہے کون

مٹی میں مٹی مل گئی اور ہوا میں ہوا۔ یعنی جسم خاکی خاک میں اور روح روح میں۔ گرو کہتا ہے اے چیلے ان میں کون مرا؟ کوئی بھی نہیں۔ سب اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے! کیونکہ :-

غنی

ندارد رہ بگردوں روح تا باشد نفس در تن　　رسائی نیست در پرواز مرغ رشتہ بر پا را

جب تک روح جسم میں قید ہے آسمان پر نہیں جاسکتی۔ جس طرح پاؤں بندھا ہوا پرند اڑ نہیں سکتا۔

لاادری

اے قطرۂ آب پھیل دریا ہو جا　　اے طائرِ روح مرغِ سدرا ہو جا

اپنی ہستی کو دفن خاک میں کر　　اے تودۂ خاک اٹھ بگولا ہو جا

میرا (کبیر) ایک دوہا اور سن لے اور اپنی راہ لگ۔ میرا ٹھیرنا دشوار ہے۔ کیونکہ دل بیقرار ہے اور اہلِ کارواں کو انتظار۔

उठा बबूला प्रेम का, तिनका चढ़ा अकास ।
तिनका तिन में जा मिला, तिनका तिन के पास ॥

کبیر

اُٹھا بولا پریم کا تنکا چڑھا اکاس　　تن کا تن میں جا ملا تن کا تن کے پاس

محبت کا بگولا اٹھا لہذا تنکا آسمان میں چڑھ گیا۔ جو جس کا تھا وہ اس میں جا ملا اور جس کسی کا جو کچھ تھا وہ اس کے پاس موجود ہے۔ یعنی روح روح میں جا ملی۔ اور جسم جسم خاک میں۔

کبیر نے لفظ "تنکہ" کو کس خوبی سے آسمان رس بنایا ہے۔ اور اس کی تکرار بمعنی دیگر (جس کا) کرکے کیا لطف پیدا کردیا ہے۔ سبحان اللہ!

از انشائے منیر

خواہی کہ ز توحید دلت گردد شاد　　باید کہ شوی ز بندِ ہستی آزاد

تو اگر چاہتا ہے کہ توحید سے تیرا دل خوش ہو تو تجھے چاہئے کہ قیدِ ہستی سے آزاد ہو جا۔

ہر چند حباب آشنائے دریاست　　تا محو نشد گرہ ز کارش نہ کشاد

اگرچہ حباب دریا کا دوست ہوتا ہے مگر جب تک ختم نہیں ہو جاتا نایاب نہیں ہوتا۔ یعنی

ع قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہوجائے۔ کا

مصداق نہیں بنتا۔

فروغ کاکوی — قیدِ ہستی میں پھنسے یادِ چمن بھول گئے — دام ہم کو یہ خوش آیا کہ وطن بھول گئے

تاز والی خیرپوری — نظر جو بحرِ فنا میں ہم نے کچھ اپنی ہستی پہ کی تو آخر — قیام موجوں کی طرح پایا۔ ثبات مثلِ حباب دیکھا

کسی اور کوی نے بھی ایک لفظ کی اُلٹ پھیر سے مرقعِ عبرت کے لئے اچھی تصویر بنائی ہے

ملاحظہ فرمایئے:۔

टुक टिकवा के कारणे, कैसी टिक टिक होय ।
केते टिक टिक कर गये, टुक टिक सका न कोय ॥

لاعلم — ٹک ٹکیا کے کارنے کیسی ٹک ٹک ہوئے — کیتے ٹک ٹک کر گئے ٹک ٹک سکا نہ کوئے

ذرا ٹکنے کے لئے کس قدر جھگڑے ہوتے ہیں۔ لوگ کس قدر جھگڑے کرتے رہے مگر کوئی ذرا نہ ٹک سکا۔

خیام — بچشمِ عبرت بیں کشا و حالِ شاہاں را نگر — تا چساں از گردشِ گردونِ گرداں شد خراب

عبرت بیں آنکھ کھول اور بادشاہوں کا حال دیکھ کر گردشِ فلک سے کس طرح برباد ہوئے ہیں۔

پردہ داری می کند بر طاقِ کسریٰ عنکبوت — بُوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

مکڑی کسریٰ کے طاق پر جالے کا پردہ ڈالتی ہے اور اُلّو افراسیاب کے گنبد پر نوبت بجاتا ہے

آں شاہ کہ خویش را ہلاکو می گفت — از کبر و منی سخن بابرو می گفت

وہ بادشاہ جو خود کو ہلاکو کہتا تھا۔ اور غرور و نخوت کی وجہ سے ابرو کے اشارے سے بات کرتا تھا۔

لاعلم — بر کنگرۂ سرائے او فاختۂ — امروز نشستہ بود، کوکو می گفت

آج اُس کے گھر کے کنگورہ پر بیٹھی ہوئی ایک فاختہ کہہ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ کہاں ہے۔

آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو — بر درگہِ او شہاں نہادندے رو

وہ محل جو چرخ کا ہم پہلو تھا اور اُس کی بارگاہ میں بادشاہ حاضر ہوتے تھے۔

دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ — بنشستہ ہمی گفت کہ کوکو کوکو — خیام

ہم نے دیکھا کہ اُس کے محل کے کنگورے پر ایک فاختہ بیٹھی ہوئی کہہ رہی تھی کوکو کوکو۔

(فاختہ کی آواز اور معنی یہ کہ وہ کہاں ہے وہ کہاں ہے۔ کوکو سے خوب معنی پیدا کئے ہیں)

مرغے دیدم نشستہ بر بارۂ طوس — در پیش نہادہ کلۂ کیکاؤس

میں نے ایک پرند کو دیکھا جو طوس، (ولایتِ خراسان میں ایک شہر کا نام) کے قلعہ کی برج پر بیٹھا ہوا تھا۔
اور کیکاؤس (نام ایک عظیم الشان بادشاہ کا جس کے رفیقوں میں رستم تھا) کی کُلاہ سامنے رکھ چھوڑی تھی

با کلہ ہمی گفت کہ افسوس افسوس — کو بانگ جرسہا و کجا نالۂ کوس — خیام

ٹوپی سے یہی کہہ رہا تھا کہ افسوس افسوس: گھڑیالوں کی آواز اور نقارے کی صدا کہاں ہے!

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت — رفت و منزل بدیگرے پرداخت — سعدی

جو کبھی آیا اُس نے کوئی نئی عمارت بنائی۔ مگر دوسروں کے لئے چھوڑ کر جانا پڑا۔

نوشیرواں کے در پہ لکھا تھا بآبِ زر — اس منزلِ غریب کے ساکن کدھر گئے — لائق

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں — خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے — انیس

عبرت کا ہے مقام زمانے کا انقلاب — تکیہ فقیر کا ہے لحد بادشاہ کی — اسیر

آئی جو یادِ رفتگاں روئے قدم قدم پہ ہم — اِس کا مزار دیکھ کر اُس کا مزار دیکھ کر — دبیر

مرقعِ عبرت کی ایک تصویر اور ملاحظہ کر لیجئے تو ہم آگے بڑھیں اور دوسرے کرشمہ ہائے قدرت کا نظارہ کرائیں۔

पत्ता टूटा पेड़ से, डाली दीनी रोय।
हम तो फिर उग आयेंगे, तेरी क्या गत होय ॥

لاعلم — پتہ ٹوٹا پیڑ سے ڈالی دینی رُوئے — ہم تو پھر اُگ آئیں گے تیری کیا گت ہوئے

پتہ پیڑ سے ٹوٹا تو ڈالی رو دی یہ کہتے ہوئے کہ ہم تو پھر سرسبز ہو جائیں گے مگر تیرا کیا حشر ہو گا۔

〃 — برگے ز درخت چوں جدا شد — از شاخ و ثمر فغاں بپا شد

ایک پتہ درخت سے ٹوٹ کر گرا تو شاخ و ثمر نے فریاد کی

انجامِ تو چوں شود نہ دانیم — الّا بغمِ تو زندہ مانیم

تیرا انجام کیا ہو گا یہ تو معلوم نہیں مگر ہم تیرے غم میں تمام عمر رہیں گے۔

امیر — شاخوں سے برگِ گل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں — زیور اُتر رہا ہے نسیمِ بہار کا

صفی لکھنوی — زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے — آشیاں اُجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

امیر — خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر — سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

دلیر — دورِ خزاں بھی یاد کر فصلِ بہار دیکھ کر — سوچ مآلِ زندگی سوئے مزار دیکھ کر

انیس —
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا

فریب زمانہ

दगाबाज दूनौं झुके, चिता, चोर, कमान ।
अधिक झुके है ढेंकली, हरे कूप को प्रान ॥

لال علم
دگا باز دونوں جھکے، چیتا، چور، کمان — ادھک جھکے ہے ڈھینکلی ہرے کوپ کا پران

دغا باز دونا جھکتا ہے جیسے چیتہ، چور، اور کمان۔ ڈھینکلی[۱] بہت زیادہ جھکتی ہے۔ اس لئے کنوئیں کی جان نکال لیتی ہے۔ یعنی کنوئیں کا تمام پانی نکال کر پھینک دیتی ہے۔

غنی کاشمیری کہتا ہے:۔

غنی
بر تواضعہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست — پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

دشمن کی آؤ بھگت پر بھروسہ کر لینا بیوقوفی ہے۔ سیلاب کا دیوار کے پاؤں چومنا اُس کو جڑ سے گرا دیتا ہے۔

"
سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملائم است — پنہاں درون پنبہ نگر پنبہ دانہ را

جو ظاہر میں نرم ہے وہ باطن میں سخت دل ہے۔ روئی میں چھپے ہوئے بنولے کو دیکھ لے!

مخفی
اگر دشمن دوتا گردد ز تعظیمش مشو غافل — کماں چنداں کہ خم گردد خدنگش کارگر گردد

اگر دشمن دوہرا ہو جاتا ہے تو بھی اُس کی تعظیم سے غافل نہ ہو۔ کمان جس قدر جھکتی ہے اس کا تیر اسی قدر کارگر ہوتا ہے۔

---

[۱] وہ لکڑی جو کچے کنوئیں پر نصب کرکے اس سے پانی نکالا جاتا ہے جس کے نیچے کے حصے پر بھاری پتھر باندھ دیتے ہیں اور اوپر کے حصے پر ڈول بندھا ہوتا ہے۔ ۱۲

صائب
ز تعظیم و تواضعہائے خصم ایمن مشو صائب — کمر خم کردنِ صیاد آفت ہاست مرغاں را

اے صائب دشمن کی تعظیم و تواضع پر بھروسہ نہ کرلینا۔ کیونکہ شکاری کا جھکنا پرندوں کے لئے آفتیں ہیں۔

دانا
چوں شود ہموار دشمن احتیاط از کف مدہ — مکرہا در پردہ باشد آبِ زیرِ کاہ را

دشمن اگر موافق ہو جائے تب بھی احتیاط ضروری ہے۔ کیونکہ گھاس سے چھپے ہوئے پانی میں خطرے ہوتے ہیں۔

خواجہ وزیر
ادا سے جھک کے ملتے ہو نگہ سے قتل کرتے ہو — ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کماں ہو کر

انور
اور کچھ دنیا سے کھنچ جا اور بڑھ جا سوئے حق — تیر جتنا کھنچ گیا پلّے میں اتنا دور ہے

व्याध वध्यो मृग एक सर, रुधिरै दियो बताय ।
अपहित अनहित होत है, तुलसी दुरजन पाय ।।

تلسی
بیادھ ودھیو مرگ ایک سر رُدھرے دیو بتائے — اپ ہت ان ہت ہوت ہے تلسی دُرجن پائے

شکاری نے ہرن کے تیر مارا۔ ہرن کا خون بہا جس نے اس کا پتہ بتایا۔ اے تلسی بُرا وقت پڑنے پر دوست بھی دشمن ہو جاتا ہے۔

صائب
دوست دشمن می شود صائب بوقتِ بیکسی — خونِ صیدِ آہواں رہ می برد صیاد را

اے صائب بیکسی میں دوست بھی دشمن ہو جاتا ہے۔ ہرنوں کے زخم کا خون شکاری کو پتہ بتا دیتا ہے۔

ناسخ
سیہ بختی میں کوئی کب کسی کا ساتھ دیتا ہے — کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

عارف دہلوی
آدمی کا منتظر بیچارگی ہم دم نہ پوچھ — پتلیاں پھرتی رہیں اور چارہ گر دیکھا کئے

امیر مینائی
پھر گئیں آنکھوں کی پتلی نزع کے وقت امیر
کام پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

نالائق حکمراں

हँस रहे सो उड़ि गये, काग भये दीवान ।
इसही कारन जग से भई, असन बसन की हानि ।।

ہنس رہے سو اُڑ گئے کاگ بھئے دیوان　　اس ہی کارن جگ میں بھئی اسن بسن کی ہان　لاعلم

ہنس اُڑ گئے اور کوّے وزیر ہو گئے اسی سبب سے زمانے میں کھانے پینے اور رہنے کی دقت و دشواری ہو گئی۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش دربانی کند　　ایں چنیں ارکانِ دولت خانہ ویرانی کند　لاعلم

بلی امیر، کتا وزیر، اور چوہا دربانی کرتا ہے۔ ایسے ارکانِ دولت ہی خانہ ویرانی کرتے ہیں۔

دریں زمانہ کہ زاغاں شکر شکن شدہ اند　　باستخواں نکند زندگی ہما چہ کند　"

اس زمانے میں جب کوّے شکر خور ہو گئے　تو ہما ہڈی کھا کر زندگی بسر نہ کرے تو کیا کرے!

رنگِ گلشن دیکھ کر مینا قفس سے اُڑ گئی　　ٹھنٹھ پر بیٹھا ہوا اُلو کا پٹھا رہ گیا[۱]　رسوا بریلوی

بس ایک ہی اُلو کافی تھا برباد گلستاں کرنے کو　　ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے انجامِ گلستاں کیا ہوگا　لاعلم

ناقدریِ زمانہ

जब गुन के गाहक मिले, तब गुन लाख बिकाय ।
जब गुन का गाहक नहीं, कौड़ी बदले जाय ।।

---

[۱] جے پور میں مینا نامی ایک طوائف تھی جس کو ایک صاحب نے خانہ انداز کر لیا تھا۔ کچھ دن بعد مینا چاتی ہوئی اور وہ چھوڑ کر چلی گئی تو رسوا نے فی البدیہہ یہ شعر کہا۔ ۱۲

کبیر جب گن کو گاہک ملے تب گن لاکھ بکائے جب گن کا گاہک نہیں کوڑی بدلے جائے

اگر ہنر کا قدردان مل جاتا ہے تو اس کی قیمت لاکھوں ہوتی ہے اور جب گاہک نہ ہو تو کوڑیوں میں بکتا ہے۔

اس دوہے میں دو باتیں کہی ہیں۔ قدردانی اور ناقدری، قدردانی کی ایک مثال ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:-

کہتے ہیں میرزا صائب نے حسبِ ذیل مصرع کہا:-

لختے بُرد از دل گذرد ہر کہ زپیشم

جو کوئی میرے سامنے سے گذرتا ہے وہ دل کا ایک ٹکڑا لے جاتا ہے

مگر اس پر خاطر خواہ مصرع بہم نہ پہنچا۔ ایک دن مرزا بازار سے گذر رہے تھے۔ ایک میوہ فروش اس طرح سردے بیچ رہا تھا کہ قاشیں کرکے رکھ لی تھیں۔ اور یہ صدا لگا رہا تھا۔

مثنی من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

میں اپنے دلِ صد پارہ کی قاشیں بیچتا ہوں

مرزا صائب یہ مصرع سن کر پھڑک گئے۔ میوہ فروش سے کہا کہ یہ مصرع ہمیں بیچ دو۔ اس نے انکار کیا کہ میں اسی مصرع کی بدولت سب سے زیادہ سردے بیچتا ہوں۔ اس کو کیسے فروخت کردوں۔ مرزا قیمت بڑھاتے رہے۔ آخر کچھ لوگ بیچ میں پڑے اور دو ہزار روپیہ میں یہ مصرع صائب نے خرید لیا۔

مصرع پر مصرع لگانا فی الحقیقت بڑی مشاقی اور حاضر دماغی کا کام ہے۔ اور نہایت برجستہ ادبی مظاہرہ۔ ذیل میں چند شعر ایسے درج کئے جاتے ہیں کہ جن کے مصرعے مختلف

شعراء کے ہیں :۔

مصرعِ اوّل از جہانگیر و مصرع دوم از نور جہاں :۔

ہلالِ عید بر اوجِ فلک ہویدا شد — کلیدِ میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

عید کا چاند آسمان پر ظاہر ہوا۔ شراب خانے کی کنجی کھو گئی تھی جو مل گئی

جہانگیر و نور جہاں

مصرع اوّل از عالمگیر و ثانی از شاہ اجمل درویش :۔

روزی چو مقرر ست گردیدن چہ — رزاق بگرداند و پرسیدن چہ

رزق جب مقرر ہے تو پھرنا کیا معنی۔ رزاق پھراتا ہے پھر پوچھنا کیا معنی !

عالمگیر و اجمل درویش

مصرع اوّل از شاہ جہاں و ثانی از صائب :۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں — بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اب کس کو فرصت ہے کہ باغبان سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا۔ پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا۔

شاہ جہاں و صائب

از مرد بے ہنر ادائے زر می طلبم — از خانۂ عنکبوت پر می طلبم

میں مفلس شخص سے روپیہ طلب کرتا ہوں (یعنی) مکڑی کے گھر میں پر تلاش کرتا ہوں

ایضاً

من از دہنِ مار شکر می طلبم — وز مادۂ پشہ شیرِ نر می طلبم

میں سانپ کے منہ سے شکر طلب کرتا ہوں اور مچھر کی مادہ سے شیر نر جننے کی امید کرتا ہوں

ایضاً

مرزا داغ کے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کسی لڑکے نے ایک چڑیا پکڑ کر اس کے پیر میں ڈورا باندھ لیا اور اس سے کھیلنے لگا۔ داغ کے پاس آنے والوں میں سے کسی نے یہ منظر دیکھ کر مصرع کہا :۔

پر کے بدلے پاؤں باندھا بلبلِ ناشاد کا

مگر دوسرا مصرع نہ لگا۔ داغ سے رجوع کیا تو اُس نے برجستہ مصرع لگایا۔

داغ

کھیل کے دن ہیں لڑکپن ہے ابھی صیاد کا

اسی طرح ایک بار ایک تصویر داغ کے روبرو پیش کر کے اُس منظر پر شعر کہنے کی فرمائش کی گئی جو یہ تھا کہ ایک حسینہ جانا چاہتی ہے۔ اور عاشقِ دلدادہ ایک ہاتھ اپنے دل پر رکھے ہوئے ہے اور دوسرے سے اُس کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ داغ نے فی البدیہہ مطلع کہا۔

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے — دل کو تھاما اُن کا دامن تھام کے

ہندی کا کوی عالم۔ ہندو تھا اُس نے اپنا عمامہ جو میلا ہو گیا تھا ایک مسلمان رنگریز عورت کو رنگنے کو دیا۔ عورت نے دیکھا تو عمامہ کے پلو میں ایک کاغذ بندھا ہوا تھا۔ جس پر اُس کی ایک نامکمل کوتا لکھی ہوئی تھی۔ مگر ایک شعر کا ایک ہی مصرع تھا، دوسرا مصرع بہم نہیں پہنچا تھا۔ رنگریزن نے دوسرا مصرع لگایا اور جب عمامہ رنگ کر واپس کیا تو وہ پرچہ بھی دے دیا۔ عالم اُس کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو کر اُس سے شادی کر لی۔

"عالم" کا مصرع تھا:۔ کنک لتا سی نار ہے، کٹ کاہے تے پین

عورت نازک تر سنہری بیل ہے۔ پھر کمر کیسے ہو

कनक लता सी नार है, कटि काहे ते पीन ।

رنگریزن کا مصرع ہے:۔ کٹ کا کنچن ہینچ کے کچن مانہی بھر دین

(کیونکہ) کمر کا سونا کھینچ کر پستانوں میں بھر دیا ہے

कटि का कंचन ऐंच के, कुचन माहि भर दीन ॥

قدردانی کی بابت اُردو کا شاعر کہتا ہے :-

لاعلم | شاعر کو مست کرتی ہے تعریف شعر کی سو بوتلوں کا نشہ ہے اِک واہ واہ میں

ریاض خیرآبادی | قدرداں گوہرِ سخن کے ریاض منھ مرا موتیوں سے بھر دیتے

ناقدری کی بابت صائب کہتا ہے :-

صائب | صدف چرا نکند سینہ چاک اے صائب دریں زمانہ کہ گوہر شناس نایاب است

اے صائب سیپی اپنا سینہ کیوں چاک نہ کرے کہ اس زمانے میں گوہر شناس نایاب ہے

میر حیدر حسن زکی و یکتا دہلوی جو اعلیٰ درجہ کا خوشنویس بھی تھا اپنے خط کی بابت کہتا ہے :-

یکتا | دُر ہیں غلطاں مری تحریر میں تحریر تو دیکھ میں نے موتی نہیں دیکھے مری تقدیر تو دیکھ

کبیر بھی کہتا ہے :-

हीरा तहाँ न खोलिये, जहां कुंजड़े की हाट ।
कस कर बांधो मोटरी, उठकर चालो बाट ॥

کبیر | ہیرا تہاں نہ کھولیئے جہاں کنجڑے کی ہاٹ کس کر باندھو موٹری اُٹھ کر چالو باٹ

جہاں کنجڑوں (مراد ناقدروں) کی دوکان ہو وہاں ہیرا نہ دکھاؤ۔ بلکہ پوٹلی اچھی طرح کس کر باندھ لو اور اپنا راستہ لو۔

غنی کاشمیری کہتا ہے :-

غنی | نیک و بد را امتیازے نیست در بازارِ دہر می شود در یک ترازو سنگ با گوہر طرف

زمانے کے بازار میں نیک و بد کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ (دیکھ لیجئے) موتی کو پتھر کے باٹوں کے ساتھ ترازو میں ڈال کر تولتے ہیں ۔

غنیؔ کاشمیری جیسے خوشگو شاعر کے کلام میں ناقدری کے اشعار یقیناً اس لئے ملتے ہیں کہ اس کی خاطر خواہ قدر نہ ہوئی۔ مثلاً مندرجۂ ذیل شعر کے صلے میں عباس صفوی شاہِ ایران نے شاعر کو چاندی میں تلوا کر وہ چاندی اس کو انعام میں عطا کر دی تھی۔ مگر غنی کی قدر اس کے مرتبے کے لائق نہ ہوئی۔ انعامی شعر یہ ہے۔

شاہی تکلو — اگر دشمن کشد ساغر و گر دوست بطاقِ ابروئے مستانۂ اوست

چاہے دشمن ساغرِ شراب پیے یا دوست اس کے میخانے کے طاقِ ابرو ہی سے حاصل کرتا ہے۔

غالبؔ اپنی ناقدری کی بابت یوں شکوہ سنج ہے :۔

غالب — نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنیٰ نہ سہی

مؤلف — لختِ حسرت کھائیے اور خونِ ارماں پیجئے قدرداں ہی جب نہ ہوں کیا عرضِ جوہر کیجئے

کبیرؔ ہی ناقدریٔ سخن کی بابت کہتا ہے :۔

बींदत हियो कवीर को, दो चीजन वोह कोन ।
अन समझ की वाह वा, और समझदार को मौन ।।

کبیر — بیندت ہیو کبیر کو دو چیزن وہ کون ان سمجھ کی واہ وا اور سمجھ دار کو مون

کبیر کی دل شکنی دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ناسمجھ کی داد سے اور سخن فہم کی خاموشی سے۔

صائب — صائب دو چیز می شکند قدرِ شعر را تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس

صائب شعر کی ناقدری دو بات سے ہوتی ہے. سخن ناشناس کی داد سے اور سخن سنج کی خاموشی سے ۔

ظفر: انصاف ہی جب اہلِ سخن میں نہ ہو ظفر چاہے سخن کی اپنے کوئی اُن سے داد کیا

متفرق نازک خیالیاں

حُقّہ

चिलम चमक्कै बीजड़ी, हुक्का में गरजात ।
नै में निकलैं बादलै, देख सखी बरसात ॥

نامعلوم: چلم چمک کے بیجری حقہ میں گرجات نے میں نکلے بادلے دیکھ سکی برسات

چلم چمک کے لحاظ سے بجلی ہے اور حقہ گرجتا ہے ۔ نے میں سے بادل نکلتا ہے ۔ اے سکھی برسات کی بہار دیکھ

" : حقہ باغیست چرا دل نکند میل درو گل درو غنچہ درو بوئے درو سیل درو

حقہ ایک باغ ہے. دل اُس کی خواہش کیوں نہ کرے. پھول اس میں (آگ)، کلی اُس میں (چلم) بو اُس میں (دھویں کی خوشبو مثلاً لکھنؤ کا خمیرہ) نالہ اُس میں (حقہ کا پانی)

بتنتنر: حُقّہ جو ہے حضورِ معلیٰ کے ہاتھ میں بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

ایک اور دوہا ملاحظہ ہو :-

नै डेवड़ी हुक्का महल, चिलम झरोखा खूब ।
परदे उतरें पदमनी, मिलन काज महबूब ॥

لاعلم: نے ڈیوڑھی ۔ حقہ محل چلم جھروکہ کھوب پردے اُترے پدمنی ملن کاج محبوب

نے ڈیوڑھی ہے۔ حقہ محل ہے اور چلم خوبصورت جھروکہ ہے۔ محبوب سے ملنے کو پدمنی (دھواں) پردے میں اُترتی ہے۔

رابیگ جویا | نیئے قلیاں مرا از بوسہ او داد خرسندی بہ نیشکر کسے کم دیدہ شفتالوئے پیوندی

حقہ کی نے۔ نے اُس کے بوسہ لینے کی خوشی مجھے عنایت کی۔ نیشکر (گنّا) کے ساتھ پیوندی شفتالو[علہ] کسی نے کم دیکھا ہوگا۔

لاعلم | ستارے ڈوبتے جاتے ہیں حقہ پی رہا ہوں میں کہ ہر کش پر چلم کی آنچ مدھم ہوتی جاتی ہے
نظامِ عمرِ انساں بھی اسی سے ملتا جلتا ہے کہ ہر ہر سانس پر عمرِ رواں کم ہوتی جاتی ہے

پڑھتے وقت ہلنا

ذیل میں جو دوہا لکھا جاتا ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ صاحبزادہ احمد علی خاں رونق۔ جو مہاراجہ سوائی رام سنگھ والیِ ریاست جے پور کے ندمائے خاص میں تھے۔ ایک دفعہ دونوں صاحبان گھوڑوں پر سوار سیر کو جا رہے تھے۔ رستہ میں ایک جگہ بچے مکتب میں پڑھ رہے تھے اور پڑھتے وقت ہل رہے تھے۔ مہاراجہ نے دیکھا اور صاحبزادے سے پوچھا کہ یہ پڑھتے میں ہلتے کیوں ہیں؟ انھوں نے ذرا تامل کیا۔ اور پھر یہ دوہا سنایا۔ پہلے مصرع میں سوال ہے اور دوسرے میں جواب:-

अहमद बालक पढ़न मं, किस विधि झाला खाय ।
तन घट विद्या रतन, भरत हिलाय हिलाय ।।

علہ شفتالو خاص قسم کے سُرخ رنگ کا میوہ اور بمعنی بوسہ معشوق بھی آیا ہے۔ لعلِ لب اور لبِ رنگیں اور لبِ شیریں تو مشہور ہیں ہی۔ ۱۲

احمد　احمد بالک پڈھن ہیں کس بدھی جھولا کھائے　　تن گھٹ و دیا رتن۔ بھرت ہلائے ہلائے

احمد بچے پڑھنے میں ہلتے کیوں ہیں۔؟ (جواب) بدن مٹکا ہے اور علم جوہر اُس کو ہلا ہلا کر بھرتے ہیں!

لاعلم　مقریاں وقتِ تلاوت بے سبب جنبان اند　　از سرو سینہ ہمی اقرار وحدت را کنند

قرآن شریف پڑھنے والے۔ تلاوت کے وقت بلا وجہ نہیں ہلتے بلکہ سر اور سینہ سے اقرارِ وحدت کرتے ہیں

〃　پڑھنے میں بلا وجہ نہیں ہلتے ہیں سن بچے　　شیطانِ جہالت پہ کیا کرتے ہیں حملے

ایک اور کوی نے بھی اس طرح بچوں کے ہلنے کی وجہ خوب بیان کی ہے۔ کہتا ہے کہ

لاعلم　ودیا ساگر تزن کو بالک کھائے کم جھول　　بچکی مارن کو کرت جھجک۔ بال ابھول

علم کے دریا میں تیرنے کو بچہ کیوں ہلتا ہے؟ غوطہ مارنے کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر نادان بچہ جھجک جاتا ہے۔

تقابلِ اسپ و زن

ذیل میں دو دوہے درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں گھوڑے اور عورت کی اچھائی اور بُرائی کا بڑی خوبی سے اظہار کیا گیا ہے:-

(१)

चंचल चपला भऊ चलन, भऊ भोजन, भऊ रोस ।
तुरियां येह ही पांच गुन, तिरयन में येह दोस ।।

(२)

मीनल पातल मंध गति, अलपा हार निरोस ।
तिरयन येह ही पांच गुन,—तुरयन में येह दोस ।।

(۱)
چنچل، چپلا، بہو چلن، بہو کھون، بہو روس ترین یہی پانچ گن۔ ترین ہیں یہ دوس

چنچل (چپلا) چوڑا۔ تیز چلنے والا (چالاک)۔ بسیار خور۔ غضبناک (غصہ ور) گھوڑوں میں یہ پانچ باتیں خوبی کی ہیں اور عورت میں عیب ہیں۔

(۲)
سبتل، پاتل، مند گتی الپاہار، نرروس ترین یہی پانچ گن۔ ترین ہیں یہ دوس

سرد مزاج (نرم مزاج) نازک اندام، شرمیلی۔ کم خور اور غصہ نہ کرنے والی۔ عورتوں کے لئے یہ پانچ باتیں خوبی کی ہیں اور گھوڑوں کے لئے عیب ہیں۔

فارسی اور اُردو کے شعراء نے گھوڑے اور عورت کے لئے بہت کچھ کہا ہے۔ جس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ مگر جو ترتیب کرکوی نے قائم کی ہے۔ یہ ہندی شاعری کا مخصوص رنگ اور منفرد انداز بیان ہے۔

متعلق اسپ

اشرف — حبذا رخش قمر طلعت و شعری نظرش آنکہ چون فکر منجم بدود فوق سما

سبحان اللہ چاند جیسا روشن چہرہ اور شعری جیسی نظر نورانی رکھنے والا گھوڑا نجومی کے فکر کی طرح آسمان پر دوڑتا ہے۔

〃 — سخت سم، نرم دم، آگندہ سرین، پہن کفل چرب مو خشک پے، افراختہ سر، ریختہ پا

اس کے سُم سخت ہیں، دُم نرم ہے، پٹھا موٹا ہے اور سینہ کشادہ، چمکدار بال ہیں خشک (باریک) رگیں، سربلند اور کشادہ پیر ہیں۔

۱؎ گھوڑے کی جسمانی خوبیاں یہ ہیں۔ چار چیز چوڑی ہوں۔ پیشانی۔ سینہ۔ پٹھا اور سُم۔ چار عضو لمبے ہوں۔ گردن نلی، بیل اور آنکھ۔ چار چھوٹے ہوں۔ کنوتی، تھوتنی، گٹا اور دُم۔

عثمان مختاری

آتش مزاج و کوہ توان و ہوا نہاد کشتی گذار و بحر نورد و زمین سپر

گرم مزاج، پہاڑ جیسا جسیم، اور ہوا کی خاصیت رکھنے والا۔ کشتی کی طرح سبک رو۔ دریا کو پار اور خشکی کو طے کرنے والا ہے

طالب آملی

بکشورے کہ در و نامِ تازیانہ برند بلوحِ سینہ نگیرد شبیہ او آرام

جس ملک میں اُس کی تصویر ہو اگر وہاں کوڑے کا نام لے دیا جائے تو اُس کی تصویر لوح سینہ تک پر قائم نہ رہے یعنی کوڑے کا نام سُن کر ایسی اُڑے کہ غائب ہو جائے۔ سینہ سے مراد دل۔ دل تک سے غائب ہو جائے۔

انیس

تصویر لکھے اُس کی مصوّر تو پڑے دھوم سرعت قدمِ توسنِ تصویر کو ہے معلوم
کوڑا پئے تعزیر جو چاہے کرے مرقوم اک آن میں تصویر کا سب رنگ ہو معدوم

نقاش کا دل نقش پہ آمادہ ہی رہ جائے
اور ہاتھ میں اُس کے ورقِ سادہ ہی رہ جائے

لااعلم

چلتا نہیں ہے ابلقِ ایّام ایک چال اکثر یہ بدرکاب بنا اور بگڑ گیا
جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی کیا شوخیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی

متعلقِ زن

نیک رُو نیک خو و بردبار و باتمیز گر بود با تو چنیں باشد زجان و دل عزیز

خوبصورت، با اخلاق، متحمل مزاج اور باتمیز (سلیقہ شعار) اگر ایسی بی بی ہو تو وہ جان و دل سے عزیز ہوتی ہے

ور بود برعکسِ ایں باشد عذابے از خدا عرصۂ ہیجا بود آں خانہ و گردد فنا

اور اگر اس کے برعکس ہو تو ایک عذابِ الٰہی ہے۔ وہ گھر لڑائی کا میدان بن جاتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔

مولف

نیک صورت نیک سیرت باسلیقہ اور فہیم ایسی بی بی ہو جہاں وہ گھر بنے باغِ نعیم
اور جو ہو بے عقل و بداخلاق و بدبین و شریر اہلِ خانہ کو رکھے ہر دم گرفتارِ سعیر

تلاشِ اکسیر

نواب عبدالرحیم خانخاناں نے مندرجۂ ذیل دوہے کے آخری مصرع میں ایسی تلمیح سے کام لیا ہے جس کا وجود فارسی و اردو میں ناپید ہے :- دوہا ہے :-

धूल उड़ावत सीस पर, कहो रहीम के काज ।
जेह राज रिशी पतनी तरी. मो ढूंढ़त गजराज ।।

دھول اُڑاوَت سِیس پَر کہو رحیم کے کاج ؛ جیہہ راج رِشی پَتنی تَری سو ڈھونڈت گجراج

تلمیح ۔ ہندوستانی دھرمی عقیدے کے مطابق روایت ہے کہ "گوتم رشی" بہت مشہور و معروف برگزیدہ ہستی تھے اور نہایت ممتاز عابد۔ اُن کا دستور تھا کہ صبح کو مرغِ سحر کے بولنے کے وقت گنگا پر اشنان کو جایا کرتے تھے۔ ان کی بیوی اہلیا نامی نہایت حسین و جمیل تھی۔ راجہ اندر عیش و عشرت کے دیوتا اور حُسن و جمال کے فریفتہ ہیں ہی۔ وہ اہلیا پر عاشق ہو گئے۔ اور ایک رات کو وقت سے پہلے "رشی" کے مکان پر پہنچ کر مرغا بنے اور بانگ دینے لگے۔ رشی مہاراج حسبِ دستور اشنان کو چلے گئے۔ تو اندر راجہ رشی کی شکل اختیار کر کے گھر میں داخل ہوئے۔ اور اہلیا کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ رشی مہاراج نے ستارے دیکھ کر معلوم کیا کہ رات بہت ہے تو لوٹ آئے۔ اُن پر یہ حال ظاہر ہوا تو انھوں نے اہلیا کو یہ کہتے ہوئے کہ تیرے حُسن کے باعث یہ صورت پیش آئی اُس کو سراپ دیا۔ اور وہ پتھر کی ہو گئی۔

رحیم ! دھول اُڑاتا پھرتا ہے سر پر کس کام کے لئے ... جس خاک میں رشی پتنی ترگئی اُسے گجراج ڈھونڈتا ہے

جب مہاراجہ رام چندر جی "بنواس" سے لوٹے تو اتفاق سے اُس پتھر پر بیٹھے کہ جو اہلیا کے جسم سے بن گیا تھا۔ اور اپنے پیروں کی گرد جھاڑی۔ اُس گرد کا یہ اثر ہوا کہ پتھر پر پڑنے سے اہلیا اپنی اصل شکل میں آگئی۔ رحیم نے اِس دوہے میں یہی بات اِس طرح کہی ہے کہ پہلے مصرع میں سوال کیا ہے کہ اے رحیم ہاتھی سر پر خاک کیوں ڈالتا ہے۔ اور دوسرے میں جواب ہے کہ وہ مٹی تلاش کرتا ہے کہ جس سے "راج رشی" (گوتم) کی بیوی نے نجات پائی تھی۔

سعدی کہتا ہے:۔

سعدی

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

وہ لوگ کہ جو اپنی نظر سے خاک کو اکسیر بنا دیتے ہیں۔ کیا ہماری طرف بھی ایک نظر ڈالیں گے۔

واضح رہے کہ مذکورالصدر واقعہ سے اِس شعر کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ مناسبتِ تخیل کی بنا پر درج کیا گیا ہے۔

نسیم بھرت پوری کہتا ہے:۔

نسیم بھرت پوری

خاکِ پائے قدمِ صاحبِ لولاک ہوں میں ؎ افتخارِ ملک و زینتِ افلاک ہوں میں ؎
خاک بیشک ہوں مگر صاف ہوں میں پاک ہوں میں ؎ دیکھا اگر وادیٔ ایمن مجھے وہ خاک ہوں میں ؎
کہ فرشتوں نے لیا بہرِ تیمم مجھ کو ؎

مولانا کوثر کہتے ہیں:۔

کوثر

مجھ کو خاکِ درِ محبوبِ خدا ہونا ہے
خاک ہونا ہے مگر خاکِ شفا ہونا ہے مجھ کو اکسیر سے رتبے میں سوا ہونا ہے
یعنی خاکِ درِ محبوبِ خدا ہونا ہے

آخر میں میں اپنے مُحبِ مُخلص و خواجہ تاش منشی چند بہاری لال صبا کا یہ نعتیہ شعر درج کرتے ہوئے رسالۂ ہٰذا ختم کرتا ہوں اور بطورِ خاتم اپنے اُستاد حضرتِ مائل دہلوی کا شعر نبرّکاً تحریر:-

صبا　اب مرا دامن نہیں ہے دامنِ رحمت سے کم　　آ پڑی ہے اِس پہ خاکِ آستانِ مُصطفٰےؐ

مائل
بہارِ عشقِ احمدؐ میں جو سودا ہو تو ایسا ہو
کہ دامن پھاڑ کر پھینکوں تو نبیوں کا مُصلّا ہو

ضمیمہ اوّل

کویوں اور شعراء کے مختصر حالات

کوی

نمبر شمار	تخلص	مختصر حالات	حوالہ صفحہ جس پر دوہا درج ہے
۱	احمد	ہندی میں احمد اور اُردو میں رونق تخلص کرتے ہیں۔ اِن کا حال اُردو شعراء کے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔	۲۰۶ ۲۱۷ ۲۳۹
۲	اکبر	ہندوستان کا مشہور و معروف شاہنشاہ جلال الدین محمد اکبر	۸۱
۳	برکت	سید برکت اللہ بلگرامی "پریم پرکاش" کے مصنف ہیں۔ جو دوہوں کبتوں۔ اور دُھرپدوں پر مشتمل ہے علہ	۱۱۶
۴	بہاری	عشقیہ شاعری کا روشن ترستارہ۔ یہ قوم کے برہمن تھے اور	۱۰۶ ۱۱۱

علہ ہندی شاعری ۱۲

متھرا کے رہنے والے۔ غالباً سمت ۱۶۶۰ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ مگر وفات کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ تحقیق ہے کہ ۱۶۶۳ء میں انھوں نے اپنی تصنیف "ست سئی" ختم کی اور مہاراجہ جے پور کی خدمت میں پیش کرنے پر ان کو سات سو اشرفیاں انعام میں ملیں، یہ ہندی کے تورتنوں میں سے ہیں۔ اردو سے ملتا جلتا ان کا رنگ کلام ہے۔ اسی وجہ سے اردو دنیا میں مقبول ہے اور نازک خیالی مسلّم ہے۔[1]

مہاراجہ جے سنگھ کے درباری کوی تھے اور "مہاکوی" یعنی ملک الشعرائی کا اعزاز تھا۔ بہت کافی زمین و جائداد ان کو ملی ہوئی تھی۔ جو ختم ہوتے ہوتے ایک احاطہ واقعہ چوکڑی گنگا پول عقب حویلی منشی رام جی داس جی رہ گیا۔ اور خاندان میں صرف ایک ضعیف بیوہ جو نانِ شبینہ کو محتاج تھی۔ چنانچہ راج سے گذارہ مقرر ہو گیا تھا۔

بہاری آخر عمر میں اپنے بھانجے کو اپنا جانشین بنا کر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور جے پور چھوڑ کر متھرا چلے گئے تھے۔ وہیں انتقال ہوا۔ بعض کا قول ہے کہ اپنے وطن گوالیار چلے گئے تھے۔ قدیم زمانے میں کوی بالعموم فارسی اور اردو کے شعراء کی طرح کوئی تخلص اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ پورا نام یا اس کا کوئی حصہ کام میں لیتے تھے۔ چنانچہ بہاری کا نام بہاری لال تھا۔

مہاراجہ جے پور نے سات بار ان کے ایک ایک دوہے پر ایک ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔ ان کی "ست سئی" "بہاری رتنا" کے نام سے مہاراجہ گوالیار نے مہاراجہ جے پور سے لے کر طبع کرائی ہے۔ جس میں ان کی تصویر بھی ہے۔[2]

۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۲۱ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۳۵ ۱۳۹ ۱۵۹ ۱۷۹ ۱۸۸ ۱۹۰ ۱۹۸

[1] ہندی شاعری ۱۸؎ [2] مسٹر بندھو بندھو ۱۲؎

نمبر	نام	حالات	صفحات
۵	بھیک جن	قوم کے برہمن تھے۔ ان کی تصنیف "باؤنی" میں تیتی اور گیان اپدیش ہے اور اشلوکوں کی تعداد پانچ سو ہے۔ سمبت ۱۶۱۶ ان کا زمانہ ہے۔ [1]	۳۶
۶	تلسی	یہ سنہ ۱۵۳۲ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۶۱۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ پہلے ان کا نام رام بولا تھا۔ مگر سادھو ہونے پر تلسی داس ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ہستناپور میں پیدا ہوئے تھے۔ قوم کے قنوجی برہمن تھے۔ کسی دربار سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ البتہ عبدالرحیم خانخاناں اور راجہ مان سنگھ والیِ آمیر سے کے مصنف ہیں جن میں سے "تلسی پتر کا" بھی ہے جو ان کے کمالِ شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ رام کے پرستار تھے اور رامائی تحریک کے مبلغِ اعظم، "گوشائیں چرتر" ان کی سوانح عمری ہے۔[2] رزم و بزم اور رہبنیہ شاعری پر یکساں اور کامل قدرت حاصل تھی۔	۲۱ ۲۴ ۳۵ ۴۱ ۶۵ ۶۸ ۷۵ ۸۵ ۱۰۱ ۱۵۰ ۲۱۴ ۲۲۴ ۲۳۰
۷	خسرو	ان کا حال شعرائے فارسی کے ذیل میں ملاحظہ کیجئے :-	۱۰۸ ۱۸۰ ۱۸۱
۸	دادو	ان کی پیدائش سمت ۱۶۰۱ بکرمی میں ہوئی۔ اور سمت ۱۶۶۰ بکرمی میں انتقال ہوا۔ ان کو قوم سے سارست برہمن مانا جاتا ہے[3] مگر انھوں نے اپنا پنتھ الگ بنایا جو دادو پنتھ کہلاتا ہے۔ کشنری جے پور میں ایک بڑی جماعت دادو پنتھی شاہیوں کی ہے۔ جو شادی نہیں کرتے تھے اور کسی بھی قوم کے بچے کو بطور اولاد پالتے تھے۔ جس کی ولدیت کے بجائے گرو کا نام سرکاری ریکارڈ تک میں درج ہوتا تھا۔ مثلاً فلاں چیلہ فلاں۔ فوجی اغراض کے لئے یہ جماعت تھی اور اب بھی اس عقیدت کے بہت لوگ ضلع جے پور وغیرہ میں ہیں۔ قصبہ نرایݨہ ضلع جے پور بھی ان کا بڑا مرکز ہے۔ مگر	۴۰

[1] مسر بندھو بنود ۱۲۔ [2] تاریخ ادب ہندی ۱۲ [3] مسر بندھو بنود ۱۲

		جب سے حکومت نے شادی کی اجازت دی ہے یہ پابندی نہیں رہی - دادو جی کبھی خفا نہیں ہوتے تھے اور ہر شخص سے مہربانی سے پیش آتے اور دادا کہہ کر مخاطب کرتے تھے اس لئے دادو دیال کہلائے [1] ان کا شمار برگزیدہ پیشواؤں میں کیا گیا ہے - ان کے معبد کو "دادو دوارہ" کہا جاتا ہے - اب تقریباً نصف صدی پہلے تک ان کی بانی ہر دادو دوارے میں قلمی رکھی رہتی تھی - جس کو ڈاکٹر ولجنگ سنگھ چیف میڈیکل آفیسر جے پور نے اوّل چھپوا کر مفت تقسیم کی - ان کا ایڈیشن رام بھگتی کا تھا اور ہر کویتا نصیحت پر مبنی ہے -	
۹	رحیم یا رحیمن	تخلص عبدالرحیم نام "خانخاناں" خطاب - ۱۵۵۳ء میں پیدا ہوئے - یہ اکبر کے اتالیق اعظم بیرم خاں کے فرزند تھے اور اکبری نورتنوں میں شامل، فارسی، عربی، سنسکرت اور ہندی کے عالم تھے - انھوں نے برج بھاشا کھڑی بولی اور پوربی بھ میں شاعری کی ہے - یہ ایک قول کے مطابق سب کویوں میں سب سے بڑے کوی ہیں - اور دوسرے قول کے مطابق مسلمان کویوں میں سب سے بڑے کوی ہیں - اور تیسرے قول کے مطابق مسلمان کویوں میں ان کے مقابل صرف رس لین اور شیخ عالم ہوسکتے ہیں - محققین کی رائے میں ملک محمد جائسی مصنف "پدماوت" ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتے - "رحیم ست سئی" "بردے نائکا بھید" "رس پنچادھیائی" اور "سنگار سورٹھا" ان کی ہندی تصانیف ہیں [2]۔ ہر اہل کمال کے قدر دان تھے - اور شعرا اور کویوں کو نوازنے میں اپنا جواب آپ - فیاضی میں بے قابو تھے - "ماثر رحیمی" ان کی مکمل سوانح عمری ہے -	۴۲، ۶۰، ۶۳، ۷۴، ۸۱، ۸۹، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۲۸، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۱۶، ۲۴۴

[1] مبشر ہند شعر ہنود ۱۲ [2] ہندی شاعری ۱۲ -

۱۰	رس لین	تخلص۔ سید غلام علی نام بلگرام وطن۔ مشہور ادیب ہندوستان میر عبدالجلیل بلگرامی کے بھانجے تھے۔ ان کے دوہوں میں فارسی الفاظ نہیں آتے۔ ان کی حسب ذیل تصانیف قابل قدر مانی گئی ہیں (۱) "انگ درپن" (سراپا) اور "رس پربودھ" اول الذکر ۱۷۳۷ء میں اور دوسری ۱۷۴۱ء میں مکمل ہوئی علہ	۱۳۳
۱۱	سورداس	بھگت سورداس ۱۴۸۳ء میں دلی کے قریب سیہی قصبہ کے ایک غریب برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں ان کا نام سورچند تھا۔ آخر میں یہی شور اور سور بن کر کور باطنوں کے لئے شمع ہدایت ثابت ہوئے۔ یہ سن شعور کو پہنچنے تک نابینا ہو گئے تھے۔ شری کرشن جی کے پجاری تھے۔ ساری عمر بھگتی میں گذار دی۔ ان کا کلام برج بھاشا میں ہے۔ بعض نے ان کو بحیثیت کوی پہلا نمبر دیا ہے۔ اور بعض نے تلسی داس کو۔ ہندی شاعری میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو اردو میں میر کا ہے۔ ان کی بہترین یادگار "سور ساگر" ہے علہ ۱۵۶۳ء میں انتقال ہوا۔ باپ کا نام رام چندر یا رام داس تھا۔ خود کیشو داس کہتا ہے:۔ सूर सूर तुलसी ससी, उडुगण केशव दास । अब के कवि खद्योत सम, जहँ तहँ करत प्रकाश ॥ سُور سُور تلسی سسی اُڈگن کیشوداس اب کے کوی کھدھوت سم جہنہ تہنہ کرت پرکاش یعنی سورداس سورج ہے۔ تلسی داس چاند اور کیشوداس ستارہ ہے۔ آجکل کے کوی	۱۶۸

علہ و علہ ہندی شاعری ۱۲:

صفحات	حالات	نام	نمبر
	جگنو ہیں جو کبھی کبھی روشنی دیتے ہیں۔ عا۱		
۲۳، ۷۱	نام اور تخلص۔ مہاتما چرن داس کی چیلی اور ہری پرشاد ڈھوسر کی بیٹی سمبت ۱۸۰۰ بکرمی میں ان کی شاعری کی ابتدا ہوئی۔ "سہجو پرکاش" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کی کویتا بڑی دلکش ہوتی ہے۔ برج بھاشا اور راجستھانی زبان کے الفاظ ان کے کلام میں ملتے ہیں۔ عا۲	سہجو	۱۲
۲۳۴	یہ اکبر و جہانگیر کے عہد کے کوی ہیں۔ قوم سے برہمن تھے۔ مگر شیخن نام رنگریزن کے عشق کا رنگ ایسا چڑھا کہ مسلمان ہو کر اس سے شادی کرلی۔ شیخن بھی عمدہ کوی تھی اور حاضر جواب۔ اس سے ایک بار ایک شاہزادہ نے پوچھا کہ "کیا تو عالم کی بیوی ہے"۔ اس نے برجستہ جواب دیا کہ "جہاں پناہ! میں جہان کی ماں بھی ہوں"۔ جہان ان کے بیٹے کا نام تھا۔ "عالم کیلی" اور "عالم کویتا" ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ بہت خوش فکر کوی تھے عا۳	شیخ عالم	۱۳
۸۹	شیونا تھ تخلص۔ مکرند نگر ضلع فرخ آباد کے باشندے تھے۔ ان کا زمانہ سمبت ۱۸۸۲ ہے معمولی شاعر تھے۔ "ریواں کی بناؤلی" ان کی یادگار ہے۔ عا۴	شیونا تھ	۱۴
۱۰/۵۹، ۱۸/۵۰، ۱۹/۵۱، ۲۴/۵۳، ۲۵/۵۴، ۲۷/۵۸، ۲۸/۵۹، ۳۱/۶۰، ۳۳/۶۸، ۳۴/۶۹، ۳۹/۷۰، ۴۲/۷۲، ۴۴/۷۳، ۴۵/۸۰، ۴۶/۸۲، ۴۸/۸۳	یہ سوامی رامانند کے شاگرد رشید تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بیوہ برہمنی کے لڑکے تھے جس نے اپنی بدنامی کی غرض سے بنارس کے قریب کسی نہر یا تالاب کے کنارے ڈال دیا تھا اور نیرو نامی جولاہا جو مسلمان تھا اٹھا لایا تھا اور اس کی بیوی نیما نے ان کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی۔ یہ ابھی کمسن ہی تھے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ان سے ناراض ہو گئے ہندو اس لئے کہ یہ نیچ ذات ہوتے ہوئے جنیو پہنتے تھے اور مسلمان اس لئے کہ مسلمان ہو کر ہندو دیوتاؤں کے نام لیتے تھے اور جنیو رکھتے تھے۔ یہ اگرچہ رامانند جی کے چیلے تھے مگر ان کے بعد ان کا پنتھ الگ بن گیا۔ جو کبیر پنتھ کہلاتا ہے۔ مسلمان ان کو اس لئے یعنی مسلمان نہیں مانتے تھے کہ یہ وحی کے منکر تھے اور ہندو اس لئے ہندو تسلیم نہ کرتے	کبیر داس	۱۵

حوالہ: [illegible] ہندی کی ۱۲ [illegible] ہندو ۲ [illegible] ۴ مشتر ہند [illegible] ۱۸۲

نمبر	نام	حالات	صفحہ
		تھے کہ یہ دیوتاؤں کے وجود، ہندو رسوم اور بت پرستی کے خلاف تھے۔ اسی مخالفت کے باعث یہ بنارس چھوڑ کر مگہر ضلع بستی میں چلے گئے اور وہیں زندگی کے دن پورے کئے۔ ان کی پیدائش تقریباً ۱۵۱۲ء میں ہوئی۔[1] زندگی میں ان کے ساتھ اول مذکور الصدر سلوک ہوا مگر پھر بقول مصنف "ہندی شاعری" ہندوؤں کے گرو اور مسلمانوں کے پیر کہلائے۔ ان کے پیروؤں کی تعداد اس وقت بھی ہندوستان میں تیس چالیس لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ بہت سے لوگ ہندی شاعری میں ان کو سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔ ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر سر رابندر ناتھ ٹیگور کی نظروں میں بھی ان کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان کی نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ مقبولیت ہندی کے بہت کم شعرا کو نصیب ہوئی ہے۔ ان کا کلام روحانیت سے لبریز ہے۔ ان کی موت کا افسانہ بھی کافی دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے مرنے پر لاش کے متعلق ہندو اور مسلمانوں میں جھگڑا ہوا۔ ہندو کہتے تھے ہم داغ دیں گے اور مسلمان دفن کرنے پر مصر تھے۔ آخر جب چادر اٹھا کر دیکھا تو لاش غائب تھی۔ صرف چند پھول پڑے ہوئے تھے جن کو فریقین نے تقسیم کر لیا۔ "بیجک" اور "ساکھی" ان کی خاص تصانیف ہیں۔	۸۰، ۸۲، ۸۳، ۹۸، ۹۹، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۴۶، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۹۲، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۶
۱۶	کیشوداس	بقول مصنف "نورتن" تلسی داس اور سورداس کے بعد ان کا نمبر ہے۔ یہ بڑے قادر الکلام اور مسلم الثبوت استاد تھے۔ ۱۲۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ وطن اورچھا (بندیل کھنڈ) تھا۔ اور والد کا نام کاشی ناتھ تھا۔ ان کا کلام عام فہم نہیں ہوتا۔ رنگین طبع واقع ہوئے تھے جیسا کہ ان کے محولہ دوہے سے ظاہر ہے۔ مصنف نورتن نے کبیر، تلسی، سورداس، بہاری اور متی رام وغیرہ کے ساتھ ان کو بھی نورتنوں میں شمار کیا ہے۔[2]	۲۰۹
۱۷	مبارک	سید مبارک علی نام۔ بلگرام وطن ۱۵۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کے زبردست عالم تھے۔ ہندی میں ان کی دو کتابیں "الک شتک" اور "تل شتک" ہیں۔	۱۲۹، ۱۳۵

[1] تاریخ ادب ہندی ۱۲ [2] ہندی شاعری ۱۲

نمبر	نام	حالات	صفحہ
		اول الذکر میں زلف وگیسو کی تعریف میں دوہے ہیں اور دوسری میں تل کے متعلق۔ دونوں تصنیف طبع ہوکر شائع ہو چکی ہیں[1]	
۱۸	متی رام	پنڈت متی رام قوم کے تواڑی برہمن تھے۔ ۱۶۱۷ء میں بمقام تکوان ضلع کانپور پیدا ہوئے۔ ان کے دو بھائی "چنتامن" اور "بھوشن" بھی اچھے کوی ہیں"۔ للت رام" "ہاتھا سار" رس راج' اور چھند سار پنگل" ان کی تصانیف ہیں۔ ۱۶۹۲ء میں انتقال ہوا۔ ان کے کلام میں تشبیہات اور جذبات کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں تاہم بہاری کو نہیں پہنچتے۔ البتہ زبان کے لحاظ سے ان کا کلام بے عیب ہے[2]	۱۴۸
۱۹	ملک محمد جائسی	نام و وطن۔ صوفی شعراء میں ان کا بھی مرتبہ بہت بلند ہے۔ اگرچہ کبیر کو نہیں پہنچتے۔ مگر ان کی تعلیم سے کافی متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ امیٹھی میں فوت ہوئے۔ "پدماوت" ان کی شاعری کا شاہکار ہے[3] جس کی زبان اس زمانے کے لحاظ سے کافی صاف ہے۔ مثلاً:۔ ملک محمد کہے کہانی کہاں کا راجہ کہاں کی رانی	۱۹۶
۲۰	میرا بائی	یہ راجستھان کی مشہور ومعروف صوفی منش شاعرہ ہیں۔ میڑتیہ راٹھور (راجپوت) رتن سنگھ کی بیٹی۔ راؤ عیدا جی کی پوتی اور راؤ جودھا جی بانیٔ شہر جودھپور کی پڑپوتی تھیں۔ ان کی ولادت چوکڑی نامی موضع میں ہوئی۔ سنہ ولادت و وفات میں اختلافات ہیں مگر جودھپور کے مشہور مورخ منشی دیبی پرشاد اور دیگر اصحاب نے سمت ۱۵۷۳ بکرمی میں ولادت اور سمت ۱۶۰۳ بکرمی میں وفات تحقیق کی ہے۔ ان کی شادی میواڑ کے مہارانا کے فرزند بھوراج سے ہوئی تھی جو باپ کی حیات میں فوت ہو گیا۔ ان کو رانا کمبھا کی رانی اور اودے پور کو ان کا مسکن کہنا سراسر نادانی ہے اس لئے کہ اودے پور سمت ۱۶۱۶ بکرمی میں ان کی وفات کے بعد آباد	۱۷۰ ۱۷۱ ۱۸۴ ۱۶۰

[1] ہندی شاعری ۱۲ [2] [3] تاریخ ادب ہندی ۱۲۔

		ہوا ہے۔ ان کے کلام میں بڑا سوز و گداز ہے جو ان کی حالتِ دل کا آئینہ دار ہے۔ یہ سری کرشن جی کی بھگت تھیں۔ اور جذبۂ شوق سے مجبور ہو کر ان کی مورت کے سامنے اکثر رقص کرنے لگتی تھیں۔ اشتیاقِ وصال اور اظہارِ سوزِ فراق اِن کے موضوعِ خاص ہیں۔ اِن سے خوش عقیدتی کے باعث کئی کہانیاں کہی جاتی ہیں۔ جو فسانہ کی حد تک ہی محدود رہ سکتی ہیں عل۱	
۲۱	ہری ناتھ	نام۔ قوم کے گجراتی برہمن تھے اور کاشی میں رہتے تھے۔ انھوں نے سمت ۱۸۲۶ میں "النکار درپن" نامی گرنتھ (مجموعہ کلام) تیار کیا اور دوسرا "برتھی شاہ محمد شاہ اتہاس سینذی" جو لندن کے عجائب خانے میں نمبر ۶۶۵۷ پر محفوظ ہے۔ ان کی زبان برج بھاشا ہے اور معمولی طور پر اچھی ہے۔ ہم ان کو معمولی درجے میں لکھتے ہیں عل۲ ان کا اور شیو ناتھ کوی کا زمانہ تقریباً ایک ہی پایا جاتا ہے۔ مگر خود اقتصہ صفحہ ۸۹ پر بحوالہ "جذباتِ مشرق" درج ہے۔ اس کی مطابقت میں دشواری ضرور واقع ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔	۸۹

عل۱ و عل۲ مشر بندھو ونود ۱۲

شعرائے فارسی

سنین ہجری کی مطابقت میں سنین عیسوی کا اضافہ منجانب مرتب کیا گیا ہے

نمبر شمار	تخلص	مختصر حالات	حوالہ صفحہ جس پر شعر ہو
۱	آذری	تخلص۔ علی حمزہ نام۔ جلال الدین لقب۔ طوس وطن۔ آذر جو ہندی مہینہ چیت کے مطابق فارسی مہینہ ہے اُس میں پیدا ہوئے اس لئے آذری تخلص کیا۔ شاہ رخ سلطان کے دربار میں ملک الشعراء تھے۔ دو بار حج کر کے ہندوستان آئے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی والیِ دکن کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا اور انعام میں جواہرات سے مالا مال ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد جب واپسی وطن کا ارادہ کیا تو بادشاہ نے ایسی شفقت و مہربانی کا اظہار کیا کہ رُک گئے، بالآخر جب اجازت ملی تو چالیس ہزار روپیہ بطور رخصتانہ عطا ہوا۔ اُنھوں نے روپیہ ملنے پر برجستہ کہا۔ لَا تَحْمِلُ عَطَایَاکُمْ اِلَّا مَطَایَاکُمْ یعنی تمھاری بخشش کا بار تمھاری ہی پیٹھ برداشت کر سکتی ہے۔ لہذا بادشاہ نے چار حبشی اور پانچ ہندی غلاموں کا اضافہ کر کے خلعتِ فاخرہ اور بتیس ہزار روپیہ مزید عطا فرمایا۔ وطن پہنچ کر بھی "بہمن نامہ" کی تکمیل کرتے رہے جس کے تصنیف کرنے کی فرمائش بادشاہ نے کی تھی اور یہ تعمیل کر رہے تھے۔ مگر مکمل نہ کر سکے اور ان کے بعد دوسرے شعرائے نے پورا کیا۔ اسی برس کی عمر پائی اور سنہ ۸۶۶ھ سنہ ۱۴۶۱ء یا ۱۴۶۲ء	۱۱۰

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
		میں بمقام اسفرائن انتقال ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔[1]	
۲	آزاد	تخلص۔ غلام علی نام، نسبًا سید حسینی۔ وطن و مولد قصبہ بلگرام ۵ صفر سنہ ۱۱۱۲ھ (۲۹ مئی ۱۷۰۴ء) کو پیدا ہوئے۔ علوم و فنون متداولہ کے فاضل تھے شعر و سخن سے خاص شغف تھا۔ یدِ بیضا۔ سروِ آزاد۔ اور خزانۂ عامرہ نامی تذکرے تصنیف کئے۔ اور بھی متعدد کتب فنِ تاریخ و سیر میں یادگار چھوڑیں۔ بجز ایک بار کے تمام عمر امراء و اہلِ دول کی تعریف و مدح نہ کی۔ حالانکہ اُن سے کافی تعلقات تھے۔ وہ مدح بھی حسبِ ذیل رباعی ہے جو نواب آصف جاہ کو اپنے انتظامِ حج کی بابت پیش کی تھی اور نواب نے خوش ہو کر خاطر خواہ انتظام کر دیا تھا۔ اے حامیِ دیں محیطِ جود و احساں ۔ حق داد ترا خطابِ آصفِ شایاں او تخت بدرگاہِ سلیماں آورد ۔ تو آلِ نبی را بدرِ کعبہ رساں[2]	۹۸ ۱۸۸
۳	اثر	تخلص۔ مزید حال میری نظر سے نہیں گذرا۔ البتہ "گلستانِ مسرت" میں ان کے متعدد اشعار درج ہیں۔	۶۸
۴	اجل	ان کا بھی کوئی حال میری نظر سے نہیں گذرا۔ عالمگیر کے مصرع پر ان کا ایک مصرع مجموعۂ ہذا میں درج ہے۔	۲۴۳
۵	احمد جام	شیخ احمد جام۔ درویشِ ممتاز اور صوفی عالی درجات تھے۔ ۴۴۱ھ م ۱۰۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ علمِ ظاہر کسی سے حاصل نہیں کیا بلکہ غیب سے علمِ لدنی عطا ہوا جس کا ذکر انھوں نے اپنی تصنیف "سراج السائرین" میں کیا ہے۔ ایک لاکھ اسی ہزار اشخاص ان کے مرید تھے۔ ۵۳۶ھ م ۱۱۴۱ء / ۱۱۴۲ میں وصال ہوا۔ کتبِ سیر میں مفصل حال درج ہے۔[3]	۲۹

۱؎ تاریخِ فرشتہ، منتخب اللطائف، خزانۂ عامرہ۔ ۱۲ ۲؎ خزانۂ عامرہ ۱۲ ۳؎ منتخب اللطائف ۱۲

۶	استغنا	تخلص۔ مرزا عبدالرسول نام۔ شاہزادہ محمد اکبر کے بخشی شکار تھے اور طرزِ قدیم کے خوش فکر و پُرگو شاعر تھے۔[1]	۱۲۰
۷	اسیر	تخلص۔ مرزا جلال نام۔ جلال اسیر مشہور۔ شرفائے فارس میں سے تھے اور شاہ عباس فرمانروائے ایران کے داماد۔ اپنے زمانے کے مشہور و معروف اور بلند مرتبہ شاعر تھے۔[2]	۲۷ ۱۲۲
۸	اشرف	تخلص (ملاّ) محمد سعید نام۔ سعیدائے اشرف مشہور۔ عالمگیر کے زمانے میں ایران سے ہندوستان آئے۔ مرزا صائب سے تلمذ تھا۔ عالم فاضل اور بلند پایہ خطاط تھے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں بڑا ملکہ تھا۔ دوستوں کی صحبت میں بیٹھے بیٹھے شعر موزوں کر لیتے تھے۔[3]	۷۵ ۲۱۷ ۹۱?
۹	افضل	تخلص۔ افضل الدین نام۔ فاضل، کامل اور حکیم عدیم المثال تھے۔ محقق طوسی کے ماموں تھے۔ "ساز و پیرایہ" ان کی تصنیف ہے۔[4]	۴۸، ۵۱، ۵۲ ۲۱۸، ۲۴۰
۱۰	اقبال	ان کا حال اردو شعراء میں ملاحظہ کیجیے۔	۱۴۷
۱۱	الفتی	تخلص۔ یزد، وطن۔ الفتی یزدی مشہور۔ ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے اور اکبر کا عہد بھی دیکھا۔ علی قلی خاں خانِ زماں کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ خان موصوف نے ان کے اس مطلع پر ان کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا تھا:۔ مشتِ خاشاکیم و داریم آتشے ہمراہِ خویش — دور نبود گر بسوزم از شرارِ آہِ خویش[5] بظاہر مطلع میں شتر گربہ کا نقص ہے۔ مگر حقیقتاً یہ خوبی ہے۔ جس طرح یہ شعر:۔ کریما بہ بخشائے بر حالِ ما — کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا تشریح کی گنجائش نہیں اہلِ علم و فن پر خود واضح ہے۔	۱۹۹ ۲۱۲ ۲۲۲

[1] کلیات الشعراء ۱۲ [2] کلیات الشعراء و منتخب اللطائف ۱۲ [3] کلیات الشعراء ۱۲ [4] منتخب اللطائف ۱۲ [5] خزانہ عامرہ ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
۱۲	اُمید	تخلص محمد رضا نام۔ قزلباش خاں مشہور۔ ہمدان اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ بہادر شاہ اول کے عہد میں ہندوستان آئے اور ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے۔ کچھ عرصہ نواب ذوالفقار جنگ کی خدمت میں رہے اور پھر آصف جاہ کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو گئے۔ آخر نواب عمدۃ الملک سے رابطۂ محبت پیدا ہوا جو تادمِ آخر قایم رہا ؏1	۱۰۶
۱۳	انصاف	تخلص۔ نقد علی خاں ایجاد کے فرزند تھے اور صاحبِ فکرِ رسا سخنور تھے۔ ؏2	۱۳۰
۱۴	اہلی	تخلص۔ شیراز وطن۔ علمِ صنائع و بدائع میں کمال حاصل تھا۔ مثنوی سحرِ حلال ان کے کمال پر دال ہے ۹۳۲ھ م ۱۵۲۵ء/۱۵۲۶ء میں انتقال ہوا اور حافظ شیرازی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ؏3	۱۸۸، ۲۰۷
۱۵	بابر	تخلص و لقب۔ ظہیر الدین نام۔ ہندوستان کا مشہور و معروف بادشاہ —	۱۱۵، ۱۳۰
۱۶	برہمن	تخلص۔ چندر بھان نام۔ عہدِ شاہجہاں کے شاعر تھے۔	۱۵۱-۱۵۸
۱۷	بیخبر	تخلص۔ بلگرام وطن۔	۱۲۵
۱۸	بیدل	تخلص۔ مرزا عبد القادر نام۔ تورانی الاصل۔ عظیم آباد پٹنہ مولد۔ مدت تک بنگالہ میں رہے۔ آغازِ شباب میں شاہزادہ محمد اعظم کی نوکری کی۔ ان کے دوستوں نے ان کے کلام کی شاہزادے سے تعریف کی تو اُس نے اپنے لئے قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ دوستوں نے بہت سمجھایا مگر رضامند نہ ہوئے اور نوکری چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔ اور بطور معتکف خانہ نشین ہو گئے۔ تیس سال اسی طرح گزارے۔ خود اہلِ دُوَل ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ہر طرح خدمت کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے بے بدل شاعر و نثار تھے۔ ایک ضخیم کلیات اور چار عنصر وغیرہ اپنی یادگار تصانیف چھوڑیں۔ بعض نے ان کی	۲۵، ۵۷، ۷۵، ۸۶، ۱۸۵

؏1 و ؏2 و ؏3۔ منتخب اللطائف ۱۲

تاریخ وفات ۴ صفر ۱۱۳۰ھ م ۱۷۱۷/۱۷۱۸ء اور بعض نے ۴ صفر ۱۱۳۳ھ م ۱۷۲۰/۱۷۲۱ء درج کی ہے۔ ؏۱

۱۹ — تسلیم
ان کا حال شعرائے اُردو میں ملاحظہ کیجئے۔
(۴۵ / ۱۱۸، ۷۰ / ۱۱۹، ۷۹ / ۱۲۶)

۲۰ — جامی
تخلص۔ نورالدین عبدالرحمٰن نام۔ ولایتِ جام مولد و منشا اسی نسبت سے جامی تخلص کیا۔ اپنے زمانے کے جید عالم و فاضل اور جید مصنف و شاعر نیز صوفیِ ممتاز اور درویش با اعزاز تھے۔ طبیعت میں ظرافت و بذلہ سنجی بھی غضب کی تھی۔ ایک بار ایک شاعر نے ان کو اپنا ایک مطلع سنایا۔ انھوں نے تعریف کی اور داد دی۔ اُس نے جوشِ مسرت میں کہا کہ یہ ایسا مطلع ہے کہ شہر میں چاروں طرف لٹکا دیا جائے۔ انھوں نے کہا جی ہاں اور اس کے ساتھ ہی شاعر کو بھی لٹکا دینا چاہیئے۔ حاضر جوابی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ سلطان حسین بایقرا کا عہد ان کے اظہارِ کمالات کا زریں زمانہ تھا۔ ۴۸ تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ ۱۸ محرم ۸۹۸ھ م ۹ نومبر ۱۴۹۲ء کو انتقال ہوا۔
(۱۹، ۲۱، ۴۰، ۵۵، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۳۹، ۱۶۵)

۲۱ — جلالی
کوئی حال معلوم نہ ہوا۔
(۱۳۶)

۲۲ — جمیلہ
تخلص۔ اصفہان وطن حبیب اللہ تُرک کی منکوحہ تھیں ؏۲
(۱۷۷)

۲۳ — جویا
تخلص۔ داراب بیگ نام۔ ان کے آباد اجداد ایران سے کشمیر آکر آباد ہو گئے اس لیۓ ان کو جویا کشمیری کہتے ہیں۔
(۲۳۸)

۲۴ — جہانگیر
ہندوستان کا مشہور و معروف شہنشاہ۔ خود تو گاہ بگاہ شعر کہتا تھا مگر سخن فہم و سخن سنج غضب کا تھا۔ اور شعراء کا قدردان و محسن۔ ایک بار ایک شاعر نے دربار میں قصیدہ پیش کیا۔ مطلع کا مصرع اولیٰ پڑھا تھا کہ جہانگیر نے روک دیا اور پوچھا کہ تو تذرو جانتا ہے۔ اُس نے کہا نہیں۔ جہانگیر
(۱۳۳، ۱۴۴، ۲۳۳)

؏۱ منتخب اللطائف ۔ [illegible]

نے کہا اگر ہاں کہتا تو تیرا سر اڑا دیتا۔ شاعر سہم گیا کہ کیا غلطی ہوئی۔ جہانگیر نے کچھ دے دلا کر رخصت کیا۔ مصرع تھا:-

اے تاجِ دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

اس کی تقطیع اس طرح ہوتی ہے :-

اے تاجِ دو۔ مستفعلن۔ لت بر سرت۔ مستفعلن۔ از ابتدا۔ مستفعلن۔ تا انتہا۔ مستفعلن۔ یعنی دوسرا رکن "لت بر سرت" (تیرے سر پر لات) بادشاہ کی کیسی توہین ہے!

ایک بار شاہی چیتے نے جہانگیر کے روبرو شکار میں کالا ہرن مار لیا۔ جہانگیر کی زبان سے بیساختہ مصرع نکلا۔ چیتۂ بادشاہ زد کالا

ابو طالب کلیم شاہی شاعر حاضر تھا اس نے برجستہ کہا۔ گشت صحرا از خونِ او لالا

جہانگیر نے اسی وقت پانچ ہزار روپیہ انعام عطا کیا علہ

۲۵	حافظ	تخلص۔ شمس الدین نام خواجہ۔ اور لسان الغیب خطاب۔ قدح خوارِ خمخانۂ معرفت اور ساقیِ بادۂ طریقت۔ ان کا کلام نظرِ اہلِ نظر میں آج بھی واجب الاحترام ہے اور ان کا دیوان اہلِ عقیدت کے نزدیک آج بھی فالنامۂ کرامت کا درجہ رکھتا ہے۔ خود کہتے ہیں:-

مرداں ز خاک ہم خبر آسماں دہند　　فالِ کلامِ حافظ شیراز کن لحاظ

ان کے اشعار مناجاتیوں کا درد اور خراباتیوں کا زمزمہ ہیں۔

سلطان محمود شاہ بہمنی والیِ دکن جو خود بھی اچھا عالم، عمدہ خطاط اور بہترین سخن فہم تھا۔ اس کا دستور تھا کہ کوئی شاعر پہلی بار اس کے دربار میں قصیدہ پیش کرتا تھا تو ایک ہزار تنکہ طلائی (اشرفی) یعنی ایک ہزار تولہ سونا انعام عطا کرتا تھا۔

۲۲
۳۸
۵۱
۶۱
۶۸
۶۹
۸۷
۹۱
۱۱۰
۱۲۱
۱۳۱
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۵۰
۱۶۱
۱۶۴

علہ کلمات الشعراء ۱۲۔

عرب وعجم کے شعراء کی قدر ومنزلت فرماتا تھا۔ سلطان کی شہرتِ جود وبخشش اور قدر دانیٔ شعراء سُن کر حافظ نے بھی دکن پر نظر ڈالی۔ میر فضل اللہ وزیر سلطان موصوف کو یہ اطلاع ملی تو اُس نے زادِ راہ کے طور پر بہت کافی رقم حافظ کو بھیج کر دکن آنے کی دعوت دی۔ حافظ نے اپنا قرض ادا کیا۔ اور کچھ رقم اپنے بھانجے پر خرچ کی۔ بقیہ جو سفر خرچ کے لیے کافی تھی لیکر شیراز سے روانہ ہوئے۔ مگر رستہ میں کسی نے چرالی۔ دو تجار نے ان کی کفالت کی۔ یہ ان کے ساتھ بندرگاہِ ہرمز تک آئے۔ کشتی میں سوار ہوئے۔ یکایک طوفان آیا۔ انہوں نے کبھی دریا کا سفر نہیں کیا تھا گھبرا کر بلطائف الحیل اُتر گئے۔ اور غزل کہہ کر سلطان کی خدمت میں ارسال کی جس کے تین شعر یہ ہیں۔

دمے بغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
بمے بفروش دلقِ ما کزیں بہتر نمی ارزد

شکوہِ تاجِ سلطانی کہ بیمِ جاں درو درج است
کلاہِ دلکش است اما بترکِ سر نمی ارزد

بس آساں می نمود اول غمِ دریا بوئے دُر
غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

میر فضل اللہ نے سارا واقعہ اور غزل بادشاہ کو سنائی تو اُس نے یہ کہتے ہوئے کہ حافظ نے حاضری کی کوشش تو کی ہم اپنے فیض سے اُس کو کیوں محروم رکھیں۔ ہزار اشرفی اپنے آدمی کے ہاتھ خواجہ حافظ کو بھجوا دیں۔

خواجہ حافظ کا انتقال ۷۹۲ھ مطابق ۱۳۸۹ء میں بمقام شیراز ہوا اور خاکِ مصلیٰ میں دفن ہوئے[۱]

۱۶۵
۱۸۵
۱۹۴
۲۰۶
۲۲۳
۲۲۴

۲۶ | حزیں

تخلص۔ شیخ محمد علی نام، اصفہان وطن، علومِ عقلی ونقلی کے ماہر اور بلند مرتبہ شاعر تھے۔ سیر وسیاحت بہت کی۔ سعادتِ حج بھی حاصل کی۔ نادر شاہ بادشاہِ ایران سے مخالفت کے باعث ہندوستان چلے آئے اور جب نادر یہاں حملہ آور

۲۳۸
۱۴۰
۱۴۷

[۱] خزانۂ عامرہ۔ ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحہ
		ہوا نوروپوش ہوگئے۔ چونکہ ہندوستانی شعراء کی انہوں نے ہجو کہی تھی اس لئے وہ ناراض ہوگئے تھے اور انھوں نے بھی جواب دئے۔ دہلی میں کافی مدت رہے پھر بنارس جاکر مستقل سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۱۱۸۰ھ م ۱۷۶۶/۱۷۶۷ء میں انتقال ہوا ؎۱	
۲۷	حسن	تخلص۔ حسن علا سجزی مشہور دہلی وطن۔ حضرت محبوب الٰہی کے مریدین خاص میں تھے اور خسرو کے محبوب ترین دوست نیز شعر و سخن میں انھیں کے تربیت کردہ۔ نہایت خوش فکر و بلند خیال شاعر تھے ان کی تصنیف فواد الفواد بہت مشہور و مقبول کتاب ہے ؎۲	۱۴۷
۲۸	حسین	تخلص۔ مشہد کے رہنے والے خوش فکر شاعر تھے۔ ؎۳	۱۰۶
۲۹	حیرت	تخلص۔ دانشمند خاں نام۔ معز الدولہ لقب، ولایت سے ہندوستان آئے اور محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کے مقربین میں داخل ہوئے۔ خوش گو شاعر تھے ؎۴	۱۴۸
۳۰	خاقانی	تخلص۔ افضل الدین نام۔ شروان وطن۔ حسان العجم اور افتخار لوح و قلم مانے جاتے ہیں۔ خاقان اکبر منوچہر شروانی کے مداح تھے۔ اس نسبت سے۔ تخلص اختیار کیا۔ اور اس کے عہد میں بڑا عروج پایا۔ ہر قصیدے کا ایک ہزار اشرفی انعام مقرر تھا۔ خلعت فاخرہ نیز دیگر انعام و اکرام مزید علیہ ۵۸۲ھ م ۱۱۸۶/۱۱۸۷ء میں انتقال ہوا، باوجود اس قدر فضل و کمال کے ان کا قلم زبان اور زبان قلم ہجو کی گندگی سے آلودہ ہے۔ نہ اپنے استاد و خسر ابو العلی گنجوی کی ہجو سے چوکے نہ اپنے یار غار رشید الدین وطواط کی ذم سے۔ اسی بدزبانی کا اثر تھا کہ شروان شاہ بادشاہ کے حکم سے سات مہینے قلعہ میں قید رہے اور سخت اذیتیں اٹھائیں۔ کلیم ہمدانی نے ہجو سے اجتناب کا اظہار عجیب انداز میں کیا ہے۔ کہتا ہے:۔	۱۲۶

؎۱ منتخب اللطائف ۱۲ ؎۲ فوائد الفواد ۱۲ ؎۳ کلمات الشعراء ۱۲ ؎۴ منتخب اللطائف ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
		گر ہجو نیست در سخنِ من عجیب مدار ؎ حیف آیدم کہ زہر در آبِ بقا کنم ۱؎	
۳۱	خُسرو	تخلص۔ ابوالحسن نام۔ تُرک اللہ خطاب۔ امیر خسرو مشہور قلم رو معانی کا بادشاہ اور مملکتِ نکتہ دانی کا شہنشاہ۔ خسروِ علم و فضل اور سلطانِ فن و ادب امیر الشعراء اور رئیس الادباء صاحبِ نعمتِ دنیا و دیں۔ حاملِ عرفان و یقین امیر سیف الدین کے فرزند اور محبوبِ الٰہی کے محبوب ترین مریدِ عقیدتمند۔ نسلاً لاچین ترک۔ مومن آباد عرف پٹیالی مولد۔ جملہ اصنافِ سخن حتّٰی کہ پہیلی، مُکرنی، گیت اور دوہوں تک پر قدرت حاصل تھی۔ اُردو زبان کے مُوسسِ اوّل۔ پیر پرستی میں اکمل، سات بادشاہانِ دہلی کا زمانہ دیکھا اور ان سے قریب ترین تعلق رہا۔ مگر دامنِ تصوف کبھی نہ چھوڑا۔ یہ ہندوستان کی پہلی ہستی ہیں جن کو ہندوستانیوں نے "جگت گرو" مانا اور ایرانیوں نے ان کی شاعری کو تسلیم کیا۔ سعدی جیسے باکمال شاعر نے تعریف کی۔ اِن کو اِن کی تصنیف مثنوی "نہ سپہر" کے صلے میں کہ جس میں ان کا جوشِ سخن اُبلا پڑتا ہے۔ سلطان قطب الدین نے ہاتھی کے وزن کی برابر نقد و زر عطا کیا۔ حاضر جوابی۔ لطیفہ گوئی۔ بذلہ سنجی اور مزاحِ لطیف میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ نہایت مشغول زندگی کے باوجود ۹۹ تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں ۱۸ شوال ۷۲۵ھ م ۱۳۲۵ء کو وصال ہوا ۲؎	۳۷ ۳۸ ۱۲۴ ۱۴۴ ۱۵۵ ۱۶۴ ۱۸۲ ۱۸۸
۳۲	خیّام	تخلّص۔ اغلباً اس لئے کہ ان کے آبا و اجداد خیمہ دوز تھے۔ عمر نام نیشاپور وطن علم و فضل کا بحرِ ذخّار اور فن و ادب کا دریائے ناپیدا کنار۔ شاہانِ وقت کے لئے واجب الاحترام۔ شمس الملوک خاقانِ بُخاری اور سلطان سنجر ان کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتے تھے۔ علمِ نجوم میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ ملک شاہ	۵۴ ۲۲۴ ۲۲۶ ۲۲۷

۱؎ و ۲؎ خزانۂ عامرہ ۱۲

		بادشاہ کے حکم سے جو رصد خانہ تعمیر ہوا وہ انھیں کی رائے سے ہوا۔ اور زیچ انہیں نے تیار کی۔ نظامی عروضی کا قول ہے کہ میں خیام کی خدمت میں حاضر ہوا تو بدورانِ گفتگو انھوں نے کہا کہ میری قبر ایسی جگہ ہوگی جس پر سال میں دو بار درخت پھول برسائیں گے جب اُن کے انتقال کے بعد نیشاپور پہنچا اور اُن کی قبر پر گیا تو دیکھا کہ ایک باغ کے سہارے قبر ہے۔ اور سرہانے امرود اور زرد آلو کے درخت ہیں جن کے شگوفے اس کثرت سے قبر پر گرے ہیں کہ قبر ڈھک گئی ہے۔ خیام چونکہ فلسفۂ یونان کا درس دیتے تھے اس لئے لوگ ان کے دشمن ہوگئے اور قتل کرنے کو تیار، لہٰذا یہ حج کو چلے گئے۔ اور واپسی پر عزلت گزیں ہوگئے حتیٰ کہ ۵۱۷ھ م ۱۱۲۳ء میں وفات پائی[1]	
۳۳	دوری	تخلص۔ مرتضیٰ خاں نام۔ اصفہان وطن۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے[2]	۷۴
۳۴	رازی	تخلص۔ میر عسکری نام۔ عاقل خاں خطاب، خاف وطن اور مولد ہندوستان۔ حضرت برہان رازی الٰہیؒ سے عقیدت کی بنا پر یہ تخلص کیا۔ عالمگیری اُمراء میں تھے۔ پدماوت وغیرہ کو ہندی سے فارسی میں منتقل کیا۔ شعر بھی خاصے کہتے تھے[3]	۱۵۶
۳۵	راسخ	تخلص۔ محمد زماں نام۔ نسباً سید۔ اساتذۂ وقت میں ان کا شمار تھا۔ سرخوش ان کو اپنا استاد اس لئے کہتا ہے کہ انہوں نے اُس کے اس مطلع میں بجائے "تلخی" "کاوش" کی اصلاح دی تھی۔ ۱۱۰۷ھ م ۱۶۹۵ء/۱۶۹۶ء میں انتقال کیا[4] باندک تلخیِ اندوہ عشرت ہائی ارزد بہ تشویشِ حلال ایں نعمتِ دنیائی ارزد	۴۳ ۱۹۱
۳۶	رومی	تخلص۔ جلال الدین نام۔ محی الدین لقب۔ "مولانا روم" اور "مولوی معنوی"۔	۲۱

[1] شعر العجم جلد اول ۱۲ [2] منتخب اللطائف ۱۲ [3] ایضاً۔ [4] کلمات الشعراء ۱۲

		مشہور معلم و سرحلقۂ اہلِ باطن، کاشفِ اسرارِ حقیقت و معرفت۔ شارحِ علم سلوک و طریقت۔	۲۳ ۳۷ ۳۹ ۵۷
		من چہ گویم وصفِ آں عالی جناب نیست پیغمبر ولے دارد کتاب	
		مثنویِ مولویِ معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی[1]	
۳۷	زلالی	تخلص۔ خوانساری مشہور ہیں اور خوش گو شاعر ہیں[2]	۱۴۳
۳۸	زمانی	تخلص۔ کاشان وطن۔ مرزا سلطان حسین بایقرا کے مصاحب تھے[3]	۱۴۲
۳۹	سالک	تخلص۔ یزد وطن۔ اور کوئی حال معلوم نہ ہوا۔	۱۱۸ - ۲۱۷
۴۰	سحابی	تخلص۔ کمال الدین نام۔ استرآباد وطن۔ شوشتر مولد۔ مشہور استاد گذرے ہیں۔ ۱۰۱۰ھ م ۱۶۸۹ء/۱۶۹۰ء میں انتقال ہوا۔[4]	۲۱۷
۴۱	سرخوش	تخلص۔ محمد افضل نام۔ ۱۰۵۰ھ م ۱۶۴۰ء/۱۶۴۱ء میں بمقام کشمیر پیدا ہوئے۔ صائب کے شاگرد تھے۔ اور ناصر علی سرہندی کے معاصر و دوستِ خاص۔ جوانی میں جاہ و منصب داری کے لئے بہت سرگرداں رہے مگر آخر شاہجہاں آباد میں عزلت گزیں ہو گئے۔ میر معزی کا قول ہے کہ میں نے ہندوستان میں تین شاعر دیکھے۔ ناصر علی، غنی اور سرخوش سرخوش کو اپنی ناقدری اور اہلِ دولت کے بخل کی شکایت رہی۔ چنانچہ انھوں نے ہجویں بھی کہیں۔ اور اس کے جواز میں یہ شعر بھی ہے۔ جز بہجا کلک سزاوار نیست مار کزہرش نبود مار نیست ایک امیر ہمت خاں نامی کی مدح سرائی میں زورِ کلام دکھایا اس نے نقد و جنس انعام کا اقرار بھی کیا مگر کچھ نہ دیا تو یہ رباعی کہہ کر اس کو رسوا کیا۔	۱۰۸

[1] مثنوی مولانا روم ۱۲ [2] خزانہ عامرہ ۱۲ [3] منتخب اللطائف ۱۲ [4] ایضاً ۱۲

اے پنجہ، تو ز دامنِ دولت دور — بر دولتِ بے فیض دماغت مغرور

بے ہمّتی و نامِ تو ہمت خاں است — بر عکس نہند نامِ زنگی کافور

سرخوش نے ۴۵ ہزار اشعار پر مشتمل کلیات اور دیگر متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں تذکرہ "کلمات الشعراء" کافی مشہور و مقبول ہوا۔ ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں بمقام دہلی بعمر ۷۱ سال انتقال ہوا۔[۱]

۴۲ — **سرمد** — تخلص۔ برہنہ سر و بدن رہتے تھے۔ علم تصوّف کے عالم اور فنِ عشق میں کامل تھے۔ جذب کا غلبہ تھا مگر باہوش تھے کہ دنیا سے بے ہوش رہتے تھے۔ دارا شکوہ کو ان سے ارادت تھی۔ اس نے بادشاہ سے اِن کی تعریف کی تو بادشاہ نے دریافتِ حال کے لئے اپنا آدمی بھیجا۔ اُس نے واپسی پر یہ رپورٹ کی کہ:

بر سرمدِ برہنہ کرامات تہمت است — کشفے کہ ظاہر ست از و کشفِ عورت است

شاہجہاں نے تو اِن سے مزاحمت نہ کی مگر عالمگیر کے عہد میں ان پر الحاد و عریانی وغیرہ کا فتویٰ لگایا گیا اور شہید کر دیئے گئے۔ ان کی رباعیاں زیادہ مشہور ہیں۔[۲] — ۱۷۸

۴۳ — **سرور** — تخلص۔ آقا رضی سرور مشہور، کوئی ایرانی شاعر معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب — ۹۶

۴۴ — **سرور** — تخلص۔ نام لچھمی نرائن ہے۔ مزید حال معلوم نہ ہوا۔ — ۱۳۶

۴۵ — **سرور** — تخلص بیت پرشاد نام شاہجہاں پور وطن۔ — ۱۵۵

۴۶ — **سعدی** — تخلص۔ شرف الدین نام، مصلح الدین لقب۔ شیراز وطن۔ نخل بندِ گلستانِ سخن، چمن آرائے بوستانِ علم و فن۔ فخرِ شعراء، نازِ اُدبا، ناصحِ شفیق اور یارِ مخلص۔ عالمِ عامل۔ صوفیِ کامل۔ عاشقِ بسمل۔ ظریفِ خوشدل۔ معلّمِ فاضل۔ فاضلِ عاقل۔ "گلستاں" میں وہ پھول کھلائے ہیں جن کی خوشبو آج بھی دماغوں کو معطّر کرتی ہے۔ اوروں کے گلشن ان کی گلستاں کے سامنے خزاں دیدہ و پژمردہ ہیں۔

۱۷	۹۶
۱۸	۱۱۹
۲۳	۱۳۷
۲۴	۱۵۱
۴۷	۱۶۶
۵۲	۱۶۸
۵۵	۱۹۰
۵۷	۱۹۲
۶۶	۲۰۸
۶۷	۲۱۳
۶۹	۲۱۴
۷۲	۲۱۵
۷۳، ۷۵	۲۱۷
۸۸	۲۱۸
۹۶	۲۲۰

[۱] و [۲] زبدۃ الفصحا ۱۲

نمبر	نام	حالات	صفحہ
		پیغمبرانِ سخن میں ثالثِ ثلاثہ ہیں۔ مفصل حال متعدد کتابوں میں درج ہے۔ بچہ سعدی کو کون با ادب نہیں جانتا۔	۲۲۷ ۲۴۳
۴۷	سلیم	تخلص۔ محمد قلی نام۔ طہران وطن۔ سخنورِ جلیل القدر اور صاحبِ علم و فن۔ ہندوستان آئے۔ کشمیر میں رہے۔ وہیں قدسی و کلیم کے قریب آسودہ ہیں[1]	۱۶۶
۴۸	سلطان	تخلص۔ علی قلی خاں نام۔ خانِ زمان خطاب۔ ہمایوں کے ممتاز امراء میں تھا اور جونپور کا حاکم۔ علم پرور ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا۔ اکبر کے زمانے میں علمِ بغاوت بلند کیا اور شکست کھا کر معافی چاہنے پر جان بخشی ہوئی۔	۲۰۲
۴۹	سنائی	تخلص۔ محمود نام۔ ابوالمجید کنیت۔ غزنیں وطن۔ ابتداء میں شاعری کا پیشہ اختیار کیا پھر تارک الدنیا ہو گئے۔ ان کی تصنیف "حدیقۂ سنائی" نہایت مقبول و مشہور ہے[2]	۷۴
۵۰	شاغل	شعرائے اردو میں ملاحظہ فرمائیے۔	۳۲۔۲۶۔۴۰، ۸۳
۵۱	شانی تکلو	شاہ عباس فرمانروائے ایران کے مداح تھے۔ بادشاہ نے ان کے اس شعر کا صلہ، ان کو روپیوں میں تُلوا کر عطا کیا۔ یعنی ان کے ہم وزن روپیہ انعام میں دیا۔ اگر دشمن کشد ساغر و گر دوست بطاقِ ابروئے مستانۂ اوست شعراء کے انعامات ملنے کے احوال سے "خزانۂ عامرہ" معمور ہے۔ بالاختصار مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ فرمائیے۔ (۱) خسرو۔ ہاتھی کے وزن کی برابر انعام زر و نقد۔ (۲) حیاتی کاشی } (۳) کلیم } ان کے وزن کی برابر نقد کا انعام[3]	۲۳۶

[1] منتخب اللطائف ۱۲ [2] شعر العجم جلد اول ۱۲ [3] خزانۂ عامرہ ۱۲

(۴) قدسی } ان کے وزن کی برابر نقد کا انعام ملا[1]
(۵) سعیدا }

نمبر	تخلص	حال	حوالہ
۵۲	شاپور	تخلص۔ طہران وطن۔ ظہیر فاریابی کے شاگرد تھے۔	۱۶۹
۵۳	شبلی	ان کا حال شعرائے اردو میں ملاحظہ کیجئے۔	۵۵
۵۴	شمس	ایران کے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ تحقیق اور مزید حال معلوم نہیں۔ قاضی شمس الدین کہے جاتے ہیں۔ ممکن ہے ہندوستانی ہوں۔ کیونکہ لفظ قاضی سے ایسا ہی پایا جاتا ہے۔	۲۱۶
۵۵	شوکت	تخلص۔ محمد اسحاق نام۔ بخارا وطن۔ اپنے وقت کے اچھے شعراء میں سے تھے[2]۔ پہلے نازکی تخلص کرتے تھے۔ وطن سے خراسان چلے گئے۔ اور آخر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے[3]۔	۶۵، ۵۵، ۲۰۶
۵۶	صانع	تخلص۔ شیخ نظام الدین نام بلگرام کے رہنے والے تھے[4]۔	۱۵۷
۵۷	صائب	تخلص۔ مرزا محمد علی نام۔ اصفہان وطن۔ صدر نشین شعرائے عصر سلطان خیال و بادشاہ مثال۔ حاجی حرمین شریفین۔ شاہجہاں کے عہد میں کابل ہو کر ہندوستان آئے۔ بادشاہ کے ساتھ دکن گئے۔ اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر وطن واپس آئے۔ ضخیم دیوان یادگار رہے۔ ۱۰۸۰ھ م ۱۶۶۹ء میں انتقال ہوا[4]۔	۲۰، ۲۶، ۳۱، ۴۴، ۴۹، ۵۹، ۶۲، ۶۷، ۶۲، ۶۵ / ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۰۵، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۵ / ۱۴۳، ۱۶۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۶۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷ / ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۳۶
۵۸	صبحی	تخلص۔ یزد وطن۔ خوش فکر شاعر تھے[5]۔	۱۳۵ ـ ۱۳۵
۵۹	صفی	تخلص۔ مشہد وطن۔[6]	۳۵
۶۰	صیدی	تخلص۔ طہرانی الاصل شاہجہاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور قصیدہ پیش کرنے پر ایک ہزار روپیہ انعام پایا[5]۔	۹۸، ۱۶۳، ۱۶۵
۶۱	طالب	تخلص۔ آمل وطن۔ جہانگیر کے دربار سے ملک الشعراء کا خطاب پایا۔ دو ہزاری	۱۳۷

ع[1] منتخب اللطائف ۱۲ ع[2] خزانہ عامرہ ۱۲ ع[3] منتخب اللطائف ۱۲ ع[4] خزانہ عامرہ ۱۲ ع[5] منتخب اللطائف ۱۲ ع[6] ایضاً ۱۲ ع[7] شعر العجم و خزانہ عامرہ

		منصب پر ممتاز تھے۔ جہانگیر نے ان کو ڈاڑھی منڈوانے کا حکم دیا مگر انہوں نے ایک قطعہ پیش کر کے اس کو بچا لیا۔ عین عالم شباب میں انتقال ہوا[ع۱]	۲۱۸ ۲۴۱
۶۲	طغرا	تخلّص "ملّا طغرا" مشہور۔ مشہدی الاصل۔ جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ دکن رہے پھر کشمیر چلے گئے۔ شاعری سے زیادہ انشاپردازی میں کمال خاص حاصل تھا۔ شگفتہ بھی تخلّص کرتے ہیں[ع۲]	۱۹۲
۶۳	ظہوری	تخلّص۔ نورالدین نام۔ ترشیز وطن۔ ایران سے دکن آئے اور علم و فضل کی بدولت نام آور ہوئے۔ کچھ مدت کتابت کو ذریعہ معاش بنایا۔ کیونکہ اعلیٰ درجے کے خوشنویس بھی تھے۔ برہان نظام شاہ کی خدمت میں بمقام احمد نگر "ساقی نامہ" تصنیف کر کے پیش کیا تو بادشاہ نے نقد و جنس سے لدا ہوا ہاتھی صلے میں بھیجا۔ یہ انعام جس وقت پہنچا ہے۔ یہ ایک قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ ملازمانِ شاہی نے رسید طلب کی تو ایک پرچہ پر لکھ دیا "تسلیم کردند تسلیم کردم"۔ اِن کی تصانیف میں سے "سہ نثر ظہوری"۔ اور "ساقی نامہ" بہت مشہور ہیں۔ ۱۰۲۵ھ م ۱۶۱۶ء میں بملکِ دکن انتقال ہوا[ع۳]	۱۱۶ ۱۳۷ ۱۹۵ ۱۹۷
۶۴	ظہیر فاریابی	ظہیر تخلّص۔ فاریاب وطن صدر الحکما مانے جاتے ہیں۔ سلطان قزل ارسلان کے مداح تھے۔ سلطان نے ایک رباعی کا صلہ دو ہزار دینار عطا کیا۔ ۹۵۸ھ م ۱۵۵۱ء میں انتقال ہوا[ع۴]	۱۱۳
۶۵	عالمگیر	ہندوستان کا مشہور و معروف بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر۔	۱۵۶ ۲۳۳
۶۶	عالی	تخلّص۔ نعمت خاں نام۔ شیراز وطن جامعِ علوم و فنون۔ ہجو بھی کہتے تھے۔ عالمگیر کے بڑے امیروں میں تھے۔ دانشمند خاں کا خطاب تھا۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں عدیم المثال تھے۔	۴۳ ۱۶۰ ۱۴۳ ۱۵۲

ع۱ شعر العجم و خزانۂ عامرہ ۱۲ ع۲ منتخب اللطائف ۱۲ ع۳ خزانۂ عامرہ و منتخب اللطائف ۱۲ ع۴ کلمات الشعراء ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
۶۷	عثمان بخاری	تخلص - بخارا وطن مزید حالات نامعلوم -	۲۷۱
۶۸	عراقی	تخلص - شیخ فخر الدین نام - عارفِ نامور اور شاعرِ نکتہ پرور - حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے مرید و فیض یافتہ، صاحبِ حال بڑے بزرگ تھے - حجِ بیت اللہ کا شرف بھی حاصل تھا اور روم - و مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ میں بہت سیاحت کی تھی - ۶۸۸ھ م ۱۲۸۹ء میں وصال ہوا [1]	۴۸ ۵۰ ۱۱۴
۶۹	عرفی	تخلص - جمال الدین نام - شیراز وطن - فنِ سخن کے بادشاہ اور جمالِ سخنوری مانے جاتے ہیں - شہنشاہِ اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے - عبدالرحیم خانخاناں کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوئے - ۳۶ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا - اتنی کم عمر میں اپنے علم و فضل اور شاعری کا دبدبہ قائم کر دیا - عرفی کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے خاص عقیدت تھی - چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں :- بکاوشِ مژہ از گور تا نجف بردم اگر بہند بخاکم کنی و گر بتتار ان کا انتقال ۹۹۹ھ م ۱۵۹۰ء/۱۵۹۱ء میں بمقام لاہور ہوا تھا - انیس [15] برس بعد میر صابر اصفہانی نے ان کی نعش نجفِ اشرف لے جاکر دوبارہ دفن کی اور ملا رونقی نے اس کا مادۂ تاریخ خوب کہا :- بکاوشِ مژہ از ہند تا نجف آمد [2] ۱۰۲۷ھ	۲۶ ۵۸ ۱۰۱ ۱۲۸ ۲۰۸
۷۰	عشرتی	اس تخلص کے دو شاعر ملتے ہیں - تحقیق نہیں اُن میں سے کس کا کلام ہے - ایک عشرتی یزدی اور دوسرا تلمیذِ حکیم شفائی [3]	۱۱۲ ۱۶۷ ۱۸۰
۷۱	عطار	تخلص - خواجہ فریدالدین نام - پیشوائے صوفیہ و رہنمائے عرفا - سرتاجِ شعراء	[illegible]

[1] مخزن الغرائب ۱۲ [2] خزانۂ عامرہ و کلمات الشعراء ۱۲ [3] منتخب اللطائف ۱۲

کثیر تصانیفِ تصوف کے مصنف تھے۔ مولانا روم نے ان کو اپنا پیشوا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ع ما پس عطار و سنائی آمدیم۔ سنہ ۶۳۱ھ ۱۲۳۳ء ۱۲۳۴ء میں شہید ہوئے۔ اور قاتل ترک ہی ان کا مجاور بنا۔[1]

۷۲ — علی — ۱۵۱

تخلص۔ ناصر علی نام۔ سرہند وطن۔ ہندوستانی فارسی شعراء میں ان کو ان کے زمانے ہی میں آبروئے ہندوستان مانا جاتا تھا۔ جوانی میں کثرت سے شراب پیتے تھے۔ پھر تائب ہو کر شیخ محمد معصومؒ کے مرید ہو گئے۔ امراء و رؤسا کے جلیس و ہم سفر رہتے تھے۔ امیرالامراء ذوالفقار خاں کی خدمت میں جب یہ مدحیہ قصیدہ پیش کیا :-

اے شانِ حیدری ز جبینِ تو آشکا نامِ تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار

تو مطلع سُن کر امیر نے روکا۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ صرف ایک ہی شعر کا یہ صلہ پیش کر رہا ہوں باقی اشعار کا انعام دینے سے قاصر ہوں۔ ایک ہاتھی اور تیس ہزار روپیہ انعام عطا کیا۔ علی نے کل روپیہ محتاجوں کو تقسیم کر دیا۔

اُنھوں نے حسبِ ذیل معمہ بھی خوب کہا ہے جس سے نام "علی" مع اعراب نکلتا ہے :-

چشم بکشا زلف بشکن جانِ من بہرِ تسکینِ دلِ بریانِ من[2]

سنہ ۱۱۸۰ھ م ۱۷۶۶ء ۱۷۶۷ء میں انتقال ہوا۔[3] ان کا کلام بہت بلند و موثر اور مقبولِ عام ہے۔ ولی دکنی (اردو شاعری کا باوا آدم) نے اپنے جوشِ ریختہ گوئی میں۔ علی کو یہ شعر لکھا۔ اُچھل کر جا پڑے جوں مصرعِ برق اگر مصرع لکھوں ناصر علی کوں

---

[1] شعر العجم ۱۲ [2] حل :- چشم فارسی۔ عین عربی۔ الفتح۔ کشادن اور فتح بمعنی زبر۔ لہٰذا "ع" پر زبر۔ زلف کو لام سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ الکسر۔ شکستن۔ کسرہ بمعنی زیر لہٰذا "ل" کو زیر۔ دلِ بریاں "ی" ہے۔ السکون۔ ساکن شدن لہٰذا ی کو ساکن کیجیے۔ عَلِی ہو گیا ۱۲ [3] خزانۂ عامرہ ۱۲ بھی منتخب اللطائف ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ	
		ناصر علی نے جواب میں لکھا۔ باعجازِ سخن گر اُڑ چلے دہ ولی ہرگز نہ پہنچے گا علی کوں (آبِ حیات)	۷۹	۱۸۴
۷۳	غالب	ان کا حال اُردو شعراء میں ملاحظہ کیجئے۔	۱۷۹	
۷۴	غنی	تخلص۔ محمد طاہر نام۔ کشمیر وطن۔ مرزا صائب ان کا کلام تحفتہً منگواتے تھے اور ان کے ایک شعر کے بدلے اپنا کل کلام دینے پر تیار تھے۔ تمثیلات میں صائب کے ہم پلہ ہیں۔ ان کے اشعار میں کشمیر کی رنگینی و حسن اور لطافت و طراوت بدرجۂ اتم ہے[1]	۲۳، ۵۹، ۸۰، ۸۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۳۷، ۱۵۲	۱۷۱، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۵
۷۵	غنیمت	تخلص۔ محمد اکرم نام۔ قصبہ کنجاہ وطن۔ عالمگیر کے عہد کے مشہور و خوش گو شاعر ہیں۔ ان کی مثنوی جس میں انھوں نے شاہد و عزیز کا قصہ نظم کیا ہے۔ بہت خوب اور نہایت مشہور ہے۔ راسخ کے شاگرد تھے[2]	۱۳۱، ۲۳۱	
۷۶	فائق	تخلص۔ میر احمد نام۔ لاہور وطن۔ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے[3]	۱۱۳، ۱۱۰	
۷۷	فدائی	تخلص۔ مرزا رستم نام۔ سلاطینِ صفویہ کے سلسلے میں تھے[4]	۸۶	
۷۸	فراست	تخلص۔ یزد کے کوئی خوشگو شاعر ہیں[5]	۱۹۸	
۷۹	فرحت	تخلص۔ مزید حال معلوم نہ ہوا[6]	۱۴۴	
۸۰	فردوسی	تخلص۔ ابوالقاسم نام۔ طوس وطن۔ سلطان محمود غزنوی کے مخصوص درباری شاعر۔ مولانا نظامی گنجوی نے ان کو اپنا اُستاد مانا ہے۔ بحکم سلطان محمود غزنوی تیس ۳۰ برس کی محنت سے شاہنامہ تیار کیا مگر صلے میں حسبِ اقرار کردہ اشرفیوں کے بدلے روپئے ملے تو اُن کو کھڑے کھڑے لُٹا دیا۔ اور محمود کی ہجو کہہ کر غزنین سے بغداد چلے گئے۔ مفصل حالات کے لئے "حیاتِ فردوسی" قابلِ ملاحظہ ہے[7]	۹۶، ۱۳۱	
۸۱	فرو	تخلص۔ اور کوئی حال معلوم نہ ہوا۔	۱۸۸	

[1] منتخب اللطائف ۱۲ [2] ایضاً ۱۲ [3] ایضاً ۱۲ [4] ایضاً ۱۲ [5] ایضاً ۱۲ [6] ایضاً ۱۲
[7] حیاتِ فردوسی ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
۸۲	فروغ	کوئی خوش فکر شاعر ہیں۔ مزید حال معلوم نہ ہوا۔	۱۸۳
۸۳	فضولی	تخلص اور بغداد وطن تھا۔	۲۲۶
۸۴	فطرت	تخلص۔ (مولانا) میر معزالدین نام فاضلِ یگانہ اور بزرگِ عصر تھے کہیں موسوی بھی تخلص کیا ہے۔ عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آئے۔ اور نہایت اعزاز و احتشام سے زندگی بسر کی۔[1]	۱۳۹ ۱۲۷
۸۵	نعمانی	کوئی خوشگو شاعر ہیں مزید حال معلوم نہ ہوا۔	
۸۶	فیضی	فیاضی بھی ان کا تخلص ہے۔ ابوالفیض نام۔ ناگور (راجستھان) وطن و مولد شیخ مبارک کے فرزند اکبر۔ اکبری دربار کے نورتنوں میں تھے اور ملک الشعراء فاضلِ اجل اور شاعرِ اکمل جن پر ہندوستان کو ناز ہے۔ وزارتِ عظمیٰ تک ترقی یاب ہوئے۔ متعدد کتابوں کے مصنف۔ سنسکرت کے بھی عالم متبحر تھے۔ "سواطع الالہام" ان کی بے نقط تفسیر ان کے تبحرِ علمی کی آئینہ دار ہے۔ لاہور میں انتقال ہوا۔[2]	۸۲ ۱۸۷ ۱۹۳ ۲۲ ۱۹۶
۸۷	قاآنی	تخلص۔ مرزا حبیب اللہ نام۔ ۱۲۱۲ھم ۱۷۹۷ء / ۱۷۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے حبیب تخلص کیا۔ پھر شہزادہ آغوطہ قاآن کے نام پر قاآنی۔ شاہزادہ مرزا حسین۔ خراسان کے گورنر نے ان کی قدردانی کی اور دربارِ شاہی میں پہنچایا جہاں مجتہد الشعراء کا خطاب اور خلعتِ فاخرہ عطا ہوا۔ تاہم گردشِ زمانہ کے شکار رہے مگر پھر محمد شاہ قاچار نے نوازا۔ حسان العجم کا خطاب دیا اور اس کے بعد ناصر الدین شاہ قاچار نے ملک الشعراء بنایا ۱۲۷۰ھم ۱۸۹۳ء / ۱۸۹۴ء میں وفات پائی۔[3]	۱۳۰
۸۸	قادری	تخلص۔ داراشکوہ نام۔ شہنشاہ شاہجہاں کا فرزند اکبر و ولیعہد۔ تصوف	۱۳۰

[1] منتخب اللطائف ۱۲ [2] ایضاً ۱۲ [3] قصائد قاآنی ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
		کا دلدادہ اور صاحبِ تصنیف	۱۲۷
۸۹	قائل	تخلص۔ اور عبداللہ نام۔ مزید حال نامعلوم[1]	
۹۰	قتیل	تخلص۔ مرزا محمد حسین نام۔ باوجود ہندی النسل ہونے کے فارسی پر اہلِ ایران کی سی قدرت حاصل تھی اور نظم و نثر پر یکساں قابو۔ رقعاتِ قتیل اس کا بیّن ثبوت ہے۔	۵۷ ۱۱۹ ۱۶۵
۹۱	قدسی	تخلص۔ (حاجی) محمد جان نام۔ مشہد وطن۔ شاہجہاں کے دربار کے مشہور شاعر تھے۔ بارہا انعام اور خلعت ہائے فاخرہ حاصل کیے۔[2]	۱۲۳
۹۲	کلیم	تخلص۔ ابوطالب نام۔ ہمدان وطن۔ عہدِ شاہجہاں کے شاعر ہیں۔ متعدد تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ مثلِ ظفرنامہ وغیرہ۔ ایک بار شاہِ روم کا تہنیت نامہ جشنِ شاہی کے موقع پر آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ نے شاہجہاں لقب اختیار کیا ہے حالانکہ جہان میں ہمارا ملک اور ایران و توران وغیرہ بھی شامل ہے اور آپ وہاں کے بادشاہ نہیں۔ شاہجہاں نے بعد مطالعہ اس پر غور کیا اور آصف خاں یمین الدولہ سے مشورہ کیا کہ اس لقب کو بدل دیں۔ کلیم نے خبر پائی تو قصیدہ لکھ کر گذرانا۔ اور اس مضمون کا اس شعر میں جواب دیا:۔ ہند و جہاں ز روئے عدد چوں برابر است بر شہ خطابِ شاہجہاں زاں مقرر است بادشاہ بہت خوش ہوا اور یہی شعر جواب میں لکھ دیا اور کلیم کو سونے میں تُلوا کر وہ سونا اُن کو انعام میں بخش دیا۔[3]	۴۴ ۷۹ ۱۰۰ ۱۳۴ ۱۳۷ ۱۶۶ ۲۰۷
۹۳	کمال	تخلص۔ اصفہان وطن باکمال شاعر تھے۔ اور باعلم و ہنر ہستی۔[4]	۱۲۴
۹۴	مخفی	تخلص۔ زیب النساء نام عالمگیر کی صاحبزادی۔ نہایت فصیحہ شاعرہ اور خوشنویسہ	۱۵۶ ۱۷۸

[1] گلستانِ مسرت ۱۲ [2] منتخب اللطائف ۱۲ [3] کلمات الشعراء ۱۲ [4] منتخب اللطائف ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
		تھی اور اہلِ علم اور بالخصوص شعراء کی قدردان و شعراء نواز بھی[1]	۲۲۵
۹۵	مُخلص	تخلص۔ آنند رام نام۔ "رائے رایاں" خطاب میرزا بیدل کے شاگرد۔ قوم کے کھتری اور متعدد امرائے وقت کے دربار شاہی میں وکیل تھے[2]	۱۱۶ ۱۲۸
۹۶	مُخلص	تخلص۔ مخلص کاشی مشہور بہادر شاہ اول کے عہد میں ولایت سے ہندوستان آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔ شاعرِ شیریں مقال و ناظم بلند خیال تھے[3]	۴۱ ۷۵ ۱۲۱
۹۷	مظہر	تخلص۔ حبیب اللہ نام۔ شمس الدین لقب۔ جانجاناں عرف۔ دہلی وطن۔ بزرگِ صاحب دل اور سخنورِ کامل اپنے زمانہ کے درویشِ باکرامت اور صوفیِ عالی درجت تھے۔ ان کا مجموعہ "خریطہ جواہر" بہت مقبول و مشہور ہے۔ دہلی میں درجۂ شہادت پر فائز المرام ہوئے[4]	۶۶ ۱۱۹ ۱۲۸ ۱۳۵ ۱۸۰
۹۸	ناظم ہروی	تخلص۔ شاعرِ باکمال اور ناظمِ شیریں مقال اپنی تصنیف "یوسف زلیخا" کے باعث کافی مشہور ہیں[5]	۲۶ ۷۴
۹۹	نصرت	تخلص۔ مزید حال معلوم نہ ہوا۔	۲۱۸
۱۰۰	نصیر	تخلص۔ میر ناصر علی نام۔ دیگر حالات دریافت نہ ہوئے۔	۱۳۲
۱۰۱	نصیر	تخلص۔ (حضرت خواجہ نصیر الدین نام۔ "چراغِ دہلی" لقب۔ حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی کے خلیفہ و جانشین۔ دہلی وطن اور اپنے عہد کے ممتاز و سرِ ناض درویشِ صاحبِ کرامات تھے[6]	۱۵۷
۱۰۲	نظیری	تخلص۔ محمد حسین نام۔ نیشاپور وطن۔ زرگری پیشہ۔ عبدالرحیم خانخاناں کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔ مرزا صائب ان کے کلام کا مداح ہے۔ ولایت سے ہندوستان آئے۔ پھر حج کو گئے اور واپس آکر احمد آباد گجرات میں	۱۲۰ ۱۲۹ ۱۴۳

[1] دیوانِ مخفی ۱۲ [2] خزانۂ عامرہ ۱۲ [3] منتخب اللطائف ۱۲ [4] کلمات الشعراء ۱۲ [5] خزینۃ الاصفیا ۱۲ [6] ایضاً ۱۲

سکونت پذیر ہوئے۔ ایک بار انھوں نے خانخاناں سے عرض کیا کہ میں نے لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا۔ نواب نے حکم دیا اور خزانچی نے لاکھ روپیہ کا ڈھیر لگا دیا۔ انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا تو نواب نے کہا ایسی معمولی بات پر اتنی بڑی ہستی کا شکر کیا؟ جاؤ یہ سب روپیہ میں نے تمھیں بخشا۔ اب شکر ادا کرو۔

ایک بار ایک غزل جہانگیر کی خدمت میں پیش کی جس کا مطلع ہے :-

اے خاکِ درت صندلِ سرگشتہ سراں را
بادا مژہ جاروبِ رہت تاجوراں را

بادشاہ نے انعام میں تیس۳۰ ہزار بیگھ زمین عطا کی۔ امیرانہ زندگی بسر کرکے ۱۰۲۱ھ م ۱۶۱۲ء میں وفات پائی۔[1]

نمبر	نام	حال	حوالہ	حوالہ
۱۰۳	نورجہاں	جہانگیر کی چہیتی بیگم۔ حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔	۱۳۳ ۱۴۴	۲۲۳
۱۰۴	واسطی	تخلص۔ مزید حال دریافت نہ ہوا۔	۱۳۳	
۱۰۵	واعظ	تخلص۔ محمد رفیع نام۔ اصفہان کے فاضل تھے۔ وہی وطن تھا۔ وعظ و پند پیشہ تھا۔ اس لئے یہ تخلص اختیار کیا۔ صائب و وحید کے ہم عصر تھے۔ میر معزی کا دیوان ہندوستان میں یہی لائے تھے۔	۲۱۰ ۶۵ ۷۳ ۷۷ ۱۰۱	
۱۰۶	واقف	تخلص۔ شیخ نورالعین نام۔ بٹالہ وطن اور وہاں کے قاضی تھے۔ علوم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے۔[2]	۸۸	
۱۰۷	واقف	تخلص۔ شاہ نورالدین نام مزید حال معلوم نہ ہوا۔	۱۱۷ ۱۷۷	

[1] خزانہ عامرہ ۱۲ [2] و [3] منتخب اللطائف ۱۲

۱۰۸	وحشی	تخلص۔ (مولانا) کمال الدین نام، یافعی مشہور۔ یزد وطن۔ جامع علوم و فنون اور باہنر ہستی تھے۔ شعر میں ایک طرز ایجاد کی تھی۔ جو ان کے بعد کوئی شاعر نہ نبھا سکا۔[۱]	۱۸۶
۱۰۹	وحید	تخلص۔ مرزا محمد طاہر نام۔ قزوین وطن۔ یکتائے عصر اور فردِ عہد تھے۔ شعر و سخن میں کمال حاصل تھا اور نثر میں ید طولیٰ، شاہی ملازمت کر کے وزارت ایران پر فائز ہوئے۔ طاہر وحید مشہور ہیں۔[۲]	۶۹ ۹۱ ۲۱۰
۱۱۰	ہادی	اس تخلص کے دو شاعر ملتے ہیں۔ ایک میر ہادی اور دوسرے مرزا ہادی، شعر محولہ مرزا ہادی کا ہے۔[۳]	۹۴
۱۱۱	یاری	تخلص۔ ملّا یاری مشہور علم سے آراستہ اور فنون سے پیراستہ تھے۔[۴]	۱۳۴

[۱] منتخب اللطائف ۱۲ [۲] ایضاً ۱۲ [۳] ایضاً ۱۲ [۴] ایضاً ۱۲

شعرائے اردو

نمبر شمار	تخلص	مختصر حالات	حوالہ صفحہ
۱	آتش	تخلص۔ خواجہ حیدر علی نام ۱۷۷۸ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے اور ۱۸۴۷ء میں وفات پائی۔ درویشِ توکل پیشہ اور فنِ شعر میں استادِ بلند پایہ تھے۔ قصیدہ گوئی یا یوں کہیے کہ امرائے وقت کی جھوٹی تعریف سے کبھی زبان کو آلودہ نہیں کیا۔ ناسخ سے ہمیشہ چلتی رہتی مگر نہ وہ ان کی آتش بیانی منسوخ کر سکے نہ یہ اُن کی امامت معزول[1]	۲۸ ۴۴ ۶۴ ۹۸ ۱۱۴ ۱۱۸ ۱۵۴ ۱۷۰
۲	آرزو	تخلص۔ سید انوار حسین نام۔ لکھنؤ وطن۔ ۱۲۸۹ھ م ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے اور پاکستان جاکر انتقال ہوا۔ اپنے زمانے کے استادِ سخن تھے[2] اُن کا انتقال ۱۹۵۱ء م ۱۳۷۰ھ میں ہوا	۳۵ ۲۱۹
۳	آزاد	تخلص۔ محمد حسین نام۔ غالباً ۱۸۳۰ء / ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کے لاہور میں پروفیسر رہے۔ سرکاری سفارت پر کابل و بخارا گئے اور دو بار ایران کا سفر کیا۔ نثر نگاری میں اپنی طرز کے موجد تھے۔ جس کا اتباع کوئی نہ کر سکا۔ شاعری میں ایک خاص طرز نکالی جو جدید شاعری کی بنیاد ہے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں آبِ حیات بھی ہے۔ آبِ حیات حقیقت میں	۱۳۴

[1] ادبی کارنامے ۱۲ [2] گلستاں ہزار رنگ ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
		آب حیات ہے جس کے باعث بہت سے شعراء زندۂ جاوید ہیں، جو لوگ اُس پر فی زمانہ معترض ہیں وہ اپنی قدردانی اور ادبی احسان شناسی کا حق ہی ادا کرتے ہیں ع۱	
۴	آزاد	تخلص۔ جگناتھ نام۔ لاہور کے رہنے والے۔ تقسیم ملک پر دہلی چلے آئے۔ اور وہیں کسی محکمہ میں ملازم ہیں۔ پیدائش دسمبر ۱۹۱۸ء	۵۳
۵	آزردہ	تخلص۔ صدر الدّین خاں نام۔ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۲۰۴ھ م نومبر ۱۷۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ علوم معقول و منقول کے زبردست عالم تھے اور دہلی کے صدر الصدور سر سید احمد خاں نواب صدیق حسن خاں اور نواب یوسف علی خاں ناظم والیِ رام پور جیسے لوگ ان کے تلامذہ میں ہیں۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ م ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء کو انتقال ہوا ع۲	۱۶۵
۶	آسی	تخلص۔ (شاہ) عبدالعلیم نام۔ سکندر پور وطن۔ غازی پور مسکن۔ صوفی، صاف دل، عالمِ عامل اور ادیبِ کامل تھے ع۳	۱۲۵
۷	آشفتہ	تخلص۔ گلاب سنگھ نام۔ قوم سے کھتری۔ دِلّی وطن۔ غدر سے پچیس برس قبل خودکشی کرلی۔	۱۲۶
۸	آصف	تخلص۔ (نواب) میر محبوب علی خاں نام۔ ۱۸ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے حیدرآباد (دکن) کے فرمانروا تھے ع۵	۱۱۱ ۱۱۴
۹	آگاہ	تخلص۔ محمد رضا نام۔ احمد مرزا خاں عرف ۱۸۳۹ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ ہنگامۂ غدر میں جے پور چلے آئے۔ مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ جے پور میں اپنے زمانے کے اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ اغلباً مئی ۱۹۱۷ء میں انتقال ہوا۔ آپ کے تلامذہ جے پور میں بہت تھے ع۶	۳۱

ع۱ ادبی کارنامے ۱۲ ع۲ نقوش ۱۲ ع۳ تا ع۵ خمخانۂ جاوید ۱۲ ع۶ تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

نمبر	تخلص	کیفیت	صفحہ
۱۰	اثر	تخلص (زفافی) امین الدین حسین نام۔ وطن نارنول۔ مسکن جے پور ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء/۱۹۰۰ء سالِ ولادت، بمقام حیدر آباد (دکن) پیدا ہوئے۔ جے پور کے مشاق و خوش فکر شاعر ہیں۔ ع۱	۱۱۷ ۱۲۹ ۲۰۷
۱۱	اثر	تخلص۔ سید محمد میر نام۔ خواجہ میر دردؔ کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔ ایک بار خواجہ صاحب کے ایک مرید نے اُن سے عرض کیا کہ دنیا فانی ہے۔ حضور کے بعد ہم آپ کا جانشین و صاحبِ سجادہ کس کو مانیں تو خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر جواب میں یہ قطعہ پڑھا۔ موت کیا ہم سے فقیروں سے تجھے لینا ہے　　مرنے سے پہلے ہی ہم لوگ تو مر جاتے ہیں تا قیامت نہیں مٹنے کے دلِ عالم سے　　دردؔ ہم اپنے عوض چھوڑے اثرؔ جاتے ہیں ع۲	۱۲۵ ۱۶۵ ۲۰۷
۱۲	احسان	اس تخلص کے کئی صاحبان ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شعر کس صاحب کا ہے۔	۳۸
۱۳	احسان دانش	تخلص۔ احسان الحق نام۔ ابن دانش علی۔ احسان دانش مشہور۔ باغپت ضلع میرٹھ وطن تھا مگر اب پاکستان ہے۔ ۱۹۱۴ء میں ولادت ہوئی۔ موجودہ زمانے کے مشہور شعراء میں ہیں ع۳	۱۶۳
۱۴	اختر	نہیں کہا جا سکتا کہ کس اختر کا شعر ہے۔ کیونکہ اس تخلص کے بہت شاعر ہیں۔	۱۰۹
۱۵	اختر	اختر تلہری زمانۂ حال کے مشہور شاعر ہیں۔	۱۲۶
۱۶	اختر	اختر شیرانی مشہور ہیں۔ ٹونک کے باشندہ تھے۔ اور طباع و خوش فکر شاعر۔ زیادہ تر لاہور رہے ادارت کا بھی اچھا سلیقہ تھا۔ ۹ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو انتقال ہوا	۱۱۳ ۱۴۱ ۲۰۷
۱۷	اسیر	تخلص۔ تدبیر الدولہ۔ مدبر الملک خطاب۔ (منشی) سید مظفر علی خاں نام۔ قصبہ امیٹھی وطن تھا۔ مگر لکھنؤ میں مستقل سکونت تھی اس لئے لکھنوی مشہور ہیں۔ ابتدا میں مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ پھر ذاتی کوشش سے فنِ شعر میں خاص مرتبہ حاصل	۲۲۷

ع۱ تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲　ع۲ خم خانۂ جاوید ۱۲　ع۳ گلستانِ ہزار رنگ ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحہ
		کیا۔ نواب واجد علی شاہ کے ساتھ مٹیا برج میں بھی رہے۔ وہاں سے نواب یوسف علی خاں والیِ رام پور نے بُلا لیا اور اپنا استاد بنایا۔ نہایت پُرگو شاعر تھے۔ بقول امیر مینائی علاوہ مراثی و قصائد چھ دیوان یادگار چھوڑے ۸۴ سال کی عمر پائی۔ سنہ ۱۲۹۹ھ م ۶ فروری ۱۸۸۲ء میں بمقام رام پور رحلت کی۔[۱]	
۱۸	اشک	تخلص (حاجی۔ مولوی) ہادی علی نام۔ لکھنؤ وطن۔ فتح الدولہ برق کے شاگرد۔ عمدہ خوشنویس بھی تھے۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں انتقال ہوا۔[۱]	۱۰۰
۱۹	اصغر	تخلص۔ اصغر حسین نام۔ گورکھپور وطن۔ گونڈہ مسکن۔ استادِ وقت اور ادبی دنیا کے مشہور لوگوں میں تھے۔ ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔[۲]	۱۳۶
۲۰	اظہار	رام پور کے رہنے والے کوئی شاعر ہیں۔	۱۴۳
۲۱	اعجاز	تخلص۔ (مولوی۔ شیخ) کرامت علی نام۔ وطن نارنول۔ مسکن جے پور۔ عالمِ افضل اور فاضلِ اکمل تھے۔ ان سے درسی و شعری استفادہ بہت لوگوں نے کیا۔ سنہ ۱۲۶۱ھ م ۱۸۴۵ء میں ولادت اور سنہ ۱۳۱۴ھ م ۱۸۹۶ء میں وفات ہوئی۔ جے پور کے مشہور علماء میں شمار تھا۔[۳]	۳۷ ۱۱۷
۲۲	افضل	تخلص۔ افضل حسین نام۔ سید اولاد حسین رسوا کے شاگرد تھے۔ جے پور کے اچھے وکیلوں اور عمدہ شعراء میں شمار تھا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں انتقال ہوا۔[۴]	۱۱۱
۲۳	اقبال	اقبال۔ اُمّی شخص تھے۔ غلام جیلانی نام تھا۔ اور گوٹہ بُننا ذریعہ معاش۔ مگر طبعِ رسا اور فکرِ بلند پائی تھی۔ شعر بہت اچھا اور سمجھ کر کہتے تھے۔[۵]	۲۱۹
۲۴	اقبال	تخلص (ڈاکٹر۔ سر) محمد اقبال نام۔ ترجمانِ حقیقت۔ شاعر۔ دنیائے ادب کا ہر طالب اُن سے بخوبی واقف ہے اور اُن کے شاعرانہ حیثیات کا ہر ذی علم مقر و معتقد ہے۔ اِس دورِ آخر کے صاحبِ اقبال شاعر صرف اقبال ہیں اور اقبالیات ایک	۵۵

[۱] خمخانۂ جاوید ۱۲ [۲] ادبی کارنامے ۱۲ [۳] د [۴] و [۵] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

بہت بڑا سرمایۂ ادب ہے۔

لطیفہ۔ ایک سردار جی جو اقبال کے معتقد، شعر و سخن کے دلدادہ اور تحقیقِ الفاظ کے شائق تھے۔ ایک روز ایک ذی علم و فن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا " جناب مجھے ایک لفظ (بفتح اوّل و اوسط) کے معنی کہیں نہیں ملتے وہ پوچھنے آیا ہوں " دریافت پر بولے " پپنے " (پن پنے) کے کیا معنی ہیں۔ انھوں نے بعد تامل جواب دیا کہ یہ تو کوئی لفظ نہیں ہے۔ سردار جی نے کہا۔ " واہ جی، ڈاکٹر اقبال نے جو کہا ہے :-

کیا پپنے کی زمانے میں یہی باتیں ہیں !

لاحول ولا قوۃ " پپنے " کی مٹی پلید کی ہے۔

۲۵	اکبر	تخلص۔ اکبر حسین نام۔ بارہ ضلع الہ آباد مولد و وطن، الہ آباد مسکن۔ اسی نسبت سے مشہور ۱۶؍ نومبر ۱۸۴۶ء سالِ ولادت اور ۹؍ ستمبر ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔ یہ بھی اقبال سے کم مشہور و مقبول نہیں ہیں۔ اپنے رنگ کے موجد و مختتم ہیں۔	۳۲ ۴۲ ۴۹ ۵۲ ۹۲ ۶۴ ۷ / ۴۱ ۶۷ ۹۵ ۱۶۵
۲۶	اکرم	تخلص۔ ابو الاکرم کنیت۔ محمد اکرام الدین نام۔ مؤلف ہذا کے فرزند تھے۔ ۳۰؍ اگست ۱۹۲۲ء تاریخِ ولادت اور ستمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان جاتے وقت اس ٹرین میں شہادت پائی جو بیاس ریلوے اسٹیشن کے قریب کاٹی گئی۔	۴۱
۲۷	اکمل	تخلص۔ (منشی) عبد الواسع (عباسی) نام۔ وطن فرخ آباد۔ مسکن جے پور۔ زمانۂ حال کے خوش فکر شاعر ہیں۔ قیام جے پور ہے۔	۵۰
۲۸	امجد	حیدر آباد کے مسلم الثبوت استاد اور مشہور بزرگ تھے۔ رباعی بہت اچھی کہتے تھے۔ مگر دیگر اصنافِ سخن پر بھی پوری قدرت تھی۔ کلام میں زور و تاثیر بھی ہے اور صفائی و روانی بھی۔ ۱۹۶۱ء میں حیدر آباد ہی میں انتقال ہوا۔ ادبی سرمایہ بھی انھوں نے معقول چھوڑا۔	۱۷ ۵۳

نمبر	تخلص	حالات	حوالے
۲۹	امیر ۱۳/اکتوبر ۲ - ۱۹/ج	تخلص۔ (منشی) امیر احمد نام۔ امیر مینائی مشہور اسیر لکھنوی کے جانشین۔ اور اپنے زمانے کے اُستادِ مشہور ترین۔ ۱۶ شعبان سنہ ۱۲۴۳ھ کو سنہ ۱۸۲۸ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے، اور سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام حیدرآباد انتقال کیا۔ ذی الاحجہ سنہ ۱۳۱۸ جملہ اصنافِ سخن پر قدرت کامل تھی قصائد بھی خوب کہتے ہیں۔ اور غزل میں تو داغ کا جواب صرف آپ ہی ہیں۔ باوجود اِس علم و فضل کے کہ مفتی تھے اور صورت و شکل سے بھی نہایت متقی و متشرع ظاہر ہیں۔ مگر عاشقانہ اور بالخصوص معاملے کے شعر ایسے کہتے ہیں کہ کوئی جوانِ عیش کوش بھی نہیں کہہ سکتا۔[۱]	۱۷، ۲۸، ۵۳، ۵۵، ۶۳، ۷۶، ۷۸، ۸۸، ۹۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۴، ۱۵۷ ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۹۴، ۲۰۹، ۲۱۹، ۲۲۸، ۲۳۰
۳۰	انشاء	تخلص۔ سید انشاء اللہ خاں نام۔[۲] وطنِ اصلی دہلی۔ مرشدآباد مولد۔ لکھنؤ مسکن۔ ایسا طباع و عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم پیدا ہوا ہوگا۔ وہ اگر علوم میں کسی ایک فن کی طرف متوجہ ہوئے ہوتے تو صدہا سال تک وحیدِ عصر گنے جاتے۔ طبیعت ایک ہیولیٰ تھی کہ ہر قسم کی صورت پکڑ سکتی تھی۔[۲] ان کی طباعی کے واقعات اور ظرافت و لطائف سے "آبِ حیات" کے صفحات زعفران زار ہیں۔ افسوس کہ ان کے فضل و کمال کو ان کی شاعری نے کھویا اور ان کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا۔ جس کے در پہ ہاتھی جھومتے ہوں وہ تودۂ خاک پر دم توڑے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ؕ	۲۸ ۱۶۳ ۱۷۷
۳۱	انور	تخلص۔ سید شجاع الدین نام۔ امراؤ مرزا عرف، سلطان الشعراء لقب۔ دہلی وطن۔ جہاں غالباً سنہ ۱۲۶۴ھ م سنہ ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۲ھ م سنہ ۱۸۸۴ء / ۱۸۸۵ء میں بحالتِ جنون انتقال ہوا۔ اپنے وقت کے صاحبِ طرز جید شاعر اور زبردست اُستاد تھے۔[۳]	۱۲۱ ۱۴۱ ۱۴۹ ۱۶۳ ۲۳۰
۳۲	انیس	تخلص۔ میر ببر علی نام۔ سنہ ۱۲۱۶ھ م سنہ ۱۸۰۱ء / ۱۸۰۲ء میں بمقام مرشدآباد پیدا ہوئے اور	۶۶

[۱] ادبی کارنامے ۱۲ [۲] آبحیات ۱۲ [۳] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
	۲۹ ذی قعدہ	۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں بمقام لکھنؤ انتقال ہوا[1]۔ قلمرو مرثیہ گوئی کے بادشاہ مانے جاتے ہیں اور اہلِ ذوق سے بجا طور پر خراجِ سخن حاصل کرتے ہیں۔ مرزا دبیر ان کے مدِ مقابل تھے۔ اور برابر کی ٹکر۔ اس طرح دو بادشاہ ایک اقلیم مرثیہ پر فرماں روا رہے۔	۶۷ ۷۴ ۱۰۰ ۲۰۹ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۴۱
۳۳	بسمل	تخلص، (حافظ) محمد حسین نام۔ ساکن دہلی۔ بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی۔ مرزا قادر بخش صابر کے شاگرد تھے[2]	۱۲۳
۳۴	بہادر	تخلص۔ پنڈت اعزاز خاندانی۔ راؤ بہادر خطاب۔ اوتار نرائن نام۔ کشمیری الاصل ہیں۔ ریاست جے پور میں کلکٹر بھی رہے۔ اور مختلف معزز عہدوں پر فائز بھی۔ اب پنشن پا رہے ہیں۔ انجمن ترقی اردو راجستھان کے نائب صدر ہیں خلیق، متواضع، ملنسار، مخلص۔ اور دیگر خوبیوں کے مالک ہیں۔ قیام جے پور میں ہے اور مذاقِ سخن نہایت بلند و پاکیزہ ہے۔	۲۰
۳۵	بہزاد	زمانۂ حال کے مشہور و خوش فکر و خوش نوا شاعر ہیں اور نہایت زود و پر گو۔ اب بہت بوڑھے ہو چکے ہیں مگر آواز میں بدستور کشش اور کلام میں زور باقی ہے۔ پہلے بہزاد نظامی اور لکھنوی سے متعارف ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد اب پاکستانی ہیں۔ سنہ پیدائش ۱۹۰۹ء؟	۱۴۷
۳۶	بیان	تخلص۔ بیان یزدانی مشہور، سید محمد مرتضیٰ نام۔ میرٹھ وطن اور جملہ اصنافِ سخن پر قادر، ساٹھ برس کی عمر پا کر ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا[3]	۱۴۳
۳۷	بیخود	تخلص۔ سید وحید الدین نام، دہلی وطن۔ داغ کے شاگرد اور اپنے زمانے کے استاد۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ دہلی میں انتقال ہو گیا[4]	۶۸ ۶۹ ۷۹
۳۸	بے نظیر	نہیں معلوم یہ شعر کن صاحب کا ہے اس لئے صرف تخلص پر اکتفا کیا گیا۔	۱۶۱

[1] نقوش ۱۲ [2] خمخانۂ جاوید ۱۲ [3] و [4] خمخانۂ جاوید ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
۳۹	تجلی	تخلص ۔ کلیم الدین نام ۔ آثر عثمانی کے فرزند ۔ زمانہ حال کے نوجوان شاعر ہیں ۔	۱۱۷
۴۰	تسلیم	تخلص ۔ (مولانا حافظ) محمد عثمان نام ۔ ابو البیان کنیت ۔ سلیم الدین عرف ۔ فاضلِ اجل و عالمِ اکمل ۔ فنِ سخن میں معاصرین میں ممتاز اور زہد و ورع میں مرتاض ، حسین و مائل ، مجبور و اعجاز ۔ رضی و عزیز جیسے شعراء و اہلِ علم انہیں کے تعلیم دادہ و تربیت کردہ تھے ۔ جے پور میں اشاعتِ علم و ادب کے سلسلہ میں اپنا جواب آپ تھے ۔ یہاں صدہا طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا اور فارغ التحصیل ہوئے ۔ عربی ۔ فارسی اور اردو کی کثیر التعداد تصانیف ، نظم و نثر آپ کی یادگار ہیں ۔ وطن نارنول تھا اور مسکن جے پور ۔ ۱۲۵۶ھ م ۱۸۴۰ء میں بمقام نارنول پیدا ہوئے ۔ اور ۲۵ر جمادی الآخر ۱۳۰۱ھ م ۲۲ر اپریل ۱۸۸۴ء کو وہیں جا کر انتقال ہوا ۔[1]	۳
۴۱	تسلیم	تخلص (منشی) امیر اللہ نام ۔ نسیم دہلوی کے شاگرد اور اپنے زمانے کے استاد مسلم الثبوت تھے ۔ ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے ۔ طویل عمر پائی اور زبانِ اردو کی کافی خدمت کی ۔[2] ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء کو انتقال ہوا	۸۴ ۱۹۹
۴۲	تسنیم	تخلص ۔ (مولوی) اساس الدین احمد نام ۔ نارنول وطن ۔ جے پور مسکن ۔ ۵ر رجب ۱۲۹۳ھ تاریخ ولادت م ۱۶ر جولائی ۱۸۷۶ء اور ۱۴ر محرم ۱۳۴۳ھ م ۱۳ر اگست ۱۹۲۴ء تاریخِ وفات ۔ تمام عمر خدمتِ علم و ادب اور عبادت و ریاضت میں گزاری ۔ اپنے زمانے کے عالمِ مشہور تھے ۔[3]	۱۱۳ ۱۱۹
۴۳	تصویر	تخلص ۔ غلام احمد نام ، میاں بنّن عرف ۔ اُمی محض تھے مگر شعر خوب کہتے تھے ۔[4]	۲۱۰
۴۴	تمیز	تخلص ۔ غلام احمد نام ۔ رام پور وطن ۔ داغ کے شاگرد تھے ۔[5]	۱۸۴
۴۵	تنویر	تخلص ۔ (قاضی) محمد نور احمد نام ۔ "آفتاب الشعراء" خطاب ۔ اصل وطن قصبہ	۱۷

[1] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [2] و [3] خمخانۂ جاوید ۱۲ [4] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [5] خمخانۂ جاوید ۱۲

حوالہ	حالات	تخلص	نمبر
۲۱۶	زہر طلسم شہزادانی تھا مستقل سکونت جے پور تھی۔ شعر و سخن سے بجد شغف تھا نہایت پرگو تھے اور بکثرت تلامذہ نے فیض حاصل کیا۔ اپنے زمانے کے جے پور میں شہر استاد مانے جاتے تھے۔ شاگردوں کے دیوان تک تیار کر دیئے۔ تقسیم ملک پر پاکستان چلے گئے۔ جہاں ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔		
۹۹ ۲۱۴	تخلص (قاضی) مسرور احمد نام نرت تحریر کے فرزند ہیں اور پاکستان میں معزز عہدہ پر فائز ہیں[۲]	توقیر	۴۶
۴۹ ۱۵۱ | ۱۶۳	تخلص۔ میر افضل حسین نام۔ لکھنؤ کے مشہور اساتذۂ زمانہ حال میں تھے۔ ۴	ثاقب	۴۷
۲۰ ۱۴۰ ۲۱۳	تخلص۔ علی سکندر نام۔ مراد آباد وطن۔ مدتوں رند خمستاں نوش رہے مگر آخر عمر میں تائب ہوئے۔ حاجی بنے اور پارسائے عبادت گوش ہو گئے۔ ستر سال کی عمر پائی۔ ستمبر ۱۹۶۰ء میں انتقال ہوا۔ زندگی میں سخن فہموں نے جتنی قدر کی وہ بہت کم شعراء کو اس زمانے میں میسر ہوئی۔ اور مرنے کے بعد حکومت کی بھی مراعات ان کے حال پر خاص طور پہ مبذول ہوئیں۔ ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء تاریخ وفات؟ لطیفہ۔ ۱۹۳۵ء میں جے پور میں آل انڈیا مشاعرہ تھا۔ جگر و جوش بھی شریک ہوئے تھے۔ جے پور کے عوام بالخصوص ناخواندہ مگر شعر کے دلدادہ بے فکرے نوجوانوں کو انھیں سننے کا پہلا موقع تھا۔ بہت خوش ہوئے اس قدر کہ کوئی اعلیٰ سخن سنج بھی اُن کی قدردانی کی حدیں نہ چھو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک نشست کے بعد ان قدردانوں کی ٹولی "البرٹ ہال" (مشاعرگاہ) سے لوٹی تو ایک نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا "ارے یہ جگر مراد آبادی کہاں کا ہے؟" جواب ملا "دلّی کا" اور "جوش ملیح آبادی"؟ جواب تھا۔ یہ خبر نہیں۔	جگر	۴۸
۵۵	تخلص۔ (حکیم) سید ضامن علی نام ۱۲۵۰ھ م ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔	جلال لکھنوی	۴۹

پیدائش ۱۹ رمضان ۱۳۰۵ھ م ۶ جنوری ۱۸۹۰ء۔ سنہ وفات ستمبر ۱۹۶۰ء

علہ و علے تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ علے و علے خمخانۂ جاوید ۱۲

نمبر	تخلص	تفصیل	صفحات
		رام پور بھی بہت قیام رہا۔ اُستادِ مسلّم الثبوت تھے۔ ۸۵ سال کی عمر پائی۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو انتقال ہوا۔ چار دیوان اور متعدد دیگر تصانیف یادگار چھوڑیں عله	۱۸۲
۵۰	جلیل	تخلص (حافظ) جلیل حسین نام۔ مانک پور وطن۔ امیر مینائی کے شاگرد و جانشین۔ حیدرآباد میں سرکشن پرشاد کی سرکار سے بھی وابستہ رہے اور دربارِ نظامِ دکن سے شاعر کی حیثیت سے پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ بھی ملی۔ اپنے زمانے کے بڑے اساتذہ میں تھے عله ۵ جنوری ۱۹۴۶ء کو انتقال ہوا	۵۸ ۱۲۰ ۱۲۸ ۴۲ ۱۴۵ ۱۵۷ ۵۹ ۱۹۲ ۲۱۷
۵۱	جنون	تخلص۔ جے پور میں دورِ اوّل کے شعراء میں سے تھے اور خوش فکر اساتذہ میں شمار تھا۔	۵۱
۵۲	جوش	تخلص۔ شبیر حسن نام۔ ۵ دسمبر ۱۸۹۸ء کو بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ آپ ایک فطری شاعر ہیں۔ تغزل سے بہتر نظم کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ ہندوستان میں جب رہے لال پری کے متوالے رہے۔ اب پاکستان میں ہیں اور واللہ اعلم کیا رنگ ہے۔	۱۱۵ ۲۱۱
۵۳	جوہر	رام پور کے رہنے والے کوئی شاعر ہیں۔	
۵۴	چکبست	یہ تخلص نہیں ہے بلکہ خاندانی لقب ہے جس کو بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے۔ نسباً کشمیری پنڈت تھے۔ برج نرائن نام تھا۔ ۱۸۸۲ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ لکھنؤ کے کامیاب وکیل تھے۔ ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو رائے بریلی کے مقام انتقال ہوا۔ عله	۶۴ ۴۳ ۲۲۱
۵۵	حالی	تخلص (خواجہ) الطاف حسین نام۔ شمس العلماء خطاب، پانی پت وطن۔ ۱۸۳۷ء سنہ ولادت۔ عربی۔ فارسی کے عالم و فاضل۔ اُردو گھر کی زبان جس کو خوب ترقی دی۔ نواب شیفتہ کی صحبت نے بنایا۔ غالب نے تربیت کی اور شاعری کے آسمان پر اپنی روشن طبعی سے ستارہ بن کر چمکے۔ سرسید کی دوستی نے مزید نورانیت پیدا کی۔	۳۰ ۴۳ ۹۲ ۱۶۱ ۱۷۱

عله و عله خمخانۂ جاوید ۱۲ عله ادبی کارنامے ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
		"مدّو جزرِ اسلام" (مسدس حالی) کی قبولیت نے ان کی شہرت میں چار چاند لگا دئے۔ انھوں نے بھی نور افشانی سے صحیح خطاب پایا۔ ۱۹۱۴ء میں عالم آخرت کا سفر کیا۔ جدید شاعری کے معماروں میں ان کا خاص مرتبہ ہے۔ الفاظ کو صحیح اور بطرزِ بلیغ استعمال کرنا ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ جو غالب سے سیکھا ہے۔ مثلاً ان کا شعر تھا۔ عمر شاید نہ کرے آج وفا سامنا ہے شبِ تنہائی کا غالب کے مانا کی جگہ کا ٹنا بنا کر خوبی پیدا کر دی۔ متعدد تصانیف کے مصنف ہیں۔ نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت ہے۔	
۵۶	[illegible]	تخلص (کنور) اشتیاق علی [illegible] نام۔ سعد آباد ضلع متھرا مسکن و جاگیر۔ داغ کے شاگرد۔ وہ رام پور سے معزول ہو کر جب آئے تو ان کے ہی کافی دن مہمان رہے۔ پچھتر برس کی عمر پا کر ۱۹۳۵ء میں انتقال ہوا۔	۱۱۱
۵۷	حسرت	تخلص۔ سید فضل الحسن نام۔ موہان وطن، ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے عہد کے بلند مرتبہ شاعر، نثار، نقاد، صحیفہ نگار اور سیاست شعار ہستی تھے۔ ۱۳ر مئی ۱۹۵۱ء میں انتقال ہوا۔ ان کا یہ مصرع ان کے حسبِ حال ہے:- ہے زبانِ لکھنوی میں رنگِ دہلی کی نمود	۱۰۰ ۱۵۸ ۲۲۱
۵۸	حسن	تخلص۔ میر غلام حسین نام "مثنوی میر حسن" کے مصنف۔ اصل وطن فیض آباد تھا مگر لکھنؤ میں مقیم تھے یکم محرم سنہ ۱۲۰۱ھ کو انتقال ہوا۔	۱۰۳ ۱۵۰
۵۹	حشر	تخلص۔ آغا حشر مشہور۔ آغا محمد شاہ نام۔ کشمیر وطن۔ امرتسر مولد۔ ڈرامہ نویسی میں کمال کے باعث بہت مشہور ہوئے۔ اور ان کے ڈرامے نہایت مقبول تھے۔ ۲۸ر اپریل ۱۹۳۵ [illegible]	۷۱
۶۰	حفیظ	تخلص (حافظ) محمد علی نام۔ جونپور وطن۔ امیر مینائی کے شاگرد۔ ۱۸۶۵ء سنہ	۱۲۶

نمبر	تخلص	حال	صفحات
		ولادت اور ۱۹۲۰ء سنہ وفات ہے۔ [علہ]	
۶۱	حمید	کوئی حال معلوم نہ ہوا۔	
۶۲	حیرت	اس تخلص کے متعدد شعراء ہیں۔ ممکن ہے کہ نور احمد خاں حیرت دہلوی کا شعر ہو۔	۲۲
۶۳	خلیق	تخلص۔ لکھنؤ وطن۔ مزید حال نامعلوم۔	۶۷
۶۴	خلیل	تخلص۔ (حضرت مولانا شاہ) محمد خلیل الرحمن نام۔ سرساوہ ضلع سہارنپور وطن چہار قطب بانسوی رح کی اولاد۔ ۱۲۷۱ھ م ۱۸۵۵ء میں ولادت ہوئی۔ اور ۲۱ رمضان ۱۳۴۳ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۲۵ء کو وصال ہوا۔ درویش باکرامت اور مرشد صاحب ہدایت تھے۔ رنگ کلام عاشقانہ و صوفیانہ ہے۔	۸۰، ۱۷
۶۵	داغ	تخلص۔ نواب مرزا خاں نام۔ ۱۸۳۱ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ قلعۂ معلی میں تربیت ہوئی۔ غدر کے بعد رام پور چلے گئے۔ اور نہایت تزک و احتشام سے بحیثیت استاد فرمانروا رہے۔ وہاں جب انگریزوں کا انتظام ہوا تو معزول ہو کر چلے آئے اور حیدرآباد جاکر ممتاز و معزز ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا۔ داغ جیسا غزل گو خوش نصیب شاعر اس عہد میں کوئی نہ تھا اب تک ہوا۔ کیا بلحاظ مالی منفعت۔ اور کیا بحیثیت تعداد تلامذہ، قبولیت عام ان کو جاگیر میں قدرت نے عطا کی تھی۔ زبان کی صفائی دروا تی میراث میں ملی تھی جسکو مزید آب و تاب دی۔ غزل کے لحاظ سے ان کو "میر ثانی" کہنا چاہیے۔ گو بلحاظ علم ان کے معاصر و مقابل امیر مینائی کا ایک عدد تخلص میں "میر" سے زائد سہی۔ مگر۔ شرط قابلیت داد و ست کا کیا جواب ہے۔	۵۵، ۶۱، ۷۴، ۸۳، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۴۸، ۲۳۴
۶۶	درخشاں	کوئی مزید حال معلوم نہ ہوا۔	
۶۷	درد	تخلص۔ خواجہ میر نام۔ دلی وطن جہاں ۱۷۱۹ء میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۸۵ء	۸۱، ۱۹

علہ خمخانۂ جاوید ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
		میں وفات پائی۔ میر و سودا کے معاصر اور اپنے رنگ کے کامل اُستاد اور مرشد و بارشاد تھے۔ میر چاہے آدھا شاعر مانیں مگر دنیا کے ادب بے درد نہیں۔ وہ تو میر و سودا اور درد کو مسندِ صدارت ہی پیش کرتی ہے۔ کلام پر رنگِ تصوف غالب ہے[1]	۷۵، ۱۹۵
	دل	تخلص۔ حکیم ضمیر حسن خاں نام۔ شاہجہاں پور وطن۔ امیر مینائی کے شاگرد اور اپنے وقت کے استاد تھے[2]	۱۹۰
	دلبر	تخلص۔ امراؤ جان نام۔ کوئی طوائف ہیں۔	۱۸۸
۷۰	دلیر	تخلص۔ (منشی) سید امیر حسن نام مارہرہ وطن۔ سالِ ولادت ۱۸۵۸ء۔ داغ کے شاگرد اور اپنے زمانے کے استاد تھے[3]	۲۲۷، ۲۲۸
۷۱	ذاکر دہلوی	دہلی وطن۔ مزید حال نامعلوم۔	۴۹
۷۲	ذوق	تخلص (شیخ) محمد ابراہیم نام، ملک الشعراء، خاقانیِ ہند خطاب، ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء / ۱۷۹۰ء) میں پیدا ہوئے۔ شاہ نصیر سے تلمذ اختیار کیا مگر پھر استاد شاگرد میں نقیض پیدا ہو کر ادبی معرکہ آرائیاں خوب ہوئیں۔ ظفر بادشاہِ دہلی ان کے شاگرد تھے۔ نہایت مشاق، پُرگو اور زود گو تو تھے ہی مگر سند پیش کرنے میں اور بھی کمال تھا۔ چنانچہ شاہ نصیر کے اشارے سے اُن کے ایک شاگرد نے سرِ مشاعرہ ذوق کے مندرجۂ ذیل مطلع پر اعتراض کیا۔ یہ بادشاہ کے مدحتی قصیدہ کا مطلع ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زمین کس قدر مشکل ہے:۔ کوہ اور آندھی میں ہوں گر آتش و آب و خاک باد — آج نہ چل سکیں گے پر آتش و آب و خاک باد معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ میں آتش کے چلنے کا ثبوت چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ جب پہاڑ کو بڑھنے کے سبب سے حرکت ہے تو اس میں آگ کو بھی حرکت ہوگی۔ معترض نے کہا کہ سنگ میں آگ کا ثبوت چاہیے۔ انھوں نے کہا مشاہدہ۔ اُس نے کہا	۲۶، ۶۷، ۷۱، ۸۸، ۹۴، ۱۰۹، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۵۲، ۱۶۶، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۱۳

[1] آبِ حیات ۱۲ [2] و [3] خمخانۂ جاوید ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
		کتابی سند دو۔ اُنھوں نے کہا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہوشنگ کے زمانے میں آگ نکلی۔ اُس نے کہا کہ شاعری میں شعر کی سند درکار ہے۔ تاریخ شعر میں نہیں چلتی۔ حاضرینِ مشاعرہ ان سوال و جواب کی اُلٹ پلٹ کے تماشے دیکھ رہے تھے۔ اور اعتراض پر حیران تھے کہ ذوق نے دفعتہً محسن تاثیر کا یہ شعر پڑھا: پیش از ظہورِ جلوۂ جانانہ سوختیم — آتش بہ سنگ بود کہ ما خانہ سوختیم سنتے ہی مشاعرے میں ایک ولولہ پیدا ہوا۔ اور ساتھ ہی ذوق نے سودا کا یہ مصرع پڑھا۔ ع ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا۔ ۱۸۵۴ء میں انتقال ہوا۔[1]	
۷۳	ذہین	کوئی حال معلوم نہیں۔	۷۶
۷۴	راسخ	تخلص۔ (شیخ) غلام علی نام۔ عظیم آباد وطن۔ میر کے شاگرد ۱۱۶۲ھ م ۱۷۴۹ء میں بمقام پٹنہ پیدا ہوئے۔ بمشکل تمام میر کی خدمت تک پہنچے۔ جس کا ذکر اپنے مقام پر کیا گیا ہے۔ میر کی خدمت میں برائے اصلاح دیوان پیش کیا تو اول انھوں نے ٹالا۔ مگر آخر ان کے اصرار پر ان کے اس شعر کو:- مرتے دم اُن کا ذکر جب آیا زبان پر — نیند آگئی ہمیں تب اسی داستان پر۔ یوں بنا دیا تا خوابِ مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر — نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر۔ اور اپنا دیوان عطا فرما کر کہا۔ "یہی تمھاری اصلاح کیا کرے گا"۔ جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ م فروری ۱۸۲۳ء میں انتقال ہوا۔[2]	۷۹ ۱۵۸ ۲۰۶
۷۵	رسوا	تخلص۔ سید اولاد حسین نام۔ رائے بریلی وطن۔ جے پور میں پہلے وکالت کرتے تھے پھر نائب ناظم ہو گئے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا۔[3]	۲۳۱
۷۶	رضا	تخلص۔ (مرزا) نذیر الدین نام دلی وطن۔ مرزا رحیم الدین حیا کے صاحبزادے تھے۔	۴۳ ۱۳۴
۷۷	رنجور	تخلص۔ (مولوی) محمد یوسف نام شمس العلماء خطاب۔ عظیم آباد وطن۔	۱۵۴

[1] آب حیات ۱۲ [2] [3] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
۷۸	رند	تخلص۔ سید محمد خاں نام۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ م اگست ۱۷۹۷ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ آتش کے شاگرد تھے۔ پیرانہ سالی میں بمقام بمبئی انتقال ہوا[1]	۱۳۴
۷۹	رنگین	تخلص۔ (مرزا) سعادت یار خاں نام سرہند میں پیدا ہوئے۔ دلی میں نشو و نما پائی۔ ریختی کے موجد ہیں۔ انشا کے گہرے دوست تھے۔ نہایت پرگو۔ بذلہ سنج۔ حاضر جواب اور بدیہہ گوئی میں طاق تھے۔ ۸۰ برس کی عمر پائی۔ اور جمادی الآخر ۱۲۵۱ھ م اکتوبر ۱۸۳۴ء کو انتقال ہوا[2]	۱۱۹
۸۰	رونق	تخلص۔ (صاحبزادہ) احمد علی خاں نام۔ نواب امیر خاں بانیِ ریاست ٹونک کے ساتویں بیٹے تھے۔ بھائی سے ناراض ہو کر جے پور چلے آئے اور یہاں امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۴ر اکتوبر ۱۸۹۰ء کو انتقال ہوا[3]	۱۹۲
۸۱	ریاض	تخلص۔ (منشی) سید ریاض احمد نام۔ خیرآباد وطن۔ "ریاض الاخبار" اور "فتنہ" جو ایک مختصر سا رسالہ تھا۔ انھوں نے جاری کیا تھا۔ خمریات کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں[4]	۳۸ ۵۱ ۵۵ ۵۸ / ۱۱۵ ۱۳۲ ۱۶۴ ۱۷۸ / ۱۷۹ ۲۰۴ ۲۱۰ ۲۴۵
۸۲	ریحان	تخلص۔ دیا کرشن نام۔ لکھنؤ وطن۔ پرگو شاعر تھے۔ ۱۸۸۵ء میں انتقال ہوا[5]	۴۳ ۴۶
۸۳	زاہد	تخلص۔ (سید) زاہد حسین نام۔ سہارنپور وطن۔ امیر کے شاگرد اور خوش گو شاعر تھے[6]	۴۶
۸۴	ساجد	تخلص۔ ابوالعجز کنیت (شیخ) ساجد علی نام۔ اصل وطن نارنول تھا۔ پھر جے پور رہا۔ اب پاکستان ہے۔ جہاں معزز عہدے پر فائز ہیں۔ ۶ر اگست ۱۹۱۱ء تاریخ ولادت، منکسر، متواضع، طباع و خوشگو اور مشاق و سخن سنج شاعر ہیں[7]	۴۳ ۴۲ ۱۰۷ ۱۲۱
۸۵	سخا	تخلص (سید) نظیر حسن نام۔ صاحب علم و فضل۔ اور اپنے وقت کے استاد تھے۔ متعدد کتب کے مصنف۔ سیاح اور ہمہ گیر طبیعت کے مالک تھے۔ وطن دلی تھا۔ ۱۸ر فروری ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے۔ اور ۸ر فروری ۱۹۲۳ء کو حیدر آباد میں انتقال ہوا[8]	۲۵ ۵۵ ۶۷ ۱۸۱

[1] و [2] آب حیات ۱۲ [3] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [4] و [5] و [6] خمخانۂ جاوید ۱۲ [7] و [8] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
۸۶	سراج	تخلص۔ سراج الحسن نام۔ لکھنؤ وطن۔ دورِ حاضر کے بہترین شعراء میں ہیں۔	۱۰۲ ۱۱۳ ۲۴۹
۸۷	سودا	تخلص۔ (مرزا) محمد رفیع نام۔ دہلی وطن۔ اُن پونے تین شاعروں میں سے ایک ہیں۔ جن کو میر نے شاعر مانا ہے۔ قصیدے کے بادشاہ تھے اور ہجو کہنے کا سودا تھا۔ جہاں کسی پر بگڑے اور ہجو کہی۔ ایسی کہ بچے بچے کی زبان پر ہو جاتی تھی۔ ۱۱۲۵ھ م ۱۷۱۳ء میں پیدا ہوئے اور (۲۲ رجب) ۱۱۹۵ھ م ۱۷۸۱ء میں انتقال ہوا۔ نواب آصف الدولہ کے دربار سے چھ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ مرزا فاخر مکیں وغیرہ سے بڑے معرکے رہے اور سب میں یہی غالب آئے۔[1]	۲۰ ۸۴ ۱۰۰ ۱۱۶ ۱۱۹ ۱۴۱ ۱۵۰ ۱۹۸
۸۸	سیماب [illegible]	تخلص۔ (شیخ) عاشق حسین نام۔ اکبرآباد وطن۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں پاکستان جاکر (بمقام کراچی) انتقال ہوا۔ اپنے عہد کے مشہور استاد و انشاپرداز تھے۔[2] مدفن قائد آباد (کراچی) ہے۔	۱۶۹ ۲۰۹ ۲۱۹
۸۹	شاد	تخلص (سید) علی محمد نام۔ خان بہادر خطاب۔ ۱۸۴۶ء میں بمقام پٹنہ پیدا ہوئے اور ۱۹۲۹ء میں انتقال ہوا۔ نہایت کامیاب غزل گو شاعر تھے۔[3]	۱۱۹ ۲۰۹
۹۰	شاعر	تخلص۔ آغا ظفر علی بیگ قزلباش نام۔ "افسر الشعراء" خطاب۔ دہلی وطن۔ داغ کے نورتنوں میں سے تھے۔ نہایت زود و پُرگو شاعر اور مشہور و معروف سخنور تھے۔[4] ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو انتقال ہوا	۱۲۱
۹۱	شاغل	تخلص۔ احترام الدین احمد نام۔ اصل وطن نارنول تھا۔ اب جبل پور ہے۔ یہیں ۱۲ ار[illegible] ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا۔ گھر پر فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ شعر و سخن کا ذوق سنِ شعور سے ہے۔ پہلی غزل ۱۹۱۲ء میں کہی۔ جو ماہنامہ جوہرِ سخن جے پور میں شائع ہوئی ہے۔ یکم جنوری ۱۹۱۷ء سے سلسلۂ ملازمت شروع ہو کر ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء کو پنشن پر ختم ہوا۔ زمانۂ ملازمت میں بھی ادبی خدمات کرتا رہا۔ اور	۳۱ ۳۲ ۳۵ ۳۴ ۳۵ ۴۳ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۱۹ ۱۵۴ ۱۵۷

۱؎ نقوش ۱۲ ۲؎ ادبی کارنامے ۱۲ ۳؎ خمخانہ جاوید ۱۲ ۴؎ خمخانہ جاوید ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحات
		پنشن کے بعد سے تو اس کے سوا اور کوئی شغل ہی نہیں ہے۔ نہ کسی دوسرے کام پر جی لگتا ہے۔ رسالہ ہٰذا اسی ادبی ذوق نے مرتب کرایا ہے۔	۲۱۱، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۹، ۲۳۲
۹۲	شبلی	تخلص۔ عبد الرحیم نام۔ شمس العلماء خطاب۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں انتقال ہوا۔ گویا غدر اور اوّل جنگِ عظیم کے درمیان اس مجاہدِ ادب نے اپنی زندگی گذاری جو بیک وقت۔ شاعر و انشاپرداز۔ مورخ۔ محقق۔ نقّاد۔ مصنف۔ معلّم اور موسسِ ادارۂ ادب یعنی "ندوۃ العلماء" اعظم گڈھ۔ تھا۔ کون سا اُردو داں ہے جو اس ہستی سے واقف نہیں۔[1]	۱۹۱
۹۳	شوخ	تخلص۔ مگر اب ترک کر چکے ہیں۔ (مولوی) امیر الدین خاں نام۔ اصل وطن رام پور۔ مسکن جے پور اور اب سب کچھ پاکستان ہے۔ ۱۸۸۰ء سالِ ولادت تعلیمی خدمات جے پور میں اس قدر انجام دی ہیں کہ ان کو جے پور کا سرسید کہنا بالکل بجا ہے۔ اب ان کا کلام بالعموم قوم کے نام قابلِ احترام پیام ہوتا ہے۔ بلند مرتبہ شاعر، نقاد اور بہترین انشاپرداز ہیں۔ اور ادبی و علمی خدمت میں برابر مشغول۔[2]	۶۱، ۶۴
۹۴	شور	تخلص۔ میر عطا حسین نام۔ وطن دہلی۔ مسکن جے پور۔ یہاں کے قدیم اساتذہ میں تھے۔ ۱۹۰۹ء میں انتقال ہوا۔[3]	۱۰۰
۹۵	شوق	تخلص۔ (منشی) احمد علی قدوائی نام۔ مولد جگور ضلع لکھنؤ۔ تلمیذِ اسیر اور اپنے زمانے کے استادِ سخن۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۲۵ء کو انتقال ہوا۔[4]	۱۶۶
۹۶	شوق	تخلص۔ محمد مراد علی نام۔ لکھنؤ وطن۔ اسیر کے شاگرد۔[5]	۲۷، ۲۱۹
۹۷	شہیدی	تخلص۔ (منشی) کرامت علی خاں نام۔ وطن ہڑیاپور ضلع اناؤ۔ تلمیذِ مصحفی۔ شیفتہ۔ وغیرہ کے معاصر۔ حج بیت اللہ کو گئے اور وہیں وفات پائی۔[6] ان کا اصل وطن بانس بریلی [illegible]	۱۰۲، ۱۲۵

[1] حیاتِ شبلی ۱۲ [2] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [3] ایضاً ۱۲ [4] خمخانۂ جاوید ۱۲ [5] ایضاً ۱۲ [6] ایضاً ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالے
۹۸	شیفتہ	تخلص (حاجی نواب) مصطفیٰ خاں نام۔ دہلی وطن۔ جہانگیر آباد جاگیر۔ ساحر، ذوق، داغ، مومن وغیرہ۔ ۱۸۰۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور ۱۲۸۶ھ م ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا[1]	۵۵، ۱۴۸، ۱۴۳، ۱۸۱، ۱۸۸
۹۹	صافی	تخلص۔ عبدالرحمٰن نام۔ وطن جے پور۔ یہاں معلمی کرتے تھے[2]	۱۰۹، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۸۴
۱۰۰	صبا	تخلص۔ میر وزیر علی نام۔ لکھنؤ وطن۔ فخر تلامذۂ آتش۔ ۲۷ رمضان ۱۲۷۱ھ م ۱۳ مئی ۱۸۵۵ء کو گھوڑے سے گر کر وفات پائی[3]	۱۴۲، ۱۶۶
۱۰۱	صبا	تخلص۔ (منشی) چاند بہاری لال نام۔ "طوطیِ راجستھان" لقب۔ اصل وطن نارنول۔ موجودہ مسکن جے پور۔ لفظِ منشی خاندانی امتیاز و اعزاز (بیسویں صدی کا کوئی کوڑھ مغز لفظِ "منشی" کو باعثِ توہین سمجھے تو اس سے بڑا جاہل کون ہو سکتا ہے۔ جبکہ مفتی امیر احمد امیر مینائی کو منشی امیر احمد اور منشی نولکشور اور منشی امیر اللہ تسلیم وغیرہ جیسے ذی علم و فن اور صاحبانِ وجاہت کے لیے یہ لفظ باعثِ افتخار ہے۔ درانحالیکہ اس جاہل کی جہالت کا یہ عالم ہو کہ "براہِ مہربانی" کو "برائے مہربانی" لکھے) حضرتِ مائل دہلوی کے تلمیذ و جانشین ہیں۔ نہایت خلیق، متواضع، غیور و وضعدار۔ اور پرانی تہذیب کا نمونہ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۴ء کو جے پور میں پیدا ہوئے۔ یہ بوڑھے ہو چکے ہیں مگر ان کی غزل کا شباب بدستور ہے۔	۲۶، ۳۹، ۵۴، ۵۲، ۱۱۱، ۱۳۷، ۱۷۷، ۲۴۳
۱۰۲	صفی	تخلص۔ سید علی نقی نام۔ وطن لکھنؤ۔ لسان القوم، لقب۔ کسی کے شاگرد نہ تھے مگر اپنے وقت کے استاد مانے گئے[4] سنہ وفات ۱۹۵۰ء	۲۰۹، ۲۲۸
۱۰۳	صفیر	تخلص۔ (منشی) سید فرزند احمد نام۔ اردو میں سحر سے اور فارسی میں غالب سے تلمذ تھا۔ مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کی مشق مرزا دبیر سے کی۔ متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ۱۸۹۰ء میں انتقال ہوا[5]	۱۳۷

[1] ادبی کارنامے ۱۲ [2] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [3] خمخانۂ جاوید ۱۲ [4] و [5] خمخانہ جاوید ۱۲

۱۰۴	ضیا	نہیں معلوم یہ شعر کس ضیا کا ہے۔	۱۷
۱۰۵	ظفر	تخلص۔ سراج الدین نام۔ سلطنتِ مغلیہ کے ایوان کا آخری چراغ۔ اور میدانِ مصائب کا جواں مرد فرد۔ بہادرشاہ۔ عبرت و بیکسی کا مرقع اور حرمان و بدنصیبی کا سراپا۔ نوّے برس کے بادشاہِ اسیر نے رنگون میں وفات پائی۔	۶۲ ۷۱ ۱۶۹ ۱۸۱ ۲۳۷
۱۰۶	ظفر	ہندوستان کے مشہور و معروف اخبار نویس مولانا ظفر علی خاں اڈیٹر زمیندار۔	۳۹
۱۰۷	عابد	تخلص۔ (مولوی۔ شیخ) عابد علی نام۔ وطن نارنول۔ مسکن جے پور۔ بلند مرتبہ خوشگو شاعر اور عمدہ ادیب و عالم باعمل تھے۔ حضرتِ اعجاز کے فرزند اور حضرتِ تنویر کے شاگرد تھے۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۳ء کو جے پور میں انتقال ہوا[1]	۱۵۸
۱۰۸	عارف	تخلص۔ (نواب) زین العابدین خاں نام۔ غالب کے چہیتے شاگرد۔ جن کے مرثیہ میں غالب نے کہا ہے۔ ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور ۱۲۳۲ھ م ۱۸۱۷ء / ۱۸۱۹ پیدائش اور ۱۲۶۸ھ م ۱۸۵۱ء / ۱۸۵۲ وفات۔ وطن دہلی۔	۲۳۰
۱۰۹	عارف	تخلص تکھنئو وطن۔	۱۸۶
۱۱۰	عرش	تخلص۔ سید محمد عسکری نام، میر کلّو عرف، میر تقی میرؔ کے فرزند۔ نہایت مستغنی المزاج شخص تھے[2]	۶۳
۱۱۱	عزیز	تخلص۔ امرتسر وطن۔ مزید حال معلوم نہ ہوا۔	۶۸
۱۱۲	عطا	تخلص۔ چاند خاں نام۔ عطاء اللہ خاں اسم ثانی۔ جے پور کے اساتذہ میں تھے[3]	۱۷۵
۱۱۳	عیش	مزید حال معلوم نہ ہوا۔	۱۱۶
۱۱۴	غالب	پہلے اسد تخلص تھا۔ پھر غالب کیا۔ اسد اللہ خاں نام، نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ خطاب۔ مرزا نوشہ لقب۔ ۱۷۹۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۹ء میں دہلی میں انتقال ہوا[4] اُردو اور فارسی کے بے مثل شاعر و انشا پرداز تھے۔ زندگی میں بڑی	۳۰ ۲۵ ۲۹ ۵۲ ۸۳ ۸۴ ۸۸ ۱۰۲ ۱۲۵

[1] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [2] خمخانۂ جاوید ۱۲ [3] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
		تکلیفیں اٹھائیں۔ فلاکت کا شکار رہے اور سہامِ ملامت کے ہدف مرنے کے بعد ہم مردہ پرستوں نے زندۂ جاوید بنانے میں کسر نہ چھوڑی۔ غالبیات کے انبار لگا دیے۔ مزار بنوایا۔ پردۂ سیمیں پر کھینچ بلایا۔ دیوان کو سر آنکھوں سے لگایا۔ آئندہ زمانہ جو بھی کچھ عمل کرے آج تو غالب سب پر غالب ہے۔	۱۲۵ ۱۲۷ ۱۳۰ ۱۵۰ ۱۶۶ ۱۶۹
۱۱۵	فانی ۲۹ اگست اور	تخلص۔ شوکت علی خاں نام، بدایوں وطن ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۹ اگست ۱۹۴۱ء میں انتقال ہوا۔ غزل گو شعرا کی صفِ اول کے ممتاز شاعر تھے اور یاسیات کے لاجواب ماہر۔[a]	۵۵ ۱۲۰ ۱۳۰ ۱۹۱ ۱۹۳
۱۱۶	فروغ	مزید حال معلوم نہ ہوا۔	۱۲۶
۱۱۷	فرہاد	ایضاً	۱۸
۱۱۸	فہیم	ایضاً	۱۲۳
۱۱۹	قادری	تخلص۔ حامد حسن نام۔ زمانہ حال کے ممتاز و جید ادیب، نقاد، معلم، مصنف اور بالخصوص تاریخ گو شاعر ہیں۔ مدتوں آگرے میں فارسی کے پروفیسر رہے اور ریٹائر ہونے کے بعد پاکستان تشریف لے گئے۔ جہاں اب بھی اپنے رشحاتِ قلم سے علمی و ادبی تشنہ کاموں کو سیراب کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں گورنر بہار جیسی ہستیوں کو آپ سے شرفِ تلمذ ہے۔ ۱۹ جون سنہ ۱۹۶۳ء	۱۳
۱۲۰	قدرت	حال نامعلوم	۹۱
۱۲۱	کوثر	تخلص۔ محمد منظور (۱۲۸۸ھ) تاریخی نام منظور احمد عرف، مولانا کوثر۔ مشہور وطن سندیلہ۔ جے پور مسکن۔ بزرگِ درویش صفت، فنا فی الشعر، مرنجاں مرنج۔ انکسار شعار اور خاکسار، خوددار، استادِ شاگرد نواز اور تلمیذِ استاد ناز۔ جے پور میں شعرا کے دورِ درمیانی کی آخری یادگار، سب کے دوست اور سب کے لیے واجب الاحترام ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء تاریخ وفات۔	۲۲۳

[a] ادبی کارنامے ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
۱۲۲	کیفی	تخلص۔ (پنڈت) برجموہن ناتھ دتاتریہ نام۔ ان سے کون اُردو داں واقف نہیں۔ دلی وطن اور اُردو کے ایسے دلدادہ کہ مرتے دم تک اس کا دامنِ حمایت نہ چھوڑا۔ کوثر مرحوم کے یارِ غار تھے۔ اور مثالی دوست۔ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ یہاں بھی دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ وفات یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو ہوئی	۱۹۴
۱۲۳	مائل	تخلص (مرزا) محمد تقی بیگ نام۔ دہلی وطن۔ جے پور مسکن یہاں غدر کے بعد آئے۔ ۱۸۵۲ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور ۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء کو جے پور میں انتقال ہوا۔ شعر و سخن کے لحاظ سے ان کو جے پور کا مصحفی کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہاں کے دورِ اول کے شعراء کے بھی یہ ہم بزم رہے جن میں ان کے استاد انور و تسلیم بھی شامل تھے۔ اور دلی لکھنؤ وغیرہ سے آئے ہوئے حضرات بھی مثل راقم۔ آگاہ۔ ظہیر۔ شگفتہ۔ خستہ۔ مبین۔ اعجاز۔ رقمی۔ مونس۔ ناظم۔ رونق۔ وغیرہ اور دورِ اوسط کے شعرا کے ساتھ بھی مشاعروں میں شریک ہوئے جن میں ان کے تلامذہ۔ مثل تسنیم۔ اختر۔ فرحت۔ کوثر وغیرہ کے علاوہ اکبر۔ سحا۔ ایماں۔ بیدل۔ تنویر۔ خیال۔ شریفی وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ اور زمانۂ موجودہ کے شعرا کو بھی فیض پہنچایا۔ جن میں ان کے تلامذہ صبا۔ رزمی۔ عاصم۔ مہر وغیرہ کے علاوہ۔ بسمل۔ عزیز وغیرہ ہیں۔ اہل جے پور نے حضرت مائل سے بہت کچھ افادہ کیا۔ مائل مضامینِ رحمت اور خمریات کے اسپیشلسٹ تھے۔	۱۸ ۱۹ ۲۶ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۵ ۳۸ ۳۹ ۴۲ ۴۸ ۵۰ ۵۵ ۶۸ ۹۲ ۹۹ ۱۰۲ ۱۰۷ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۸ ۱۳۰ ۱۳۷ ۱۳۹ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۷ ۱۶۶ ۱۹۰ ۲۱۹ ۲۲۱ ۲۲۴
۱۲۴	مبین	تخلص (مولانا) سلطان الدین احمد نام۔ ابوالبرہان کنیت نارنول وطن۔ جہاں ۱۳ رجب ۱۲۶۸ھ م ۳ مئی ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ جے پور میں ملازمت کی۔ دیگر معزز عہدوں کے علاوہ۔ ریاست جے پور کے مفتی بھی رہے۔ خوش تقریری میں اپنا دور دور جواب نہ رکھتے تھے۔ متبحر عالم و ممتاز سالک ہونے کے ساتھ شعر و سخن کے زبردست نقاد و مبصر تھے۔ خداداد جلال و دبدبہ اور وجاہتِ ذاتی کی بنا پر	۲۱ ۹۹ ۱۴۹ ۱۵۷ ۱۹۶ ۲۱۶ ۲۱۹ ۲۳۲

نمبر	تخلص	حالات	صفحہ
		بڑے بڑے زباں آور ان کے روبرو لب کشائی کرتے جھجکتے تھے۔ ۱۹ر صفر ۱۳۳۶ھ ۵ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو وصال ہوا۔ ع۱	
۱۲۵	محسن	چونکہ اس تخلص کے کئی شاعر ہیں اس لئے تحقیق نہیں کہ یہ کس کا شعر ہے۔	
۱۲۶	محوی	ایضاً	۲۱۰
۱۲۷	مخمور	ایضاً	۱۶۱
۱۲۸	مشتاق	ایضاً	۶۰
۱۲۹	مصحفی	تخلص۔ غلام ہمدانی نام۔ امروہہ وطن جہاں ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ کو مسکن بنایا۔ زبردست پُرگو استاد تھے۔ متقدمین میں غزل گو شاعر کی حیثیت سے میر کے بعد انھیں کا مرتبہ ہے۔ سید انشا سے بڑے معرکے رہے۔ مگر باوجود پیرانہ سالی۔ انشا جیسے جواں طبیعت و ہمہ گیر و ہمہ رنگ شاعر کو کبھی خاطر میں لائے۔ ۱۸۲۴ء میں انتقال ہوا۔ ع۲	۲۰۹، ۱۳۱، ۱۹۷
۱۳۰	مضمون	تخلص۔ (شیخ) شرف الدین نام۔ جاجمو علاقہ اکبرآباد وطن اور دلی مسکن تھا۔ سپہگری چھوڑ کر درویشی اختیار کی۔ دورِ اول کے شعراء میں ہیں ع۳ سنہ وفات ۱۱۶۷ ہجری ہے۔	۱۷۱
۱۳۱	معروف	تخلص۔ (نواب) الٰہی بخش خاں نام۔ وطن دہلی کہنہ مشق و باکمال شاعر تھے۔ ع۴	۹۲
۱۳۲	مفتون	اس تخلص کے کئی شاعر ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شعر کس کا ہے۔	۱۶۱
۱۳۳	ملک	تخلص، ملک الدین نام۔ حضرت مبین کے فرزند تھے اور خوشگو شاعر۔ عین عالم شباب میں بمقام جے پور انتقال ہوا۔ ع۵	۳۵، ۱۹۵
۱۳۴	منتظر	تخلص۔ امروہہ وطن۔ مزید حال معلوم نہ ہوا۔	
۱۳۵	مومن	تخلص۔ (حکیم) مومن خاں نام۔ دلی وطن۔ ۱۸۰۰ء سالِ ولادت اور ۱۸۵۲ء سنہ وفات۔ ذوق و غالب کے معاصر اور فنِ سخن میں ممتاز و مشہور تر استاد	۴۷، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۲۵

ع۱ و ع۵ تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ ع۲ و ع۳ و ع۴ آبحیات ۱۲

ہر صنفِ سخن میں کامیاب، مگر غزل میں انفرادی درجہ تھا۔[1]

(۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۶)

۱۳۶ — مہر

معلوم نہیں یہ شعر کس مہر کا ہے۔

(۱۳۰، ۱۲۶)

۱۳۷ — مہر

تخلص۔ (سید) محمد خورشید علی تاریخی نام۔ (۱۳۲۲ھ) اور مزید خوبی یہ کہ والد بزرگوار کا نام انور علی تھا۔ ۴ر دسمبر ۱۹۰۴ء کو بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ وطن سانبھر اور مسکن جے پور تھا اب پاکستان ہے جہاں معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ ہر صنفِ سخن پر پوری قدرت ہے۔ مگر نظم کا نظم میں ترجمہ کرنے اور تاریخ گوئی میں بڑا کمال حاصل ہے۔ میرزا مائل سے تلمذ ہے۔[2]

(۸۳، ۲۱۴)

۱۳۸ — میر

تخلص۔ میر محمد تقی نام۔ وطن آگرہ تھا جہاں ۱۱۳۷ھ م ۱۷۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ پھر دلی چلے آئے اور آخر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۲۲۵ھ م ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوا۔ غزل گو شعرا میں "خدائے سخن" انھیں کو کہا جاتا ہے۔ آج بھی ان کے شعر نشتر ہیں۔ اور اس زمانے کی زبان بھی ان کے اشعار میں ملتی ہے۔ کلام میں خداداد تاثیر و کشش ہے۔ نازک مزاجی بددماغی تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور استغنا تجبر کا نمونہ تھا۔ ایک بار کچھ سخن سنج ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اول تو بمشکل ان سے ملے اور پھر شعر سنانے میں بڑا اغماض کیا۔ فرمایا کہ آپ میرا شعر نہیں سمجھ سکتے۔ انھوں نے کہا کہ انوری و خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں، آپ کا ارشاد کیوں نہ سمجھیں گے۔ تو یہ شعر پڑھا۔

عشق بُرے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھیر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

اور ساتھ ہی کہا۔ آپ بموجب اپنی کتابوں کے کہیں گے کہ خیال کی "ی" کو ظاہر کرو۔ پھر کہیں گے کہ "ی" تقطیع میں گرتی ہے۔ مگر یہاں اس کے سوا

(۲۸، ۴۶، ۵۵، ۶۷، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۶۰، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۱۸)

[1] آبِ حیات ۱۲ [2] تذکرۂ شعرائے جے پور ۱۲

نمبر	تخلص	حالات	حوالہ
		جواب نہیں کہ ہمارا محاورہ یہی ہے عے	
۱۳۹	ناز	تخلص۔ خیرپور (سندھ) کے حکمراں تھے عے	
۱۴۰	ناسخ	تخلص۔ (شیخ) امام بخش نام ۱۲۱۰ھ م ۱۷۹۵ء / ۱۷۹۶ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ اور لکھنؤ کو مسکن و وطن قرار دیا۔ یہیں ۱۸۳۸ء میں انتقال ہوا۔ اپنے وقت کے استادِ مسلم اور مصلحِ زبان تھے۔ تلامذہ کی تعداد بہت تھی۔ باوجودیکہ مزاج کے لحاظ سے میر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ آتش سے ہمیشہ چلتی رہی۔ چنانچہ جب آتش نے ان کی غزلوں پر غزلیں کہنا شروع کیں تو انھوں نے یہ مطلع کہا:۔ ایک جاہل کہہ رہا ہے میرے دیواں کا جواب بومسیلم نے لکھا تھا جیسے قرآں کا جواب اس کا جواب آتش نے یہ دیا:۔ کیوں نہ دے ہر مومن اس ملحد کے دیواں کا جواب جس نے دیواں اپنا ٹھہرایا ہے قرآں کا جواب عے	۲۲۶ ۴۲ ۸۱ ۱۴۸ ۲۳۰
۱۴۱	ناطق	تخلص اور لکھنؤ وطن۔ سعید احمد نام۔ یہ بھتیجے حکیم سعید احمد شمسی ۔ ۱۳۵۹ ہجری	(مرقع الشعراء)
۱۴۲	نسیم	تخلص (سید) شبیر حسین نام۔ وطن بھرت پور داغ کے شاگرد تھے۔ ۱۹۱۲ء / ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوا عے	۶۱ ۲۲۳
۱۴۳	نسیم	تخلص (نواب) اصغر حسین خاں نام، دہلی وطن اور اپنے زمانے کے مشہور استاد تھے عے ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۸۱ ہجری کو انتقال ہوا	۷۹
۱۴۴	نسیم	تخلص۔ مجاہد الدین احمد نام۔ نارنول وطن۔ جے پور مسکن۔ ۸ جون ۱۹۳۶ء کو جے پور میں انتقال ہوا۔ عے	۴۹
۱۴۵	نظر	تخلص۔ رام چندر نام۔ بہترین خوشنویس ہیں۔ "جواہر رقم" خطاب ہے۔	۵۱ ۱۰۲

عے آبحیات ۱۲ عے علم مجلسی ۱۲ عے آبحیات ۱۲ عے گلستان ہزار رنگ ۱۲ عے مرج کوثر ۱۲ عے تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲

		نسباً کھتری ہیں۔ ۱۸۹۶ء میں بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۴ء سے شعر کہتے ہیں [1]	
۱۴۶	نظیر	تخلص۔ (شیخ) ولی محمد نام ۱۷۳۵ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آگرے میں رہے اور ۱۸۳۰ء میں انتقال ہوا۔ فطری شاعر تھے اور نہایت پرگو۔ نیچرل شاعری کا ان کو مورثِ اعلیٰ سمجھنا چاہیے [2]	۲۲۴
۱۴۷	وزیر	تخلص۔ خواجہ محمد وزیر نام۔ وطن لکھنؤ۔ ناسخ کے شاگرد اور نہایت خوشگو اور مشاق شاعر تھے۔ ۱۸۵۴ء میں انتقال ہوا [3]	۱۰۹ ۱۲۳ ۱۹۰ ۲۳۰
۱۴۸	وصی	تخلص۔ (قاضی) وصی احمد صدیقی نام۔ حضرتِ تنویر کے فرزند ہیں اور خوشگو شاعر۔ پاکستان میں اسسٹنٹ انجینیر ہیں [4]	۲۱۴
۱۴۹	یقین	تخلص۔ انعام اللہ خاں نام۔ وطن دہلی۔ مرزا مظہر جانجاناں کے شاگرد تھے۔ [5]	۲۰
۱۵۰	یکتا	و زکی تخلص۔ میر حیدر حسن نام۔ دہلی وطن۔ جے پور مسکن و مدفن۔ نہایت بلند فکر و عالی طبع شاعر تھے۔ بہترین نثار بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی [6] اپنے زمانے کی باکمال ہستی مانے جاتے تھے۔	۲۳۵
۱۵۱	یگانہ	یاس تخلص۔ میر واجد حسین نام۔ لکھنؤ وطن۔ حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ غالب کے سخت ترین مخالف تھے۔ ۹ فروری ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔	۷۹
۱۵۲	یوسف	اس تخلص کے بہت شعراء ہیں۔ یہ شعر کسی یوسف صدیقی کا ہے۔	۷۶

[1] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [2] نقوش ۱۲ [3] آبحیات ۱۲ [4] و [5] تذکرہ شعرائے جے پور ۱۲ [6] آبحیات ۱۲

ضمیمہ دوم

اخبارات، رسائل، دواوین، کلیات اور متفرق بیاضوں کے علاوہ وہ کتب جن سے مدد لی گئی۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی	سنہ طباعت	نام مطبع
۱	آبِ حیات	محمد حسین آزاد	اردو	مطبوعہ	ندارد	کریمی پریس لاہور
۲	اخلاقِ محسنی	ملا حسین کاشفی	فارسی	//	ندارد	نول کشور پریس لکھنؤ
۳	ادبی کارنامے	سید ظہیر الدین علوی وغیرہ	اردو	//	سنہ ۱۹۵۱ء	مسلم ایجوکیشنل پریس علیگڑھ
۴	تاریخِ ادب ہندی	ایضاً	//	//	سنہ ۱۹۵۷ء	رام نراین لال الہ آباد
۵	تاریخِ فرشتہ	محمد قاسم ہندو شاہ	فارسی	//	ندارد	نولکشور پریس
۶	تاریخِ ہند	ڈاکٹر اقبال وغیرہ	اردو	//	سنہ ۱۹۱۳ء	مفید عام پریس لاہور
۷	تذکرۃ النساء	درگا پرشاد	//	//	سنہ ۱۸۸۴ء	اکمل المطابع دہلی
۸	تذکرہ شعرائے جے پور	احترام الدین احمد شاغل	اردو	//	سنہ ۱۹۵۸ء	یونین پریس دہلی
۹	جذباتِ بھاشا	نیاز فتح پوری	//	//	سنہ ۱۹۱۳ء	نگار مشین پریس لکھنؤ
۱۰	جذباتِ مشرق	دیوان چند مفتون	//	//	سنہ ۱۹۶۰ء	کوہِ نور پریس دہلی
۱۱	حیاتِ سعدی	مولانا حالی	//	//	سنہ ۱۸۸۶ء	مطبع انصاری دہلی
۱۲	حیاتِ فردوسی	مرزا حیرت دہلوی	//	//	سنہ ۱۸۹۵ء	خادم التعلیم لاہور
۱۳	خزانۂ عامرہ	غلام علی آزاد	فارسی	//	ندارد	نول کشور پریس کانپور
۱۴	خم خانۂ جاوید حصہ پنجم	لالہ سری رام دہلوی	اردو	//	مختلف سنین	دلی پرنٹنگ پریس
۱۵	زبدۃ الفصحا	بشیر الدین احمد	//	//	سنہ ۱۹۷۵ء	سلیمی پریس لاہور

۱۶	شعر العجم ہر چہار حصص	مولانا شبلی	اردو	مطبوعہ	مختلف	الناظر پریس لکھنؤ
۱۷	علم مجلسی ہر ہفت حصص	عزیز الرحمٰن	״	״	سنہ ۱۹۵۷ء	محبوب المطابع دہلی
۱۸	کلمات الشعراء	محمد افضل سرخوش	فارسی	قلمی	تحریر شدہ سنہ ۱۱۸۱ھ	×
۱۹	گلستان مسرت	عبد الرحمٰن شاکر	״	مطبوعہ	سنہ ۱۲۶۰ھ	مطبع مصطفائی
۲۰	گلستان ہزار رنگ	سید بہاؤ الدین احمد	اردو	״	سنہ ۱۹۵۷ء	گیان منزل پبلشرز دریاپور پٹنہ
۲۱	گلہائے پریشاں	محمد الیاس	״	״	״	اسرار کریمی پریس الہ آباد
۲۲	فوائد الفوائد	حسن دہلوی	فارسی	״	ندارد	مطبع حسنی
۲۳	مشر بندھو بنود	گنیش بہاری مشر، شیام بہاری مشر ایم اے، رائے بہادر سکھدیو بہاری مشر بی اے	ہندی	مطبوعہ	سمبت ۱۹۸۴ تیسرا ایڈیشن	گنگا پستکالا لکھنؤ
۲۴	منتخب اللطائف	رحم علی خاں	فارسی	قلمی	تحریر شدہ سنہ ۱۲۳۶ھ	×
۲۵	منتخبات کلام ہندی	پروفیسر جعفری حیدرآبادی	اردو	مطبوعہ	سنہ ۱۹۳۰ء	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
۲۶	موج کوثر	نفیس سندیلوی	״	״	سنہ ۱۹۶۰ء	مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ
۲۷	نقوش ادب	محمد مطیع الرحمٰن	״	״	״	نیشنل پریس الہ آباد
۲۸	ہندی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر محمد حسین	״	״	سنہ ۱۹۵۵ء	تنویر برقی پریس لکھنؤ
۲۹	ہندی شاعری	ڈاکٹر اعظم کریوی	״	״	سنہ ۱۹۳۱ء	گنگا فائن آرٹ پریس لکھنؤ

"گل وگوہر" کی بابت

چند اہلِ ذوق اصحاب کی رایوں کا ترجمہ

(۱)

از

جناب ایم۔ وائی نوری صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ سابق منسٹر حکومت بمبئی۔ و سابق ممبر مجلس قانون ساز و انڈین پارلیمنٹ

مولوی احترام الدین احمد شاغل کی بزمانہ موجودہ آخری تالیف "گل وگوہر" کا قلمی نسخہ میں نے مطالعہ کیا۔

منجملہ دیگر تصانیف اُن کے مصنفہ "تذکرہ شعرائے جے پور" کو انجمن ترقی اُردو ہند شائع کر چکی ہے۔ اور ایک دوسری کتاب بھی جو بطور تاریخ خوشنویسی ہے الموسوم بہ "صحیفہ خوشنویساں" اور اُردو میں اپنی نوعیت کی منفرد تصنیف ہے۔ انجمن مذکور میں زیر طباعت ہے۔ اور توقع ہے کہ عنقریب شائع ہو گی۔

مولوی صاحب کی خوشنویسی کا پتہ اُن کے قلمی نسخے "گل وگوہر" کے مطالعہ سے بخوبی چلتا ہے جس کی تدوین میں اُنھوں نے ڈیڑھ سال سے زائد اپنا وقت صرف کیا ہے۔

بلاشک یہ کتاب بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے اُردو میں انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مولوی صاحب نے ہندی کے مشہور کویوں کے ڈیڑھ سو سے زیادہ منتخب دوہے مختلف موضوعات پر درج کر کے اُن کے معنی بھی بتائے ہیں۔ اور بالکل اُسی موضوع کے یا بعض اُس کے برعکس پانچ سو سے زائد دلکش اشعار اساتذۂ فارسی کے بھی مع ترجمہ درج کئے ہیں۔ علیٰ ہذا آٹھ سو اشعار اُردو کے شعراء کے بھی ہر جگہ جواباً تحریر کئے ہیں

اس طرح ہر سہ زبان کے شعراء کے افکار و تخیلات کی وحدت و یکسانیت کا ایک نہایت خوشگوار و خوشنما گلدستہ اور بیحد دلچسپ و دلکش مرقع تیار کیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے مولوی صاحب کی غور و فکر کی محنتِ شاقہ کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

بلا شک شاغل صاحب، کویوں اور شعراء کو قریب تر لانے کی کوشش میں کامیاب ہیں، اور ان کے تخیلات کے مشترکہ شعری سرمایہ وراثت کی نشان دہی کرنے میں مولوی صاحب کی سعی مشکور ہے۔

میری رائے میں مولوی صاحب کا صحیح راستے کی طرف یہ ایک بروقت و مناسب قدم ہے اور قومی یکجہتی کے لئے مفید تر رہنمائی۔

دستخط۔ ایم۔ وائی۔ نوری

حیدر بلڈنگ فضل روڈ۔ کلابہ
بمبئی ۵

۵ ستمبر ۱۹۶۱ء

(۲)

از

جناب الحاج۔ خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری۔ آر۔ اے۔ ایس (ریٹائرڈ) سابق چیرمین ریوینیو بورڈ راجستھان حال آفیسران اسپیشل ڈیوٹی ریوینیو ڈیپارٹمنٹ راجستھان و صدر انجمن ترقی اردو راجستھان

میں نے مولوی احترام الدین احمد شاغل کی تصنیف "گل و گوہر" کے قلمی نسخہ کا مطالعہ کرنے میں اپنے چند خوشگوار لمحات گذارے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی جس میں ہندی کے مشہور کویوں کے دو سو سے زائد عمدہ منتخب دوہے یکجا کئے گئے ہیں اور اُن کے جواب میں اردو اور فارسی کے ویسے ہی مشہور شعراء کے اشعار بڑی محنت سے جمع کئے ہیں۔

مولوی صاحب نے دوہے اور اشعار انتخاب کرنے اور اُن کا مطلب بیان کرنے نیز نکات کی وضاحت کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ اس طرح اُردو اور ہندی کے اہلِ سخن میں یکجہتی و ہم آہنگی پیدا کرنے کی قابلِ تعریف کوشش کی ہے۔

کاشانۂ الطاف
سی اسکیم ایزیا۔ جے پور
۱۹ر ستمبر ۱۹۶۱ء

دستخط۔ الطاف احمد خیری

(۳)

اثر

جناب پروفیسر۔ آئی۔ سی۔ شرما صاحب صدر فلاسفی ڈیپارٹمنٹ مہاراجہ کالج جے پور

مولوی احترام الدین احمد شاغل بلاشبہ راجستھان میں ایک اہم ادبی ہستی ہیں۔ اُردو ادب کی ترقی میں اُن کی خدمات اپنی نوعیت کی آپ مثال ہیں۔ مجھے اُن کی موجودہ آخری تصنیف "گل و گوہر" کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اُن کا یہ کام بے مثال ہے۔ اس میں ہندی، اُردو اور فارسی کے اشعار کا عمدہ انتخاب ہے اور ان تینوں زبانوں کی یک رنگی نہ صرف اظہارِ خیالات تک محدود ہے۔ بلکہ موضوعات میں بھی کارفرما ہے۔ ہندی کے چوٹی کے شعراء کے اشعار منتخب کئے گئے ہیں اور تقریباً اُسی موضوع کے اشعار اُردو اور فارسی کے درج ہیں۔ یہ ایک بے بہا ادبی کوشش ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُردو اور ہندی جو دونوں ایک ہی سرزمین کی پیداوار ہیں اور ایک ہی آب و ہوا میں پرورش یافتہ ایک ہی قسم کے ہندوستانی مسائلِ زندگی کے موضوعات تخیل سے مملو ہیں۔

مولوی صاحب کی یہ کتاب اُن لوگوں کی پسندیدگی کی مستحق ہے جو جلد سے جلد قومی یکجہتی لانا چاہتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ علمی و ادبی دنیا میں اس کتاب کی خاطر خواہ قدر ہوگی اور یہ نہ صرف مصنف بلکہ جے پور اور راجستھان کا نام روشن کر سکے گی۔

۲۴ر ستمبر ۱۹۶۱ء

دستخط۔ آئی۔ سی۔ شرما۔

۴

اثر

جناب سید لائق علی صاحب عسکری سابق سپرنٹنڈنٹ پولس جے پور۔ آنریری سکریٹری انجمن تعلیم المسلمین۔ جے پور

حصول برکاتِ ربانی کی غرض سے اس مختصر گلدستہ کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ سے اور اختتام نعتِ سرورِ کائنات صلعم پر کرتے ہوئے مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل نے جن اشعار وغیرہ کا انتخاب اُن عظیم و وسیع خزائن سے کیا ہے جو ازمنہ ماضی و حال کے شعرائے ہند و فارس کے معیاری و مشہور۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام کے لآلی و جواہر سے معمور ہیں۔ میری دانست میں بے نظیر و بے بہا ہے۔ اس طرح مولانائے موصوف کی فضیلتِ علمی و تبحرِ فنی اظہر من الشمس ہے۔

یہ نسخہ سہ گانہ گلہائے منظوم کا ایک دلکش گلدستہ ہے۔ جس میں ہندی، فارسی اور اُردو زبانوں کے دوہے، اشعار، رباعیات، اور قطعات جمع کئے گئے ہیں یہ چار ابواب اور بہتّر فصلوں پر منقسم ہے۔ لسانی نقطۂ نظر سے یہ طریقِ ترغیب نہایت خوشنما ہے۔ اس طرح کہ اوّل ایک ہندی دوہا درج کیا گیا ہے۔ پھر فارسی و اُردو کے اشعار درج کئے ہیں جو معنیً و مفہوم کے لحاظ سے دوہے پر جزواً یا کلیتہً منطبق ہوتے ہیں اور مزید توضیح کے لئے ہندی دوہے اور فارسی شعر کا ترجمہ بھی اُردو میں کر دیا ہے۔ جو میرے لئے اس وجہ سے باعثِ مسرت ہے کہ مصنف نے صحتِ معنیٰ و تخئیل کا پورا خیال رکھا ہے اور یہ کہ ادبی و شاعرانہ قدر و منزلت کے علاوہ یہ قلمی نسخہ مولانا شاغل کی خوشنویسی کا بھی عمدہ نمونہ ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ صلاحیتِ سخن سنجی مبنی ہے کلام کے حقیقی جوہر و محاسن اور اُس کے دقیق و عمیق معانی و کنایات کے استدراک پر۔ جس کے لئے شعر کی ابتدا اور اس کے مبادیات و اصول کا علم ضروری ہے۔ لہٰذا ذیل کی سطور میں اس کی مختصر توضیح کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ کہ علمی توجیہات کی بنا پر حسب کہ کوئی علمی رہنمائی نہ ہو تخلیقِ شعر کی ابتدا معلوم کرنے کی جد و جہد کرنا

رائیں

سعی لاحاصل ہے۔ البتہ یہ امر متیقن ہے کہ انسان نے جب بھی اپنے کسی فردِ بنی نوع کے حسن کے قدر و منزلت کے احساس سے مغلوب ہو کر اپنے وفورِ ذوق اور افراطِ محبت کا مظاہرہ کیا ہوگا اور اپنے غلبۂ اشتیاق و وارفتگیِ لامحدود کا اس سے رابطہ قائم کرنے کا اسے ذریعہ بنایا ہوگا۔ اسی وقت شعر عالمِ وجود میں آگیا ہوگا۔ جس کو شعرا اور فنکار ہستیوں نے امتزاجِ حسن و عشق سے معنون کر کے شعلۂ شمع و سوزِ پروانہ سے مماثل کیا ہے۔ جس کی تکمیل خاکسترِ پروانہ میں مضمر ہوتی ہے اور یہی جذبۂ عشق کا وہ مرکز ہے جس کے گرد کرۂ جرمِ شعر گردش کرتا ہے اور اسی جوہرِ فردِ ولا کے لوازماتِ مثبت و منفی مثل امید و رجا، طلب و تمنا اور بیم و یاس، حقارت و نفرت، خود فراموشی و وحشت کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ جس کو سنگِ بنیاد قرار دے کر شاعر ایک رفیع و وسیع قصرِ وقیع تعمیر کرتا ہے۔ جس کے مختلف قطعات رزمیہ و بزمیہ، بینیہ و بیانیہ، عاشقانہ و عارفانہ اخلاقی و مقصدی اور ناصحانہ و مصلحانہ شاعری سے نامزد ہوتے ہیں۔

ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وفورِ جذبۂ محبت میں فطری تقاضوں نے خود بخود ایک راہ ڈھونڈ نکالی جس نے کسی بھی وقت الفاظ کی شکل اختیار کر لی جو اس نازک و لطیف وصف (جذبہ) کے لئے نہایت مناسب تھی اور کلامِ موزوں سے موسوم کی گئی۔ انہیں جذبات کے ابھار کا مادۂ خام بتدریج ترقی کر کے غزل بن گیا جس کو فنِ شعر کی معراجِ کمال تسلیم کیا جاتا ہے۔ پس اس طرح غزل یا عشقیہ شاعری کا خیالی نقشہ ایسی زبان میں بیان کرنا قرار پایا جو اعلیٰ درجہ کی تخییلی و جذباتی ہو اور پُرزور طریق پر سامعین و ناظرین کے احساساتِ خیالی کو متاثر کر سکے۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر "گل و گوہر" کی جانب منعطف ہوتے ہوئے مجھے یہ لکھنے میں مسرت ہے کہ بیشتر اشعار فنکارانہ نگاہ سے انتخاب کئے گئے ہیں جو پُر نکہت مصالحوں کی خوشبو سے مملو ہیں۔ اور جن میں بظاہر مشرقی شاعری کا مخصوص رنگ نمایاں اور پُرتکلف نفسیاتی تصورات کی کثرت عیاں ہے۔ لیکن صوفی منش حضرات نے جن کی نسبت باور کیا جاتا ہے کہ ان کا ذہن آسمانی معاملات کے ادراک کی صلاحیتِ خاص رکھتا ہے۔ بباطن ان تصورات کو ماورائی واقعات تسلیم کیا ہے۔ الحاصل منتخبہ اشعار اور مختلف النوع انسانی جذبات احساسات اور قوائے ذہنی کی رنگارنگ کیفیات پر حاوی ہیں۔ جن کو مضمون اور عنوانات کے تحت بڑی خوبی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ یقیناً یہ اگر موسیقی کی شکل اختیار کر لیں تو جذباتِ نفس کے طوفان کو روکنے والے پشتوں (

کو پاش پاش کر ڈالیں اور اپنے جادو اثر الفاظ و نوافی اور اوزان کے زور سے لطیف الحس انسان پر بھی حالتِ بیخودی و کیفیتِ وارفتگی مستولی کر دیں ۔

مولانائے موصوف نے نفسِ مضمون کو بعض شعراء کے مزاحیہ اور رنگین واقعات سے بھی مزین کیا ہے، مثلاً شہنشاہِ جہانگیر اور اُس کی حسین ملکہ نور جہاں کا فی البدیہہ شعری مکالمہ جو اس چھوٹی سی کتاب کو اور بھی دلکش و فرحت بخش بنا دیتے ہیں ۔

مولانا شاغل نے اس کتاب میں دو ضمیمے بھی شامل کئے ہیں ۔

ضمیمہ اوّل میں اکیس (۲۱) کویوں ایک سو دس (۱۱۰) فارسی سخنوروں اور ایک سو باون (۱۵۲) اُردو شعراء کی حیات و کردار کا نہایت مختصر خاکہ پیش کیا ہے ۔ اس ضمن میں مصنف نے زیرکی و ذکاوت کی روشنی میں مروجہ ملمع کاری سے احتراز کیا ہے اور عرصۂ سخن کے بعض نامور شہسواروں کے سوانح حیات کا بالکل سادہ و صحیح الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے ۔

ضمیمۂ دوم میں اُن کتابوں کی فہرست ہے جن سے اس گلدستہ کے لئے گلہائے خوش رنگ فراہم کئے ہیں جو اس صنفِ ادبِ لطیف کی ایک شائستہ و پاکیزہ فہرست بن گیا ہے ۔

ان ضمیموں پر طائرانہ ہی نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اس مختصر مگر اہم اور نادر نسخہ کی ترتیب کے لئے کس قدر دماغ سوزی و دیدہ ریزی کی ہے ۔

یہ ضمیمے بڑی حد تک اس کتاب کی کامیاب تکمیل ہیں ۔

اس تکمیل سے جو حُسنِ ظاہری و محاسنِ معنوی کے باعث فرحت بخش و نظر نواز بھی ہے، واضح ہوتا ہے کہ مؤلف موصوف نے کوشش کی ہے کہ ہندی کویوں اور اُردو شعراء کو ایک مرکز پر لاکر ان کے اختلافات باہمی کا خاتمہ کر دے ۔ اور اتنا قریب لے آئے کہ ایک دوسرے کو پورے طور پر سمجھ سکیں ۔ اسی لئے مؤلف نے اپنے تمام ذرائع سے کام لیا ہے ۔ اور اس سرچشمۂ لطیف و شیریں سے جو اُن کو ورثۂ اتحاد کے طور پر ملا ہے سیراب ہوتے ہیں اور اُس تخیلِ بلند و رنگیں کے فیضان سے جو اُن کا سرمایہ آبائی ہے اور دونوں ایک ہی منبع کے دو دھارے ہیں مساویانہ مستفید ہونے کا انصرام کر دیا ہے ۔ جس پر

اُس نے اپنی تمام تر کوشش کو کامیابی کے ساتھ مرکوز کیا ہے۔ لہٰذا میں بصمیمِ قلب مصنفِ موصوف کی اس فاضلانہ و دردمندانہ مہم عظیم کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے اس کی اشاعت کا متمنی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس سہ رنگے لسانی گلدستہ سے جس کا ہر پھول نظر نواز و فرحت افزا ہے اور جن سے اُس کا ہر صفحہ رشکِ گلزار و کشتئ گہر شہسوار ہے۔ اہلِ علم و دانش اپنے خزانۂ ذوق کو گراں بار و معمور کریں گے۔

دستخط سید لائق علی عسکری

۱۲ ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

(۵)

اثر

جناب پنڈت رام کشور صاحب ویاس ۔ ہوم منسٹر گورنمنٹ راجستھان

مجھے مولوی احترام الدین احمد شاغل کی تازہ ترین تصنیف "گل و گوہر" کے مطالعہ سے بڑی مسرت ہوئی ۔ وہ ایک ممتاز ادیب و شاعر اور عمدہ خوشنویس بھی ہیں اور جے پور کے معزز عالم اجل و فاضل متبحر مولانا محمد سلیم الدین تسلیم کے خاندان سے متعلق بھی ہیں ۔

مولوی صاحب نے دنیا کے نامور کویوں مثل سنت تلسی داس ۔ کبیر داس ۔ سور داس اور دادو دیال کے دوہوں اور فارسی کے ممتاز شعرا مثل حافظ و جامی اور مولانا روم و خیام اور اردو کے بلند مرتبہ سخنور مثل میر ۔ سودا ۔ ذوق ۔ غالب ۔ امیر ۔ داغ ۔ مائل و اقبال کے ہم موضوع و ہم خیال اشعار کو یکجا کرنے میں قابلِ ستائش کامیاب کوشش کی ہے لہٰذا وہ بجا طور پر تعریف و توصیف کے مستحق ہیں ۔

مولوی صاحب نے ہندی ۔ اردو اور فارسی کی شعری ہم آہنگی ظاہر کرنے کی قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے ۔ انھوں نے مادرِ ہند کے سپوتوں اور غیر ملکی نامور شاعروں کی فکری و تخیلاتی یک رنگی کا عمدہ مظاہرہ کیا ہے ۔ ان کی یہ سعیِ مشکور ملکی و قومی یکجہتی قائم کرنے کے سلسلہ میں ایک مفید و مستحسن قدم ہے ۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بڑی محنت و دیدہ وری کا اظہار کیا ہے ۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب "گل و گوہر" ہر جگہ عموماً اور راجستھان میں بالخصوص مقبول ہوگی کیونکہ اس میں راجستھان کے سنت اور سادھوؤں کے نتائج افکار بھی ہیں ۔ مثل میرا بائی اور دادو دیال اور حالات بھی ۔ اور اسی طرح قدیم اُستادِ سخن مثل حضرت تسلیم اور زمانۂ حال کے شاعر مثلاً جناب صبا کا بھی کلام و حال ہے ۔

۲۳ / اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء

دستخط ۔ رام کشور ویاس

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر جناب شمیم صبائی متھراوی صاحب مقیم پاکستان

خرد فروز گل و گوہر

۱۳۸۴ ہجری

شکر مہر کا جن کے باعث — دیکھے شاغل کے "گل و گوہر" بھی
سعی شاغل کی اگر داد نہ دی — ظلم ہوگا یہ مرتب پر بھی

داد تاریخ میں یوں دیجے شمیم
ہیں بہت خوب گل و گوہر بھی

۱۳۸۴ ہجری